حضرت
میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
اور
کشمیر
کشمیر تہذیب و ثقافت کے تناظر میں
پروفیسر غلام محمد شاد

حضرت

میر سیّد علی ہمدانی

(رَحمۃُ اللہ علَیہِ)

اور

کشمیر

(کشمیر تہذیب و ثقافت کے تناظر میں)

پروفیسر غلام محمد شاؔد

ناشر

اشرف بُک سینٹر ریڈ کراس روڈ سرینگر

نام کتاب : حضرت میر سید علی ہمدانیؒ اور کشمیر
(کشمیری تہذیب وثقافت کے تناظر میں)

مصنف : جی ایم شاد
۵۱، گوری وان غرب، بج بہارا کشمیر

بااہتمام : محمد اشرف قاری

سال طباعت : ۲۰۰۷ء

پہلی بار : ۱۰۰۰

قیمت مجلد : -/325

کمپیوٹرائزیشن : وسیم احمد، نسیم اختر

ناشر

اشرف بک سینٹر ریڈ کراس روڈ سرینگر

فون: 2482371 (s), 2432004 (R)

سول ڈسٹری بیوٹرز:

پراگاش بک سینٹر، سیکاپ روڈ، بج بہارا کشمیر ۱۹۲۱۲۴

مکتبہ علم وادب ٹی وی بلڈنگ ریڈ کراس روڈ سرینگر

اے بی سی پبلشنگ ہاوس،

13 کسٹوڈین بلڈنگ ریڈ کراس روڈ سرینگر

ترتیب مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سکوتِ سُخن جُو

اس کتاب کا زیادہ تر حصہ اُن مقالات پر مبنی ہے جو میں نے ۱۹۸۵ء سے لیکر ۱۹۸۹ء تک اُن سالانہ تقریبات میں پیش کرنے کیلئے تحریر کئے تھے، جن کا اِنعقاد اسلام آباد پاکستان کی بین الاقوامی شاہِ ہمدان کانفرنس نے اسلام آباد، راولپنڈی اور مُظفَّر آباد میں کیا تھا۔ میرے محترم دوست، مُوقّر ہفت روزہ اخبار ''کشیر'' راولپنڈی کے مدیر خواجہ عبدالصَّمد وانی صاحب ۱۹۸۵ء سے ہی مجھے اس کانفرنس کے اہتمام سے منعقد کی گئی سالانہ تقریبات میں برابر شریک ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ سال ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء میں، پاسپورٹ نہ ملنے کی وجہ سے شریک تو نہیں ہو سکا، لیکن میں نے رجسٹرڈ ڈاک سے اپنے مقالے محترم خواجہ صاحب کے نام بھیج دیئے۔ سال ۱۹۸۷ء کے آغاز سے کوشش کر کے پاسپورٹ مل گیا اور اس سال بھی محترم خواجہ صاحب کی سعی سے مجھے آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی مظفر آباد کی طرف سے ماہ ستمبر میں منعقد ہونے والی شاہ ہمدان بین الاقوامی کانفرنس کی تقریبات میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ پاسپورٹ کے بعد پاکستانی سفارت خانہ سے ویزا بھی مل گیا، میں بغیر کسی مشکل کے کانفرنس میں شریک ہو سکا۔ کانفرنس کی تقریبات کے آخری دن کی قبل از دوپہر کی واحد نشست (جس کی صدارت وزیرِاعظم آزاد کشمیر محترم سکندر حیات خان صاحب نے فرمائی) میں، میں نے اپنے سابقہ دو مقالوں کی تلخیص کے ساتھ..... اپنا تیسرا مقالہ بھی پورا وقت لے کر سامعین کی خدمت میں پیش کیا، اس تقریب میں صدر اور وزیرِاعظم آزاد کشمیر کے علاوہ سارے وُزراء، ارکان و اعیانِ حکومت، ہائی کورٹ کے چیف جسٹس و دیگر جج صاحبان، مذہبی عُلماء کے ساتھ ساتھ، دُنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے سکالر اور عالم و فاضل موجود تھے، ان میں سے اب چند حضرات کے اسمائے گرامی ہی یاد رہ گئے ہیں، مثلاً برصغیر ہند و پاک بشمول

میرے محترم بزرگ دوست) پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر سعید الدین ڈار صاحب، پروفیسر ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب، پروفیسر ڈاکٹر بل جان صاحب (ہالینڈ) تاریخ اسلام کے نامور ماہر مؤرخ اور محقق محترم پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمّد اقبال صاحب (سابق ڈائریکٹر محکمہ لائبریریز، ریسرچ، آرکائیوز اینڈ میوزیمز حکومت جموں و کشمیر) ڈاکٹر چندر کانت نیپال) پروفیسر ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب، پروفیسر ڈاکٹر سرور عباسی صاحب، ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، پروفیسر نذیر احمد شال صاحب، محترم خواجہ غلام الدین وانی صاحب (ایڈوکیٹ ہائی کورٹ) محترم خواجہ عبد الصمد وانی صاحب مدیر ہفت روزہ کشیر راولپنڈی، (اب مرحوم ہیں) محترم میر عبد العزیز صاحب مدیر "انصاف" راولپنڈی (اب مرحوم) محترم کلیم اختر صاحب ڈائریکٹر پریس ٹرسٹ آف پاکستان لاہور (اب مرحوم ہیں) اور دیگر محققین، اُدباء، پاکستان کے مشہور و معروف اخبارات کے مدیر صاحبان، سرکردہ وُکلاء اور یونیورسٹیوں کے محترم اساتذہ وغیرہ بھی تقریب میں موجود تھے، اس کانفرنس کی تقریبات کی رسم اِفتتاح مرحوم جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان نے انجام دی تھی۔

اس کے بعد بھی سال ۱۹۸۸ء اور ۱۹۸۹ء میں، مجھے شاہ ہمدان بین الاقوامی کانفرنس کی تقریبات میں شرکت کی دعوت ملتی رہی، لیکن ۱۹۸۸ء میں پاکستانی سفارت خانہ کی طرف سے پریشانیوں کے ساتھ ساتھ رکاوٹیں پیدا کی گئیں اور ویزا جاری نہیں کیا گیا۔ دوسرے سال ۱۹۸۹ء میں پاکستانی سفارت خانہ میں مجھے سات دن کے ضیاع کے بعد ویزا مل گیا، لیکن اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر ایک نہایت ہی گھٹیا قسم کے چیکنگ آفیسر نے نہ صرف مجھے ذہنی ایذا پہنچائی، بلکہ وہ میرا پاسپورٹ لے کر ایسے غائب ہو گئے کہ دیر ہوتے ہوتے، جہاز بھی پرواز کر گیا، پھر وہ رات کے ساڑھے دس بجے نظر آئے اور اپنی اس سنگدلانہ حرکت کی اوٹ پٹانگ وکالت کرنے لگا، اور اس وجہ سے میں اس سال بھی کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکا۔ لیکن میں نے سال گذشتہ کی طرح اپنا مقالہ خواجہ عبد الصمد صاحب وانی کے نام بذریعہ ڈاک، ارسال کر دیا، اور انہیں پیش آمدہ حالات سے آگاہ بھی کیا۔

موضوع میں تنّوع کے باوجود مشترکہ مقصد اور تفہیم کی وجہ سے ان سب مقالات کو پہلے ہی سے کتابی صورت میں پیش کرنے کا خیال اور منصوبہ ذہن میں موجود رہا۔ پھر وقتاً فوقتاً ان پر نظر ڈالتے ڈالتے کچھ حذف و اضافہ بھی ہوتا رہا۔ اب سال ۲۰۰۲ء میں ان سب مقالات کو از سرِ نو مرتّب کیا گیا، کچھ اضافہ بھی کیا گیا، ۲۰۰۳ء تک نہ تو ان کی کتابت ہو سکی، اور نہ ہی ان کی طباعت کا کوئی خاطر خواہ انتظام پیش نظر رہا۔ دوسری بات اب بھی ایک مشکل مرحلہ ہے لیکن اس دوران میں، کچھ مقالات کلچرل اکاڈمی کے سہ ماہی اردو رسالہ شیرازہ میں اور شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ شوپیان کے رسالہ "جُستجو" میں شائع ہوتے رہے۔

محدود آمدنی رکھنے والے ادیب و محقق کیلئے اپنی تصنیفات کی کتابت و طباعت اور پھر اشاعت وہ حوصلہ شکن رکاوٹیں ہیں، جن کو یکے بعد دیگرے دور کرنے میں کئی سال لگ جاتے ہیں، نئے نئے منصوبے بُننے پڑتے ہیں تاکہ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ رقم پس انداز ہو سکے اور تحقیقی یا تخلیقی کام مَنصہ شہود پر آ سکے۔

دراصل متوسط ذرائع آمدن کے اُدباء و محققین کے لئے اپنی تخلیق و تحقیق کی طباعت و اشاعت ایک لکژری (Luxury) ہے جس کے وہ آج کل کی گراں بازاری میں متحمل نہیں ہو سکتے ہیں، ہماری ریاست میں ایسا کوئی آزاد ادارہ نہیں ہے جو غریب ادیبوں، مُصنّفوں اور محققوں کی خاطر خواہ مدد کرے۔ اِکے دُکے جو ادارے نظر آتے ہیں وہ مقبروں اور مندروں پر دَکھِنا اور بھیک وصولنے والے جیسے ان پڑھ، خود غرض اور خوشامد پسند اور حسنِ اخلاق سے عاری کورپٹ لوگوں کی جکڑ بندی کا شکار ہیں۔ مسلمانوں کے اوقاف اداروں پر زاغ و زغن اور کرگسوں کا قبضہ ہے، اب رہے کتابوں کے تاجر، وہ کسی بھی مُصنّف کا حق تصنیف مُکمل طور پر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں اور دوست واحباب کو مفت میں کتاب پانے کی توقع ہوتی ہے۔ ریاست کے تعلیمی...... اور سرکاری اداروں کی لائبریریوں کے سربراہ، مصنّفوں کی ذاتی طور پر طبع شدہ کتب خریدنے کے بالکل روادار نہیں ہیں۔ ان اداروں میں نچلی سطح کے ملازمین میں سے ہی...... کچھ دلّال اپنے سربراہوں اور اپنے لئے بڑی بڑی خطیر رقومات کے کمیشن لئے بغیر، توہین آمیز روکھا سوکھا سلوک کرتے ہیں۔ ان مایوس کن حوصلہ فرسا حالات میں، ہم جیسے

لوگوں کیلئے کتاب کی طباعت واشاعت، پریشان کُن آزمائش ہے۔

میں اس کتاب میں دو باب، زبردست خواہش کے باوجود شامل نہیں کر سکا، ایک ''کشمیر میں اسلام کا آغاز'' اور دوسرا ''لل دیدی'' حقیقت اور افسانہ''۔ کشمیر میں اسلام کی آمد کے بارے میں، میرے عزیز برادر خورد (دوست) مرحوم ڈاکٹر محمد فاروق بخاری نے ایک وقیع کتاب لکھی ہے اور اب میرے قابل فخر شاگرد، پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف وانی، صدر شعبۂ تاریخ۔ کشمیر یونیورسٹی نے بھی "Islam in Kashmir" کے نام سے ایک وقیع تحقیق پیش کی ہے، پروفیسر ڈاکٹر فاروق بخاری مرحوم، اور ڈاکٹر محمد اشرف وانی صاحب، دونوں کی تحقیق کا رنگ آزادانہ اور مبنی بر مُستند ماخذ ہے ان دونوں کا اپروچ (Apologising) مُلتجیانہ اور محکومانہ نہیں ہے جیسا کہ میرے محترم دوست پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق خان صاحب شعبۂ تاریخ کشمیر یونیورسٹی نے اپنی تصنیف "Kashmir's Transition to Islam" میں اپنایا ہے۔ اور بھی کئی لوگوں نے اس موضوع پر لکھا ہے، لیکن اکثر پرانی ہی باتوں کو دہرایا گیا ہے، بہرکیف ان کوششوں کے باوجود یہ موضوع، صحیح اپروچ، ان تھک تحقیق اور بنیادی ماخذ تک فہم کے ساتھ رسائی کے ساتھ ساتھ، واضح طور پر آزادانہ تشریح و ترجمانی کا طلبگار ہے۔ بہت سے مستند ماخذ میرے دوستوں کی نظر سے نہیں گذرے ہیں۔ بہت سے جعلی، و نام نہاد ماخذ کذب و افترا، دجل و تلبیس کا پلندہ ہیں۔ انہیں زیر نظر رکھتے ہوئے بصیرت سے کام لینے کی ضرورت ہے اور فارسی زبان میں ایک معتدبہ ذخیرہ خُرافات، بے سروپا قصص اور الف لیلویٰ طرز کے عجوبات و توہمات پر مبنی ہے، یہ ایک ریگستان ہے، جس میں سونے کے باریک ذرات تلاشنے کیلئے عقاب کی تیز بین نظر کی ضرورت ہے اور پھر مختلف قسم کے غیر مسلم لکھنے والوں کی تحریرات کو بار بار پرکھنے کی ضرورت ہے، جو جو تحریفات اُن حضرات نے ''مستند'' ماخذ سے منسوب کر کے لوگوں کے ذہن میں، حقایق کے نام سے اُتارے ہیں، وہ بہت ہی خوشنما دکھائی دیتے ہیں اور کچھ حقائق کو انہوں نے جس باریک طریقے سے توڑ مروڑ کے پیش کیا ہے، اس پر وسعت علم کے ساتھ تنقید و جرح کی اشد ضرورت ہے۔ یہ لوگ کبھی سیکولرازم، کبھی کمیونزم اور نیشنلزم کا لبادہ اوڑھ کر مردہ سماجی، اور بوسیدہ تہذیبی روایات و خرافات کو خوبصورت انداز میں

پیش کر کے بے خبر عوام کو گمراہ کرتے آئے ہیں۔

لل دید کے بارے میں، میں نے بہت سے اجتماعات اور سیمناروں میں، یہ سوال اٹھایا، کہ انیسویں صدی عیسوی تک، دسویں صدی عیسوی سے لیکر، کوئی بھی ہندو، مورّخ نہ تو لل دیدی کا کوئی ذکر کرتا ہے، نہ اس کے کلام کے بارے میں کچھ لکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کے پنڈت مورّخ، کلہن، شری ور، زون راج وغیرہ جو لل دیدی کے ہم عصر، اور قریبی زمانے سے تعلق رکھتے تھے، وہ سب لل اور کشمیر میں اسلام کی آمد و فروغ کے بارے میں دیدہ ودانستہ طور پر لاتعلقانہ اغماض بَرتتے ہوئے خاموش ہیں۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ اور کلہن کے سمیت ان تمام نیم مورّخوں نے اپنی دھارمک پرمپرا کے مطابق تمام غیر برہمن و غیر ہندو قوموں خصوصاً مسلمانوں کی آمد کے بارے میں نہ صرف پُراسرار خاموشی بلکہ توہین آمیز رویہ بھی اپنایا ہے اور اسی کے تحت نہ تو حضرت شرف الدین بلبل شاہ صاحبؒ نہ حضرت علی الہمدانی صاحبؒ اور نہ ہی حضرت شیخ نورالدّین ریشیؒ کا کوئی بھی ذکر کیا ہے۔ اس سب رَدّیہَ کے پیچھے کوئی خاص مقصد کارفرما رہا ہے۔ کسی سید نوردین کے بارے میں شری ور نے ایک من گھڑت قصہ گھڑ کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے، جسے خواہ مخواہ کے مضمون نویسوں نے حضرت شیخ نور الدین ریشیؒ کے ساتھ جوڑ کے، اپنے زعم میں زبردست تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے۔ بغیر جرح و تنقید کے کسی فرد کی ذاتی رائے یا کہانی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بات خصوصی طور پر ذہن میں رکھنی چاہئے کہ راج ترنگینی اور دیگر ہمچو قسم کی ترنگینیاں بنیادی طور پر منظوم قصے ہیں، جن میں اساطیر اور توہمات سے مملو قصوں کے ساتھ ساتھ ازمنہ کی تاریخ کو گڈمڈ کر کے نظم میں استعاروں اور تشبیہوں کے ساتھ مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بقول ڈبلیو، ویکفیلڈ یہ تاریخ اور فکشن کا ملغوبہ ہیں۔

بہرکیف متذکرہ صدر دو۲ نا مشمولہ بابوں کا تفصیلی ذکر یہاں پر مطلوب نہیں ہے۔ اُن پر علاحدہ کتاب لکھی جارہی ہے۔ جو مناسب وقت پر مَنصۂ شہود پر آئے گی۔ گذشتہ سو سال کے طویل عرصہ سے ریاست جموں و کشمیر کو نہایت ہی حوصلہ شکن، روح فرسا اور چوطرفہ کرب ناک ظلم و جبر کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ایسے آتش فشاں ماحول میں، انفرادی طور پر بھی بے چاری

اکیلی جان کو بچا کر رکھنا ہی بڑی کرامت ہے، اور پھر ''عشق و عاشقی'' یعنی سکونِ خاطر اور
پرامن وخوشگوار ماحول کا طلبگار۔ تصنیف وتالیف کا کام، انجام دینا، آگ کے دریا سے گذرنے
کے برابر ہے، بقول حضرتِ سعدیؒ (بعد تصرفِ خفیف) ؎

چناں قہر، بَرپا، شُد، اندر، دَمِشق — کہ یاراں، فراموش کردند عشق

لیکن انسان عجیب الخلقت مخلوق ہے، جب صبر واستقامت کے ساتھ کچھ کرنے پر اڑ
جائے تو یہ آگ کے شعلوں میں گھر کے بھی گنگنانے لگتا ہے، گذشتہ کئی دہائیوں سے کشمیری
لوگ اِسی صورتحال سے گذر رہے ہیں۔ صاحبُ الغرض اور سیلانی لوگ اِس کے ظاہر کو دیکھ
اِسے اَمن، خوشحالی اور چین کا ماحول سمجھ رہے ہیں۔ پُرسش جراحتِ دل کرنے والا اور پھر اس کا
مداوا کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ نہ باغ کا غاصب، نہ رکھوالا، نہ سیلانی۔

انہی حالات میں گذشتہ سولہ سال بھی گذر گئے، اس دوران میں بارہا کریک ڈاؤن
ہوئے، تلاشیاں ہوئیں، کتابوں اور کاغذات کو بار بار اُتھل پتھل کیا گیا، مرتّب اور مدَّون
کام منتشر کئے گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ بار بار کے بکھرائے جانے کے بعد کچھ اہم کاغذات مثلاً حوالہ
جات، مُسودات، نوٹس اور ضروری یادداشتیں، گم ہوگئیں۔ جن کا اثر میری اُن سب کتابوں پر
پڑا، جو تیار کی گئی تھیں۔ ایسی کئی کوتاہیاں اور کمیاں اس کتاب میں ضرور ہوں گی، جن کیلئے میں
سراپا معذرت خواہ ہوں۔ یہ کتاب حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ اور اُن کے تربیت یافتہ شاگردوں
کی اُن مساعی جمیلہ کے خوشگوار، پائیدار اور زندہ جاوید دوررس اَثرات ونتائج پر مبنی ہے جو اُن
گرامی حضرات نے اللہ کے پسندیدہ مکمل دینِ اسلام کی ہمہ گیر نشر واشاعت کیلئے کشمیر میں
انجام دیں۔ اس لئے یہ کتاب حضرت امیر کبیرؒ اور اُن کے رفقائے کرام کے نام مُعنون اور
منسوب کرنے میں، میں قلبی مُسرَّت اور روحانی طمانیت محسوس کرتا ہوں۔ والسلامُ علیٰ
مَنِ اتَّبعِ الھُدیٰ۔

بیت العارفین، نج بہارا، کشمیر
۹ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ
۸ اپریل ۲۰۰۶ء

دعا کا طالب
پروفیسر جی ایم شاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنے عروج اور فتوحات کے دور میں مسلمان جہاں کہیں بھی گئے، وہ اپنے ساتھ
تہذیب وتمدُّن اور علم وفن کی روشنی بھی لے گئے۔ انہوں نے تاریخ کے اس گہرے راز کو بخوبی
سمجھ لیا تھا کہ تہذیبی، تمدُّنی، علمی، ادبی، دینی اور روحانی فتوحات کے بغیر ملکوں کی فتح نہ کبھی
پائیدار ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی دائمی اور گہرا اثر چھوڑ سکتی ہے۔ اِسی بناء پر مشرق میں وسط
ایشیاء، برِصغیر ہندوپاک اور مغرب میں اسپین اور افریقہ کے بہت سے ملکوں کو انہوں نے
تہذیب وتمدُّن کی تاریخ کا ایک زرّیں اور درخشندہ باب بنا دیا۔ اس کے برعکس منگولوں،
ہُنوں اور دیگر ہمچو قسم کی قوموں کی فتوحات کا سلسلہ نہایت وسیع وعریض ہوتے ہوئے بھی دنیا
کی تاریخ میں، تباہی، ہلاکت اور بربادی کے سوا اور کوئی نقش نہیں چھوڑ سکا۔

وادیٔ کشمیر اس لحاظ سے بہت ہی خوش قسمت ہے کہ مسلم حکومت کے ساتھ ساتھ
یہاں کی ثقافت اور تہذیب وتمدُّن کی بنیاد بھی ساداتِ کرام کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی۔
دراصل علماء وصوفیائے کرام ہی کشمیر میں مسلم سلطنت اور حکومت کے اصلی معیار تھے۔ اُن کی
درویشی میں شہنشاہی اور ان کی قلندری میں شانِ سکندری تھی۔ ان کی خانقاہیں دراصل درس
گاہیں تھیں۔ ان کی تبلیغی، روحانی اور علمی مساعی حکومت کیلئے دل کا کام انجام دیتی تھیں۔ عالم و
فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مختلف ہُنروں اور پیشوں میں مہارت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے
انہی کے ذریعہ علوم کے ساتھ ساتھ فنون بھی پھیل گئے، مدارس، مساجد، خانقاہیں اور دیگر
عمارات تعمیر ہوئیں۔ قصبوں، شہروں اور دیہات کو نئی زندگی اور رونق مل گئی اور اس مُقدَّس قافلہ کا
جو فرد جہاں پر قیام پذیر ہوگیا۔ وہاں علمی، روحانی اور تہذیب مرکز کی بنیاد پڑ گئی۔ عرب، ایران
ترکی اور وسط ایشیا کے اسلامی علوم وفنون اور روحانیت کے خزانے کشمیر میں علماء ومشائخ و
صوفیائے کرام کی بدولت ہی خاص وعام کیلئے کھل گئے۔ جس سے وادی کا کونہ کونہ مُنوّر اور
روشن ہوگیا۔

چودہویں صدی عیسوی کے وسط میں کشمیریوں کیلئے اسلام بالکل انجانا اور اجنبی

مذہب نہیں تھا۔[۲] ۱۳۳۹ء سے تین سو سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے وادی کشمیر میں اسلام اور مسلمانوں کی تہذیبی، تمدنی، مذہبی اور ثقافتی زندگی کی موجودگی کا سراغ ملتا ہے۔ سلطان صدر الدین رینچن شاہ کے مختصر عہد حکومت میں، اعیانِ سلطنت کے ساتھ، فوج کے اکثر اعلیٰ افسر اور راجپوت لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی تقلید میں تقریباً دس ہزار عام لوگ بھی حضرت سیّد بُلبُل شاہؒ کی تبلیغی مساعی سے دائرۂ اسلام میں آ گئے۔ صدر الدین نے حضرت بلبل شاہؒ کے لئے ایک خانقاہ، اس سے ملحق ایک لنگر خانہ اور ایک مسجد تعمیر کی[۳]۔ ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد کشمیر میں اسلام کی پیشرفت اگرچہ کچھ وقت کیلئے رُک جاتی ہے لیکن شاہ میر کے سلطان شمس الدین کے لقب سے تخت نشین ہوتے ہی یہ پھر شروع ہو جاتی ہے۔

کشمیر کی تاریخ میں شاہ میری سلطنت کے قیام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دراصل اُن کے اقتدار کے قائم ہوتے ہی نہ صرف پُرانا بوسیدہ سیاسی اور سماجی نظام منہدم ہوا بلکہ فکر و نظر کے پرانے سانچے، پیمانے اور معیار سب ٹوٹ گئے۔ نئے نئے علوم منصۂ شہود پر آ گئے اور روحانیت کی بالکل نئی زندہ اور روشن ترین تحریک وجود میں آ گئی۔ متضاد نظریات کے آپس میں ٹکرانے سے عمل اور ردِّ عمل کا سلسلہ جو بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اب اس میں شدت سے اُبال آ گیا۔ جس نے فکر و عمل کے بہت سے نئے راستے کھول دیئے۔ شاہ میریوں کے بارے میں موجودہ دور میں، بہت کچھ تحریر کیا جا چکا ہے لیکن دیگر مشائخ، خصوصاً ہمدانی مبلغین کی مساعی جمیلہ کے تبلیغی علمی، ثقافتی اور روحانی پہلو ابھی تک تشنۂ مضرابِ تحقیق ہیں۔ زمانے کا تقاضا، ماحول کا رنگ، وسایل کی کمی اور سیاسی مد و جزر کی وجہ سے حضرت امیر اور ان کے رفقاء نے بے پناہ ایثار اور قربانیوں سے اور اپنی زندگیوں کے رنگ و روغن کو جلا کر، علوم و فنون، تقویٰ اور تزکیۂ باطن کے چراغوں کو روشن کر کے کفر و جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں اجالا کیا، اُن کے حالات اور کارناموں پر ابھی تک کوئی مخصوص اور خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے۔ جس سے اُن کی سرگرمیوں کا صحیح اور مکمل ادراک اور عرفان حاصل ہو سکتا[۱]۔

کشمیر میں اسلامی علوم کے نشو و ارتقاء کی تاریخ تحریر کرتے وقت، حضرت امیر علی

[۱] اب گذشتہ سات آٹھ سال کے عرصے میں کئی ایک کتابیں، انگریزی اور اُردو میں منظر عام پر آگئی ہیں۔

ہمدانیؒ۔ اُن کی تحریک، اُن کی اور اُن کے رفقائے کار کی علمی، ثقافتی اور ادبی خدمات کی ترتیب و تدوین کی اہمیت کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ نہ صرف کشمیر کی تاریخ کے تاریک گوشے روشن ہو سکیں گے بلکہ اُن سے سیرت و کردار کی تعمیر میں بھی بے حد مدد مل سکتی ہے۔ اس میں بہت سے ایسے نشان راہ اور روشنی کے مینار ملیں گے جن کی روشنی سے نہ صرف اُن کے زمانے کے اندھیرے، اجالوں میں تبدیل ہو گئے، بلکہ وہ آئندہ نسلوں کیلئے مشعل راہ کا کام بھی دے سکتے ہیں۔

حضرت امیر علی ہمدانیؒ کی آمد سے قبل کشمیری زبان، شاعری اور ادب:

حضرت امیر علی ہمدانیؒ کی تشریف آوری سے پہلے اگرچہ مسلم حکومت کشمیر میں قائم ہو چکی تھی، لیکن اسلامی علوم و فنون کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اسی وجہ سے سلاطین کے ابتدائی دور میں کشمیری زبان و ادب پر مجموعی طور پر سنسکرت زبان اور روایات ہی کی گہری چھاپ رہی۔ رسم الخط سنسکرت کے ساتھ ساتھ شارداؔ تھا۔ شاعری اور ادب کی ساخت، ہیئت اور فلسفہ سراسر ہندوانہ تھا۔ شیومت کا خاص زور تھا۔ کہیں کہیں بدھ مت کے پیرو بھی نظر آتے تھے۔ اس دور کے اخلاقی اور مذہبی عقاید کی عکاسی کرنے والی کتاب ''مہانے پرکاش'' ہے، جو ایک کشمیری پنڈت شتی کنٹھ کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ مہانے پرکاش کی زبان بھی کشمیری ہی کہی جاتی ہے[۵]۔ لیکن یہ مغلق سنسکرت کا ملغوبہ ہے۔ یہ بات صرف دو مثالوں سے واضح ہو جائے گی۔

۱

اصل	ترجمہ
دیوت اک کشی پَرورازے	چمکتا ہوا ایک نازک دیوتا
زگ گسمر وبرو کیھ شیت	جو سارے جگ کو نگلتا ہے
مَنتہ شتھ گاسگھ اژے	اگر من کی صفائی کروگے اور اسکی آگ بجھاؤ گے
شمہ وانی آشے نکھ شیت[۶]	تو بڑی شکتی پاؤ گے

۲

سویہ چھاٸر اکار چِنیُش کلُسہ — اسکے لاکھوں چہرے ہیں، مگر وہ ایک ہے
یُس رُودر دامہ زِ یِتھی پژمبہ — میں تمہیں ایک سندیسہ سناتا ہوں، اگر سنو گے
یہ چھاٸستر ونیائہ چےنُش کلُسہ — وجود اور عدم اس کے روپ ہیں
یُوتہ اوتر نہ، مہوتہ میمبہ ٹے — اُسی نے سارے عناصر کو پیدا کیا

مہانَے پژ کاش کے بارے میں خود شِتی کنٹھ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ مقامی اور عام فہم زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس کا ذکر وہ اس طرح کرتا ہے:

''اہوچت دُرِجتام تَم سَرو گوچر یا دیش بھاشیا ورِچیتم آیہ'' [۸]

یعنی سرو گوچر دیش بھاشا جو مروجہ دیسی زبان ہے، اُسی میں لکھی گئی ''نُت'' کا یہ پہلا پد ہے[۹]۔ گیارہویں صدی عیسوی کا کشمیری سنسکرت شاعر کھیمندر بھی مہانے پژ کاش کی زبان کو سرو گوچر دیش بھاشا ہی کہتا ہے۔ لیکن آثار و قرائن سے لگتا ہے کہ یہ زبان ''عوامی'' کسی بھی صورت میں نہیں رہی ہوگی۔ دراصل اس پر سنسکرت کا شدید اور حد سے زیادہ غلبہ تھا اور یہ برہمن طبقے کے ساتھ مخصوص رہی ہوگی۔ اس کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ معمولی لکھے پڑھے عام برہمن بھی اِسے سمجھ سکتے تھے۔ ورنہ مسلمانوں سے وسیع تر ربط و اختلاط سے پہلے سنسکرت زبان اور ادب کا مطالعہ عوام یعنی دیگر ذاتوں کیلئے شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتا تھا[۱۰]۔ نہ صرف اس کا پڑھنا بلکہ سننا بھی عوام کیلئے جرمِ عظیم کے مُترادِف تھا، اور اس کے ارتکاب کرنے والے کو عبرتناک سزا دی جاتی تھی۔ اس لئے بعد میں پورے ہندوستان میں سنسکرت کے خلاف ایک زبردست اور نفرت آمیز ردِ عمل پیدا ہوگیا[۱۱]۔ دراصل کٹر برہمن اسی سنسکرت کے ملغوبہ کو ''سرو گوچر دیش بھاشا'' کہتے تھے، بھٹ اوتار (جو لل دیدی اور شیخ نور الدّین کے دور کے بعد پیدا ہوا) نے اپنی منظوم کتاب بانائُر کتھا میں بالکل شِتی کنٹھ کی زبان استعمال کی ہے۔ جبکہ لل اور شیخ کی زبان بہت حدتک واضح ہے۔

زین نہ پانٔے وِلے راجے — زین العابدین کے بے مثال راج میں جسے ۲۶ سال
شنڈ وِنشی ورشے کِکے — راج کرتے ہوئے گذرے کارتک کے مہینہ میں

دِوسر سوتھ پُوجیہ تے آجے — سرسوتی کی پوجا کے بعد، میں نے یہ کتاب، ہَرِ وَنش کے
ہرِ وَنش اندرِ وُنتھے [۱۲] — طرز پر لکھی۔

بھٹ اوتار کی اِس زبان کو عوامی زبان کہنا ایک عجیب بات ہوگی۔

دراصل اسلام سے باقاعدہ طور پر متعارف ہونے سے پہلے بہت عرصہ تک کشمیر کی مشہور عارفہ لل دیدی کی شاعری کا ابتدائی حصہ بہت حدتک شِتی کنٹھ کی زبان اسلوب، ہیئت اور انداز لئے ہوئے ہے۔ جبکہ اِن دونوں میں تقریباً ایک سو سال کا بُعدِ زمانی ہے۔ لل کی شاعری کے دورِ اوّل کے چند نمونے ملاحظہ کر کے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

ژِ دانندس گثین پژکاشش — جس پر نور مطلق کا ظہور ہو جائیگا وہ زندگی ہی میں
یمَوژیون تم زیوُنتی موٗکتی — نجات پائیں گے۔
دِشمبس سمسارنس پاشبن — کتنے ناداں ہیں وہ جو اس دنیا کے جال میں سو سو
ابُودِ گنڈ شتھ شیتی دِتی [۱۳] — گرہ ڈال کر خود اُلجھ جاتے ہیں۔

دوتھ رَے نیا ارژن سکھر — اُٹھ! محبوب کے استقبال کی تیاری کر۔ ہاتھ میں
اتھ ال یَل وکھر ہتھ — شراب اور نان و کباب لئے ہوئے۔
یُو دوَے [ا] زانکھ پرم پدا کھبر — اگر تم ''پرم پد'' حرف کو جانو گے
ہے شکھر کھیٔے شکھر ہتھہ [۱۴] — تمہیں اس پوجا میں کیا نقصان ہے، اے چُلبلے!

میر سیّد علیؒ ہمدانی اور میر محمد ہمدانی سے باقاعدہ تربیت پانے سے پہلے تو خود حضرت شیخ نور الدین ریشیؒ پر بھی شِومت اور تِرِک کا فلسفہ کیساتھ ساتھ یہی سنسکرت آمیز زبان غالب رہی [۱۵]۔ حضرت شیخ کے دورِ اوّل کا کلام اِن باتوں سے کس حد تک مملو ہے،

(ا) اس میں ''یو دوے'' کے حروف، الحاقی ہیں۔ یہ موجودہ زمانے کی کشمیری زبان کے حروف ہیں۔

اس کا اندازہ ایسے کلام سے آسانی سے کیا جاسکتا ہے

مد ، اہنکار ، کبتگر موران غرور اور تکبر پہاڑوں کو بھی چکنا چور کر دیتے ہیں یہ
تم ووگنز لورن نہ کتھ شنے برائیاں (نیکیوں کی) ہر اونچائی کو ڈھا دیتی ہیں عمل
کیاو لگہ کرمہ رنئس کی دنیا میں کیا بہادری دِکھاؤں۔ جبکہ رخشِ عمر کی تیز
چھاگر باٹا سورن گیئے [16] رفتاری ہی ختم ہوگئی ہے۔

شو شو کران شو مو بوزے اے مُورکھ پنڈت! زبان سے شو شو جاپنے سے وہ
گو کتھ کرکھ منِنہ بُوزے کبھی توجہ نہیں دے گا۔ اس گھی کو آگ میں کیوں
گو دِو دِمس دِہ دوزر روزے جلاتے ہو دانائی یہی کہ گھی خود کھاؤ اور اپنے جسم کو
دِکھنے دِمس تہ ہنِیس دِزے [17] مضبوط بناؤ اگر خود کو نہیں دو گے تو کسی دوسرے کو ہی
دے دو۔

مسلم ثقافت: پس منظر

ثقافت، کلچر کلٹیویشن، وہ مُرکّب عنصر ہے جس میں علم، اخلاق، قانون، رسم و رواج اور وہ تمام صلاحیتیں اور عادات و خصائل شامل ہوتے ہیں جن کو انسان سماجی حیوان ہونے کی وجہ سے حاصل کرتا ہے[18]۔ ثقافت کو ہم ''سماجی وراثت[19]'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ مختصراً ثقافت کا مفہوم پوری انسانی زندگی پر حاوی ہے۔

مسلم ثقافت پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور سرپرستی میں شروع ہوئی، خلافت راشِدہ میں پروان چڑھی، اور اس کے بعد دُنیا کے تمام مسلمانوں نے اسلام کی روشنی میں اپنے اپنے سماج اور زندگی کی ہمہ جہت نشو و نما اور ترقی کے منازل کی طرف جو جو قدم اٹھائے۔ انہی سے مسلم ثقافت نمایاں خدو خال اور مزاج کیساتھ مکمل صورت اختیار کرگئی۔ اس ثقافت کا کردار اور مزاج اپنے آغاز ہی سے، وحدتِ الٰہیہ، وحدتِ آدم، انسانی ہمدردی، باہمی مروّت اور ایثار، بلند اخلاقی، آفاقی رواداری، تزکیۂ نفس اور اعلیٰ روحانی اقدار کو پروان چڑھانا رہا ہے۔ اسی وجہ سے یہ مزاج زمان و مکان کی قید کے بغیر مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مسلمان بادشاہوں، صوفیائے کرام اور مشائخ نے کسی بھی زبان کی مخالفت نہیں کی۔ وہ ہر زبان کے ساتھ اپنی زبان کی طرح سلوک کرتے تھے۔ وہ جہاں بھی گئے اپنی زبان کے ساتھ ساتھ وہاں کی زبانوں کو بھی تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنایا[20]۔ اسلامی علم و ادب کے دو اہم ترین بنیادی مآخذ قرآن کریم اور احادیث نبوی کا ذخیرہ ہے۔ قرآن کریم اپنے اعجازِ بیان میں لاجواب اور بے مثال ہے۔ یہ نہایت سلیس بھی ہے اور اعماقِ معانی کی وجہ سے دقیق بھی ہے، اِس کا اختصار ایسا خوبصورت ہے جس سے کوئی کمی یا تشنگی محسوس نہیں ہوتی ہے اور اِس کی تفصیل

ایسی دلآویز جو بار گراں نہیں ہوتی۔ یہ نثر بھی ہے، اور نظم بھی، اس کا زورِ بیان، کمالِ ترسیل و ابلاغ، اس کی مسحور کُن شعریت، نغمگی، غنائیت، ترنم اور قوتِ تاثیر حیران کُن، اور سرمدی ہے۔ بے مثال اور لازوال اعجاز ہی سے یہ آج بھی لاکھوں، بلکہ کروڑوں انسانی سینوں میں محفوظ ہے۔ یہ اسلامی علوم کا منبع ہے، اور اسلام نے علم کی تلاش کو تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا[۲۱] ہے۔ اور اسے حاصل کرنے کا حکم دیا گیا اگرچہ اس کیلئے دور دراز مسافتیں بھی طے کرنا پڑیں گی[۲۲]۔ حضور سرورِ عالمؐ نے صالح علم وادب کی سرپرستی فرمائی، صالح اور باکردار شعراء کی تعریف کی۔ اُن کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں انعامات سے بھی نوازا[۲۳]۔ خلفائے راشدین شجاعت، دلیری، بفیاضی، اور جہاد پر اُبھارنے والی شاعری کو پسند کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور مناجاتی شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ انہی کی تقلید میں عرب وعجم کے برگزیدہ صوفیاء اور مشائخ نے شعروادب کو تبلیغ اسلام کیلئے ایک مؤثر ذریعہ کے طور پر استعمال کیا

شاہمیری حکومت کے مستحکم ہوتے ہی دربارِ نبویؐ کے ایک روحانی اِشارہ کے تحت حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ نے اپنے دو سفیر میر سیّد حسین سمنانیؒ اور میر سیّد تاج الدینؒ کو ۷۷۲ھ (لگ بھگ ۱۳۷۱ء) میں حالات کے مشاہدہ کیلئے کشمیر بھیجا[۲۴]۔ اپنی اسی سفارت کے عرصے میں حضرت میر سیّد حسین سمنانیؒ نے شیخ نورالدین کے والد ماجد سلر سنز (اسلامی نام شیخ سالار الدینؒ [۲۵]) کی روحانی تربیت فرمائی[۲۶]۔ یہ اِسی روحانی تربیت کا نتیجہ تھا کہ بعد میں شیخ نورالدین ریشی، حضرت میر محمد ہمدانی کے حلقۂ ارادت میں آکر ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے، اُن سے فیض وتربیت پا کر، ترکِ رُہبانیت کر کے اسلام کے زبردست داعی، خطیب، نقیب، متحرک، معلّم اور پُرجوش مبلغ بن گئے۔ میر سیّد حسین سمنانیؒ اور میر سیّد تاج الدین نے حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ کو کشمیر کے مفصل حالات سے آگاہ کیا۔ اسکے بعد ہی حضرت امیر کبیرؒ پہلی بار بہ عہد سلطان شہاب الدین ۷۷۴ھ (۱۳۷۲ء) میں کشمیر تشریف فرما ہوئے[۲۷]۔ اس کے ساتھ ہی کشمیر کے صدیوں سے سست رفتار جہلم میں مدوجزر کے ساتھ ایک نہ رُکنے والا طوفان پیدا ہوا جو پرانے فرسودہ عقاید، بوسیدہ روایات اور غیرعوامی زبان کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔

لل دید[۱]:

لل دیدی (یہ اس کا مشہور نام ہے) ۷۵۳ھ (۱۳۵۳ء) میں موضع (پانپور) کے گاؤں میں[۲۸] پیدا ہوئی۔ وہ بچپن ہی سے راہبانہ طبیعت رکھتی تھی اور اُفتادِ طبیعت کی وجہ سے ہی کم آمیز، کم گو اور جذب وکیف کا مزاج رکھنے کی وجہ سے اُس کا نباہ دُنیاداری کے ساتھ نہیں ہو سکا۔ وہ آخر گھر سے نکل گئی اور کوچہ وبازار میں دیوانہ وار گھومنے لگی۔

فیاضِ ازل نے پیدائش کے وقت ہی سے اس کے دل کو معرفت کے نور سے بھر دیا تھا۔ جذب ومستی کے ساتھ ساتھ وہ غور وفکر میں ہر لحہ مست رہا کرتی تھی۔ اُس وقت کشمیر میں شِومت کا چرچا تھا، جو شنکر کے فلسفہ کے برعکس وحدت اِلٰہہ پر زور دیتا تھا۔ شِومَت کا دوسرا نام ترِکا فلسفہ بھی ہے۔ لل کے دورِ اوّل کے کلام پر اسی شِومت اور ترِکا فلسفہ کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ (اس میں مورتی پوجا پھر بھی ہوتی تھی) کشمیر میں حضرت امیر کبیرؒ کی آمد سے پہلے لل دیدی نے حضرت سیّد جلال الدینؒ مخدوم جہانیاں جہاں گرد سے کچھ فیض حاصل کیا تھا اور پھر حضرت سیّد حسین سمنانیؒ سے بھی اکتسابِ فیض کیا[۲۹]۔ لیکن جب حضرت امیر کبیر ۷۷۴ھ (۱۳۷۲ء) میں واردِ کشمیر ہوئے۔ لل کی ملاقات اُن سے عجیب وغریب حالت میں ہوئی۔ حضرت امیر کی ایک نظر سے اس کی کایا[۳۰] پلٹ گئی۔ لل اُس وقت کشمیر میں شیومت کے اَدْوَیت واد اور ترِکا فلسفہ کی آخری پُرجوش پرچارک تھی۔ وہ صدقِ دل سے نجاتِ اخروی کی متلاشی تھی۔ اپنی روحانی بزرگی اور اخلاقی برتری کے باوجود وہ اپنے زمانے کے ہندو سماج میں قابلِ نفرت اور اَچھوت سمجھی جاتی تھی[۳۱]۔ حضرت امیرؒ کے حلقۂ ارادت میں شمولیت کے بعد وہ بت پرستی اور شرک کی زبردست مخالف بن گئی اور عقیدۂ توحید کی اشاعت میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔ غرض حضرت امیرؒ نے اُس کی زندگی میں انقلاب لایا اور وہ کشمیر میں نئی ہمہ گیر تحریک کی پہلی عوامی نقیب بن گئی[۳۲]۔ لل دید کے بارے میں تنقیدی شعور سے عاری مسلم مؤرخین اور چالاک کشمیری پنڈتوں نے بے سروپا کہانیاں اور بے بنیاد قصے اختراج کئے ہیں اور حقائق کو اپنی عادت کے مطابق مسخ کیا ہے۔ لل کے بارے میں میری الگ کتاب ''لل دید حقیقت اور افسانہ'' دیکھئے۔

[۱] کشمیری زبان میں ''دِند/دید۔ بزرگ عورت کو کہتے ہیں۔ اس کا لہجہ انگریزی کے لفظ DEAD۔ جیسا ہے مگر اول وآخر میں ''د'' کے ساتھ۔

کشمیر میں مسلم ثقافت......آغاز اور پھیلاؤ:

اسلام ایک متحرک تبلیغی مذہب ہے یہ دُنیا کے جس خطے میں پہنچا، وہاں اس نے مقامی زبان، فلسفہ، خیالات، علوم وفنون اور شعروادب کو اپنے سانچے میں ڈھالا اور پھر ان سے حسب منشاء اور خاطر خواہ کام لئے۔ اسی کے نتیجے میں عربی، فارسی، ترکی اور اُردو کو مسلم ثقافت کی خاص زبانیں اوران میں تحریر شدہ ادبی سرمایہ کو اسلام اور مسلمانوں کا مخصوص ادب کہا جانے لگا ۳۳۔ ان زبانوں کے مقابلہ میں کشمیری زبان تو محدود علاقے کی زبان ہے، لیکن حال اس کا بھی یہی ہوا۔ سادات کرام نہ صرف کشمیر کے مستقل باشندے بن گئے بلکہ انہوں نے خود مقامی زبان سیکھی، اس کی سرپرستی کی اوراس زبان میں کتابیں بھی تصنیف کیں۔ غیر مسلموں کی کتابوں کے فارسی زبان میں ترجمے کئے۔ اس طرح انہوں نے اپنی زبان اورادب کو کشمیر میں رواج دیا۔ کشمیر کے سلاطین خود بھی علم وادب سے شغف رکھتے تھے۔ اکثر ساداتِ کرام عالم و فاضل تھے اور مختلف علوم وفنون اور ہنروں میں ماہر تھے۔ یہ علوم وفنون، کسب وہُنر اور زبانیں انہوں نے کشمیر میں بھی رائج کیں۔

حضرت امیرؒ کی تحریک کے خارجی اثرات:

حضرت امیرؒ نے کشمیر میں اشاعت اسلام کیلئے جو پُرامن اور علمی تحریک شروع کی اس کا پہلا اور نمایاں اثر کشمیریوں کے مذہب اور سماج پر پڑا۔ کشمیری سماج میں اس وقت مختلف مذہبی اور تہذیبی فرقے تھے، جن میں ہندو سرفہرست تھے۔ کیونکہ بدھ مت کے زوال کے بعد ہندوؤں کی قایم شدہ حکومتوں نے وقتاًفوقتاً کشمیر کی بدھ اکثریت کوظلم وجبر کی چکی میں پیس کر، اُن کی عبادت گاہیں تباہ وبرباد کر کے، یا تو اُن کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا، یا جبراً ہندو بنایا گیا تھا۔ اور وہ بھی اچھوت اور شودر سطح تک کا ہندو ۳۴۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کے راجوں اور حکمرانوں کی حد سے زیادہ اخلاق باختہ عیش کوشیاں آخر میں اُن کے زوال کا باعث بن گئیں ۳۵۔ بدھ مت کے پیرو بھی کہیں کہیں نظر آتے تھے۔ لیکن بہت کم ۳۶۔ اگر چہ اسلام کشمیر میں بہت پہلے متعارف ہوا تھا، اور صدرالدین رنچن شاہ کے عہد حکومت میں حضرت سیّد عبدالرحمٰن بُلبل شاہ کی ابتدائی تبلیغی کوششوں کے نتیجے میں کئی ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا

تھا۔ لیکن مجموعی طور پر سارا خطۂ کشمیر اسلام کی روشنی سے ابھی تک محروم ہی تھا۔ حضرت سیّد علی ہمدانی (امیر کبیر) نے کشمیر میں تبلیغ اسلام کو ایک ہمہ جہتی اور ہمہ گیر تحریک کے طور پر شروع کیا۔ انہوں نے اپنے ساتھ سینکڑوں مُبلّغین کو لایا تھا ۳۷۔ وہ وادی کے طول وعرض میں اشاعت اسلام میں ہمہ تن جُٹ گئے۔ اس طرح سے حضرتِ امیرؒ اوراُن کے رُفقاء کی پُرخلوص، اَن تھک اور مسلسل تبلیغی، روحانی اور علمی کوششوں سے مختصر عرصہ میں، خطۂ کشمیر اسلام کے نور سے مُنوّر ہوگیا۔ اسلام توحید کا علمبردار ہے، نظریۂ توحید کا اثر کشمیری شعروادب پر بھی پڑا، جس نے فکر کو مربوط اور منظم کیا۔ اسے صالح، تعمیری مزاج اوراپنی ہمہ گیری کی وجہ سے انسانی زندگی کیلئے مفید اور ہم آہنگ بنا دیا۔ فکر کو ایسی تحریکی قوّت عطا کی، جس نے بالکل جامد اور یخ بستہ حالات میں بھی ادیبوں، شاعروں اور عام لوگوں کو عمل پر اُبھارا۔ فکر میں ایک کائناتی تسلسل اور مستقل پائیداری کا احساس پیدا کیا۔ جس سے فنکار کو فکر کی حقیقت پر اعتبار اوراپنے وجود کے تحفظ اور روح کی بقا اور بالیدگی کا اعتماد پیدا ہوا۔ اسلام نے ادب کی بقاء اور ارتقاء کیلئے ایک ایسا رَبانی نظریہ پیش کیا جس سے ادیب تخلیق فن کیلئے تحریک حاصل کرتا رہا۔ اس سے وحدتِ کردار، شخصی سالمیت اور فنی ہم آہنگی حاصل ہوگئی۔

زبان وادب کی خارجی ہیئت پر اثر:

سادات کے زیر اثر، سلاطین نے اور خود سادات کرام نے میر سیّد علی ہمدانی کی رہنمائی میں جگہ جگہ خانقاہیں (خواندگاہ) اور مدرسے قائم کئے ۳۸۔ جہاں نَومسلموں کو مذہبی اور روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم وادب کی تعلیم بھی دی جانے لگی۔ عربی اور فارسی زبان کو زبردست فروغ ملا اور سب سے نمایاں اثر جو کشمیری زبان پر پڑا وہ رسم الخط کی تبدیلی کا تھا۔ پہلے کشمیری شاعری، اور نثر، بلکہ تمام تصنیف وتالیف کا کام شاردا اور سنسکرت رسم الخط میں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ مسلمان بھی قبروں کے تعویذ اور کتبے شاردا اور سنسکرت ہی میں کندہ کرواتے تھے ۳۹۔ لیکن اسلامی انقلاب کی وجہ سے عربی اور فارسی رسم خط حیرت انگیز طور پر نہایت سُرعت سے رواج پاتے گئے۔ یہ نہایت ہی اہم اور بہت بڑی تبدیلی تھی جو دوررس نتائج کی حامل تھی۔ اس سے ساری کشمیری قوم، ایک نئی تہذیب، تمدُن اور ایک وسیع ترین علمی دُنیا سے آشنا ہوگئی۔ فارسی رسم خط اب

کشمیری زبان کیلئے نہ صرف آسان اور عام فہم بلکہ عوامی رسم خط بن گیا۔

زبان ولُغت پر اثر:

فارسی اور عربی علوم کے پھیلاؤ کی وجہ سے کشمیری زبان ولُغت پر زبردست اثر پڑا۔ پہلے کشمیری زبان بالکل سنسکرت آمیز تھی، جو عوامی مزاج کی صحیح نمائندگی نہیں کر پاتی تھی۔ لیکن اب اسلامی علوم وفنون کی ترویج سے عربی، فارسی، تُرکی، تاجیک اور پشتو اور سندھی کے ان گنت الفاظ تراکیب، محاورے، روزمرے اور ضرب الامثال کثرت سے کشمیری زبان میں شامل ہوکر اسکے جزولاینفک بن گئے۔ کشمیری زبان سے سنسکرت کا اثر اور اس کے الفاظ سرعت کے ساتھ ختم ہوتے گئے۔ لل دید کے اِس دور (دوردوّم) کے کلام میں، جبکہ وہ اسلام سے بخوبی آگاہ ہوچکی تھی۔ ہمیں نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے۔ نہ صرف اسکی شاعری کی زبان بدلنے لگتی ہے، بلکہ فارسی اور عربی الفاظ کے برمحل استعمال کے ساتھ ساتھ لل نے آیاتِ قرآنی کو بھی مناسب طور پر اپنے کلام میں برتا۔ لل دید کے اس دور کے کلام میں (جسے میں اسکی زندگی اور شاعری کا دوسرا دور کہتا ہوں) ہمیں مندرجہ ذیل عربی اور فارسی الفاظ ملتے ہیں:

اللہ، اوّل، اصل، اِنَّ علیمٌ بِذاتِ الصَدُور، باقی حد، حق، خیمہ، نور، کشف، روح، صدر، شیطان، صاحب، صحیح، صفا، صابن، علم، عرش، ذات، غم، قہر، فوت، نفس، کافور، فان قُفل، وجود، موجود، کلمہ، کافور، لامکان، فکر، شر، منبر، معرفت، عار، **کُلُّ نفسٍ ذائقة الموت**، لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ وغیرہ[۴۰]۔

فارسی الفاظ:

میدان، لنگر، گُل، خار، شبنم، مَے، جوان، جامہ، طوطی، خر، باج، شیشہ، لَت (جمع لتن کشمیری)، زندہ، جگر، مرگ، جوان، گل لالہ (گلالہ) دوبارہ، لاچار، بے چارہ، ہُدہُد، ہوش، چنگ، چابک، کبوتر، شیرہ (رس) مشک، شکار، شمع، شاہ، تکیہ گاہ، تکیہ، دُنیا، مسخری، سینہ، کباب، لعل، نشان، اندیشہ، حیران، خوش۔ جاے، شبنم، گاؤ، کمان، شِغال (شال) سود، دُکان، دروغ گوے، رباب، فوت، ربابک شُد وغیرہ[۴۱]۔

لل دید کے بعد کشمیری شاعری کی تاریخ میں حضرت شیخ نورالدین نورانی المعروف

مُند ریشی، زبردست اہمیت کی شخصیت ہیں۔ چونکہ حضرت امیرؒ کی آمد سے قبل اسلامی تعلیمات زیادہ عام نہیں ہوئی تھیں اور حضرت میر محمد ہمدانیؒ سے فیض وتربیت پانے اور خط ارشاد[۴۲] (اجازت نامہ) پاکے کبروی سلسلہ[۴۳] تصوف میں باقاعدہ داخل ہونے سے پہلے، شیخ نورالدین ریشی، کی شاعری اور خیالات میں نمایاں حد تک شیومت اور سنسکرت زبان حاوی تھی۔ لیکن اب اُن کی زبان اور خیالات میں واضح اور صحت مند فرق آنے لگتا ہے۔ دھیرے دھیرے اُن کی زبان بدل گئی۔ اس پر عربی اور فارسی زبان کا اثر بڑھنے لگا۔ عقاید کے ساتھ ساتھ اس کی شاعری کے اسالیب پر بھی اثر پڑا۔ اب اُن کے کلام میں عربی اور فارسی الفاظ، تراکیب، مذہبی اور صوفیانہ اصطلاحات، احادیث کا استعمال اور آیاتِ قرآنی اور ان کا برجستہ، شگفتہ اور رواں ترجمہ، ان کی تشریح اور ترجمانی بہ تکرار نظر آتی ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اب بہت سے فارسی[۴۴] اشعار کا برمحل ترجمہ بھی ہمیں اُن کے کلام میں ملتا ہے۔ اگر محمد گہلوی کے "بدائع منظوم" کے طرز پر حضرت شیخ کی منظوم کی ہوئی فقہی مسائل پر مبنی تصنیف "صدوسی[۳۱]مسئلہ[۴۵]" بھی زیر بحث لائی جائے۔ تو حضرت شیخ کی شاعری میں عربی اور فارسی زبان کے استعمال شدہ الفاظ اور تراکیب کی تعداد بے شمار ہو جائے گی۔ اب ذرا صرف عربی اور فارسی الفاظ کو ملاحظہ فرمایئے، جو حضرت شیخ کے شرُ گوں (اَشلوکوں) میں استعمال ہوئے

عربی کے الفاظ:

(الف) اَنبیاء، انصاف، ایمان، استغفار، اہل معرفت، افضل، احسان، اوّل، اُمّت، ابن، آخر، ابلیس، آدم، اَلحَمدُ، اَلتَّحیَاتُ، اوقات، انسان، احمد، اخلاص، آیات، اکمل، اسلام، امین، اُویس، افطار، اَنا، احوال، اجل، ابوجہل، اولاد، اولیاء، ابدال، اہل، اصل، اللہ، امر، اشراق، استنجا، استغفار، السلامُ علیکم۔ اوراد، انصاف، ایمان۔

(با) باطن، باقی، بابُل، بَدن، بُغض، باللہ، برکت، بَلا

(تا) تاج، ترتیب، تعلّق، توبہ، تعجیل، تسبیح، تقصیر، تحقیق، تیمُم، توکّل، تمجید۔

(ثا) ثواب۔

(ج) جاری۔ جَبّار۔ جبریلؑ۔ جبر، جزا، جُز، جزیہ، جہاد، جنّت، جواب۔

(ح) حضرت، حساب، حلال، حرام، حق، حدیث، حور، حرم، حاضر، حیات، حُکم، حال، حکمت، حج، حاصل، حاتم طے، حسد، حوالہ، حرف، حال، حقیقت، حِصّہ، حبس، حیوان۔

(خ) خدمت، خزانہ، خاص، خبر، خلق، خلال، خرقہ

(د) دعوت، دین، دفتر (دار) گھر) دمامہ۔ دفن۔ دولت، دُلدُل

(ذ) ذات، ذمّہ، ذاکر، ذائقہ

(ر) ربّنا، رضا، رحمت، رمضان، روح، راحت، رکوع، رسم، رَب، رُویت، رزق

(ز) زکوٰۃ، زین، زحمت

(س) سیّد، سوال، سخی، سخا، سلاح، سجدہ، سُلطان، سودا، سُنّت، سُلیمان، سر

(ش) شفاعت، شُکر، شیطان، شرع، شربت، شئے، شوق، شراب، شدّاد، شفیع، شیخ، شرف

(ص) صاف، صاحب، صفات، صحیح، صورت، صراط، صلواۃ، صابن، صبر، صافی، صندوق، صحبت، صلوٰۃ

(ض) ضائع، ضرب

(ط) طوبیٰ، طہارت، طاعات، طبق، طمع، طعن

(ظ) ظالم، ظاہر

(ع) عصا، عثمانؓ ابن عفان، عطا، عبادت، عار، عالم، عالَم، عارف، عام، عرض، عُمر، علم، علَم، عُمر بن خطاب، عمل، عیش، عشق، عاشق، عرصہ، عذاب، عصر، عقل، عرش، عُود

(غ) غافل، غم، غیر، غسل، غریب، غنی، غُرہ

(ف) فاتحہ، فرقان، فاطمہؓ، فکر، فقیر، فضل، فرض، فیض، فرعون، فرش، فلک

(ق) قائل، قابلیت، قرار، قرآن، قیامت، قضا، قبولیت، قُل ھو اللہ، قبلہ، قبر، قرض، قتل، قصور، قبّہ، قلم، قبیلہ، قصہ، قرأت، قدم، قیل وقال، قُفل، قدر، قوّت، قبول، قطرہ، قندیل، قدرت، قصاب

(ک) کتاب، کعبہ، کوثر، کسب، کل، کاہل، کبر، کافور، کلمہ

(ل) لاالٰہ الّا اللّٰہ، لاشک، لائق، لطیف، لحد، لامکان، لازم

(م) مال، موجود، محشر، منصور، موت، مقام، محمّدؐ، مکّہ، مدینہ، معرفت، مُبارک، مسح، منکِر، مَکر، منافق، محنت، مُسلمان، معجزہ، مہم، مُرید، معجزات، مرتبہ، مُفلس، مُراد، مسئلہ، مُدّعا، منزل، مُقدّم، مرضی، مُقدِمہ، مکان، مُنیر، مسواک، مُوذی، مخفی، مولا، مُرسَل، محمود، مولوی، میزان، مکّار، معصوم، مردود، معشوق، محکم، مالک

(ن) نار، نعمت، نفع، نفس، نفل، نکسیر، نفاق، نصیر، نکتہ، نیّت، نُور، نظر، ناد، ندا

(و) وحی، وجود، ورع، وطن، ولی، وقت، واللہ، وزن، وزیر، وضو، وُسعت، وعدہ، واصل، واقف، ویل، وعلیک السلام، واقف، وظیفہ، وقت۔

(ھ) ہابیل، ہجہ

(ی) یاقُوت، یااللہ، یقین، یتیم

خالص فارسی الفاظ کی فہرست

(ا) انبُوہ، اژدہا، اندیشہ، آفتاب، آئینہ، آفرین، آہن، انار، استخواں، آواز، انکار، اُمیدوار، آزار، انداز، آب، آسمان، اَبر، انبار، آرائش، آزاد۔ آہار

(ب) بد، بےغم، بہشت، بندہ، بار، بانگ، باخبر، بہادر، بختاور، بابا، بیدار، برحق، باقلا، بے وقت، بازار، باران، باز، برخیز، بلند، بلبل، بیماری، باغ، بندگی، برگ، باج، بخش، بابا۔ بارخدایا، بیاباں، بخت

(پ) پیغمبر، پاک، پیر، پہلوان، پُل صراط، پائے مُبارک، پشیمان، پیشین، پُختہ، پُرسش، پناہ، پیادہ، چوب، پُرکار۔

(ت) تُرک، تندرستی، تُندی، تخت، تاوان، تختہ، تر، تازی، تنگ، تیر، تاب، تیار، تخمی، تیر، تر

(ج) جان، جہان، جدا، جہاز، جوان، جنگ جگر، جامہ ہا، جنگل، جان آفرین۔

(چ) چاہ، چلّہ، چرندہ، چہارودِ کر، چرخ، چراغ، چوب، چاشت، چہارضرب، کلہ دار

(ح) حیران، حکم انداز

(خ) خُدا، خندہ کار، خودی، خان، ختم، خدمت، خوار، خرقہ پوش، خریدار، خُو، خبر، خنجر، خوش،

خادم،خوشبو،خون،خار،خاک،خانہ،خفتن،خدمتگار۔خوشحال

(د) دست،دور،دوزخ،دانا۔دنیادار،دانش مند،دیدار،دستار،داغ،دل،دیندار،دہل، دکاندار،درویش،دگر،درگاہ،دم،درد،دوبارہ،دامن،دلاّل،دغا،دام،دُوپیازہ،درود، دریچہ،درخت طوبیٰ،دامن،دروازہ

(ر) راہ،رِند،روزہ،رخش،رحمت،رم،رشتہ،روزگار،رندہ،روزہ،رنج،راہ زن،رَمہ، رواق،راحت،رخشِ وقت،راہنُما۔

(ژ) ژندہ

(ز) زندہ،زمین،زمُرد،زن،زاغ،زحمت،زیر،زیادہ،زنجیر،زعفران،زنان،زر،زار، زین۔

(س) سالار،سرکار،سزا،سمند،سینہ،سیاہ،سنگین،سکندر،سپاہ،سوار،سخن،ستارہ،سخاوت،سخی، سگ،سوداگر،سیپارہ،سیم

(ش) شُکرگذاری، شاہ،شر،شب،شام،شرمسار،شہر،شیرنر،شرمندگی، شکار،شبنم، شاد، شہپر،شقدار،شرم،شاباش

(ص) صدف

(ط) طوطی

(غ) غُصہ

(ف) فرشتہ،فاقہ،فرمان،فربہ

(ق) قند،قلاقند،قصاب،قُلیہ

(ک) کمان،کفن،کنگال،کمینہ،کان،کشت،کستور،کام گار،کردگار،کنارہ، کشت کار، کوہ کروفر

(گ) گلزار،گُل،گناہ،گنج،گمراہ،گرمی،گاؤ،گُنبد،گوش،گلستان،گُماں،گدا،گُزر،گناہ گار، گز،گوہر

(ل) لاغر،لال،لعل

(م) میدان،میوہ،مو،مستی،مار،مزار،مارخور،مرگ،مُردہ،مبارک باد، ماتم،مرد،مہمان، مسلمانی،مُہر،مشک،مہربان،میدہ،مہر مُلاّ۔

(ن) نر،نماز، نادان، نقصان،نفسانیت، نبات، نثار، نار، ناحق،نُورانی،نگینہ، نابکار، نیزہ،نافرمان،نیکوکار،نفل،ناپاک

(ھ) ہُنر،ہرکارہ،ہوس

(ی) یاد،یار،یاقوت،یاری،یخ،یزدان

مُرکّب عربی،فارسی الفاظ:

پُل صراط،عذابِ قبر،مبارکباد،دانشمند،اہل معرفت،مولائے رومیؒ،خدمت گذار، شکر گذار،شیر یزدان،رسولِ خدا،شاہ سلطان، جان آفرین،شرمسار،لاشک،دفتر وار، بختاور، راحت جان،حضرت رسولؐ،بار خدایا،برخیز،سرکارِ اجل،خرقہ پوش،حلال خور،حرام خور،کلمۂ تمجید،سرتاپا،نمازِ عصر،عُمرؓ خطاب،شب وروز،لعل ویاقوت،تکیۂ گاہ،دروغ گوئے[46]۔

حضرت شیخ نورالدینؒ نے کچھ عربی اور فارسی الفاظ کو کشمیری زبان سے ہم آہنگ کرنے کیلئے مقامی صورت اور لہجہ بھی دینا شروع کیا تھا،دیکھئے یہ الفاظ

جُز سے جُزُن (یعنی ملانا،حصہ بنانا،جلد ساز،یہ لفظ استعمال کرتے ہیں)تُند سے تُنزُر (یعنی تُندی) جزیہ سے ززیاز ج،سیّد سے سأد منگول سے موغول، (رلتہ موغُل=اُلّو) بخشیدن سے بخشُن اور بخشاؤن،سوال سے سال (دومعنوں میں ایک عام پوچھنا،دوسرا خالص کشمیری معنی میں یعنی دعوتِ ضیافت دینا) شغال سے شال (گیدڑ) تازی (اسپ) سے تازُن یعنی چابک،انبار سے انبر وغیرہ[47]۔ذوت (ذات سے) اُوذوت (ذات سے)

کشمیر میں اسلامی حکومت کے بالکل ابتدائی دور میں،کشمیری زبان کے اولین نمائندہ شعرا،لل اور نُندہ ریشی (نورالدین) کے کلام میں الفاظ کا یہ وافر ذخیرہ دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت میر سید علی ہمدانیؒ اور اُن کے سینکڑوں رفقائے کار نے کتنی تندہی، جاں فشانی اور محنت سے عربی اور فارسی علوم اور ادب کو پھیلایا ہوگا[48]۔ لل اور نُند ریشی کے زمانے ہی میں شاہ میری سلاطین نے بھی سنسکرت اور فارسی کتابوں کے کشمیری زبان میں

تراجم کرائے اور کئی کشمیری کتابوں کا فارسی اور فارسی کتابوں کا سنسکرت میں بھی ترجمہ کیا گیا[۴۹]۔ اسی طرح سے مختلف زبانوں کے باہمی اثر اور اخذ وقبول سے کشمیری زبان کا کینواس وسیع تر ہوتا گیا۔ اسی دور میں عالموں اور شعراء کی ایک اچھی تعداد نے کشمیری زبان میں اپنی تصنیف وتالیف سے اپنا سِکّہ جمایا تھا۔ جن میں بابا بام الدین[۵۰]، بابا نصر الدین[۵۱]، شامہ بی بی[۵۲]، شری ور[۵۳]، سوم پنڈت (اُتھ سوم)[۵۴]، بابا زین الدین[۵۵]، یودھ بھٹ[۵۶] اور بھٹ اوتار[۵۷] کا کچھ کچھ کلام موجود ہے۔ یا ان کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ سب لوگ اور آئندہ دوروں کے ادیب اور شعراء حضرت سیّد علی ہمدانی اور اُن کے رفقاء کے قائم کیے ہوئے ثقافتی، تہذیبی اور فکری انقلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ سلاطین نے بھی انہی بزرگوں کی رہنمائی میں دل کھول کر اپنے مالی وسائل علم وادب کے فروغ کے لئے وقف کردیئے۔

یہ تو خاص لوگوں پر اسلام کے اثرات کا براہ راست نتیجہ تھا۔ حضرت امیرؒ اور اُن کے ساتھیوں نے کشمیر میں اسلام کو محض مسجد تک محدود مذہب کی حیثیت سے ہی متعارف نہیں کرایا، بلکہ اسے ایک مکمل تہذیب اور کلچر کی صورت میں کشمیر میں عملی طور پر قائم کرنے میں شب وروز ان تھک محنت بھی کی اور یہ محنت ایک مکمل اور ہمہ گیر انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوگئی۔ ایک نئی تہذیب وتمدن اور مذہب ہونے کے ناطے جو بھی زبانیں، ذخیرۂ الفاظ، اسلام کے علوم وفنون، فلسفہ، نظریۂ حیات، طریقۂ عبادت، اور رسم ورواج میں رائج اور موجود ہوسکتے تھے وہ سب بتدریج کشمیری زبان وادب پر حاوی ہوتے گئے۔ اسلام، اسکی تہذیب وتمدُّن اور ثقافت کے اظہار اور ابلاغ وترسیل کیلئے ایک تو ایسے ہزاروں الفاظ کشمیری زبان میں آگئے جن کیلئے کشمیری زبان کیلئے کوئی متبادل انتظام نہیں تھا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ سب الفاظ اور اصطلاحات کشمیری زبان میں نہ صرف مناسب اور معقول حد تک کھپ گئے بلکہ اگر آج ان الفاظ کو کشمیری زبان سے خارج کرنے کی کوئی بھی فرقہ پرستانہ سازشی کوشش کی جائے گی تو یہ زبان بالکل کھوکھلی اور مفلس محض بن جائے گی۔ عبادات، اعتقادات اور رشتوں سے متعلق الفاظ مثلاً، نماز، صلوٰۃ، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، نذر، نیاز، ختم نفل، توحید، رسالت، رسول،

نبی، قرآن، آخرت، حدیث، محراب، منبر، قبلہ، رکوع، التحیات، سجود، سجدہ، سلام، دُعا، اجابت، جزا، حساب وکتاب، نامۂ اعمال، مَلَکْ، ملائک، آدم، ولی، صحابہ، خلیفہ، نکاح، طلاق، خلع، نان ونفقہ، عدت، مہر معجّل، مہر موجُل، خطبہ جنازہ، فاتحہ، تابوت، درود، نجات، کلمہ، شہادت وغیرہ وغیرہ ایسے بے شمار الفاظ ہیں جو کشمیری مسلمان (اور ہندو بھی) اکثر وبیشتر روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ ظاہری عبادات اور اعتقادات کے علاوہ اسلامی نظامِ روحانیت یعنی تصوف اپنے تمام زبان وادب اور مضمرات لے کر کشمیریوں کے عام مزاج پر اپنے فکری پس منظر کے گہرے اثرات مرتّب اور مرتسم کرتا گیا۔

کشمیری زبان پر فارسی اور عربی زبان کے اثرات کا موضوع تو نہایت ہی وسیع مطالعہ کا مقتضی ہے۔ یہ مقالہ تو اجمالی خاکہ پیش کرنے کا متحمل ہوسکتا ہے۔ کشمیری شعراء اور ادیبوں نے ایک تو عربی اور فارسی کے لاتعداد الفاظ بغیر کسی تبدیلی کے استعمال کیے، جہاں ایسا ممکن نہیں ہوا وہاں عربی اور فارسی مزاج سے قربت رکھنے والے بالکل نئے الفاظ اور تراکیب تراش لیں۔ کسی زبان کا کسی دوسری زبان پر گہرے اثرات مرتب کرنا اور اسکے مزاج میں دخیل ہوکر اسکے سرمایہ میں اضافہ کرنا صرف اس بات پر ہی دارو مدار نہیں رکھتا ہے کہ گنتی اور تعداد کے حساب سے متاثرہ زبان میں اثر کرنے والی زبان کے کتنے الفاظ در آئے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ نئے الفاظ متاثرہ زبان کے ساتھ باہمی طور پر کتنا ربط رکھتے ہیں۔ یہی ارتباط ایک اصول کے طور پر زبان کے مزاج سے ہم آہنگ ہوکر اس میں مکمل طور پر جذب ہوجاتا ہے۔

اسلامی ثقافتی انقلاب کے تحت کشمیر کی زندگی کا ہر ایک شعبہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ سماجی زندگی میں اکل وشرب، آرائش وزینت، رہن سہن، لباس، صنعت وحرفت میں نئے نئے الفاظ شامل ہوتے گئے۔ کھانے پینے میں، آب، پلاؤ، ہریسہ، قورمہ، زردہ، تہری، تنجن، طباخ، طبق، کوفتہ، آب گوشت، یخنی، نہاری، رِستہ (اصلی رُستی = بھنی ہوئی نعمت)، قبرغہ، مچامہ، فیرنی، حلوہ، سامانِ آرائش میں، خیمہ، قنات، قالین، مسند، در پردہ، پردہ، دیوار گیر، گلدان، قلمدان، قلم، آب خور، طشت، شہہ نشین، تکیہ، شمعدان، فانوس وغیرہ

ملبوسات میں: قمیض، پیراہن، دستار، قصابہ، طاقین، ایزار، پاجامہ، قبا، عبا، صدری وغیرہ، زیورات میں: گلوبند، حلقہ بند، دست وانہ، طومار، تعویذ، غلطان، گوشوارہ، بازو بند، پازیب وغیرہ یہ سب تبدیلیاں اسی ثقافتی انقلاب سے آگئیں جو سیّد علی ہمدانی قدس سرہٗ اور اُن کے رفقائے کار نے برپا کیا۔ کشمیر میں صنعتوں کا متعارف کرانا اور ان کو فروغ دینا، دراصل اس طرف بھی حضرت امیرؒ اور ان کے ساتھیوں بادشاہوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ دراصل اس طرف بھی حضرت امیرؒ اور ان کے ساتھیوں نے ہی خصوصی توجہ دیکر کشمیر کی تہذیب وتمدن کو مالا مال کیا۔ انہوں نے پشمینہ بافی، شالبافی، قالین بافی، نمدہ سازی، کلاہ سازی، سوزن کاری، دباغت، کاغذ سازی، جلد سازی، معماری، نجاری، زرگری، نقاشی وغیرہ صنعتوں اور حرفتوں کی حوصلہ افزائی کی۔ سادات خود بھی ان صنعتوں اور حرفتوں کے ماہر تھے۔ کاریگروں اور ماہروں کا جمگھٹا ہر وقت حضرت امیر کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ ان میں اکثر سادات کرام ہی تھے۔ یہی لوگ مختلف علاقوں اور محلوں میں بس گئے۔ جو آج بھی انہی پیشوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثلاً روشن گر محلہ، دباغ محلہ، شیشہ گر محلہ، چرم گر محلہ، قلمدان پورہ، نعلبند پورہ، کماں گر پورہ، کُلال دوری، چھانہ پورہ، آخون محلہ، مشعلی محلہ، تیل وُانی محلہ۔

حضرت میر سیّد علی ہمدانی جہاں گرد سیاح تھے، وہ فارسی عربی کے علاوہ وسط ایشیا کے مختلف علاقوں کی علاقائی زبانیں بھی سمجھتے اور استعمال کرتے تھے۔ یہی بات دیگر سادات کرام کے بارے میں بھی درست ہے۔ انہی حضرات کی وجہ سے کشمیری زبان میں بہت سے تاجیک اور ترکی زبان کے لفظ شامل ہو کر اس کے اجزاءِ لاینفک بن گئے۔ مندرجہ ذیل چند مثالوں سے اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے:

تاجیک لفظ	معنی	کشمیری صورت	کشمیری معنی/ہم معنی
ٹُمر	زرگروں کا ایک سامان	ٹونبور	〃
آذوقہ	غذا، خوراک	اوذقہ	〃
اَورَہ	لحاف یا تکیہ کا غلاف	وُرک لُورک	〃
اَوِنگ	الگنی	وَنگز، وَنجہ، ونج	〃
ایل	سدھانا/دوست بنانا	ییل (اُن)	〃
آنک	نشان	آکھ	〃
آتون	زنانہ استاد (اُستانی)	اوتن (جی) یا (دید)	〃
بُشقاب	کھانے کی بڑی پلیٹ	بُشقابہ	〃
بوش	فخر، غرور	بوش	〃
بیل	بیل (Spade)	بیل	〃
بیلچہ	چھوٹی بیل	بیلچہ	
بنہ	گوشت	بنیہ	〃
بُلاق	چشمہ/پانی	بُلاقی (کشمیری ذات)	پانی یا چشمہ کے نزدیک رہنے والا۔ اسم فاعل یا پانی لانے والا ملازم
پیشن ظہر	نماز ظہر کا وقت/یا دوپہر	پیشن	〃 (ہم معنی)
پُوطہ دار	خزانچی/ٹیکس کلکٹر	فوطیدار	ہم معنی، لیکن اب ذات بن گئی۔
بابے	بزرگ، محترم	گریس، بائے راز بابے	کشمیر میں بابے کا لاحقہ صرف عورتوں کیلئے بولا جاتا ہے
تُتماج	ضیافت کی ایک قسم	تُتماچھ، یا، تُتماش	ہم معنی
کول[1]	تالاب، دریا، جھیل، ندی	کول	ہم معنی
تُون	بچہ دانی	توٗن یا تُون	ناف کے سوراخ کو کہتے ہیں۔
توش	صحت مندی	توش	خوشی ومسرت

[1] کولاب کے بھی یہی معنی ہیں جہاں آج حضرت امیرؒ دفن ہیں، اس کا پرانا نام ختلان تھا

پالہنگ	لگام	پالہنگ	ہم معنی (رحیم صاحب سوپوری نے بعد میں بھی اسی معنی میں استعمال کیا ہے)
خاتون	محترمہ	خوتن	عورتوں کیلئے نام کے طور پر یا عزت کیلئے
پگہ، پگاہ	گل	پگاہ	ہم معنی
کلال	کمہار	کلال، کرزال[1]	ہم معنی
کاکا	بزرگوں کیلئے، عزت اور پیار کا خطاب	کاک	رر قدیم دور میں تاجکستانی لفظ جو کشمیر پہنچا
گوند	گل دستہ	گونڈ	رر
دگر	نماز عصر کا وقت/ یا نماز عصر	دِگر	رر
گند	غلاظت	گند	رر
گوچی	چھوٹا گڑھا، کھڈ	گوژ	گوژ گوہنی، گوڑ گوہنہ، کھوڈ گوہنی
گلمالہ	کرنی/گلکاریں کا ایک سامان	گلمال کُرن	شکایت، نکتہ چینی کرنا/ کُرنی ڈاہنی
رگزیس	دھوکہ باز، مکار، غدّار	رگزیوس	دہقان، کسان، طنز و حقارت کی وجہ اِسے یہ نام دیا گیا، بعد میں زراعت پیشہ دیہاتیوں کا یہ عمومی نام بن گیا، بمعنی زراعت پیشہ

1 برہموں نے اِسے کرزال کہا، جس کے معنے ہیں کمینہ

رگریسہ	بے ایمانی، مکاری، دھوکے بازی	رگریسگی	ہم معنی، یا بدتہذیبی کے معنی میں
خُفتن	نماز عشا کا وقت یا نماز عشا	خوفتن	ہم معنی
شام	نماز مغرب، یا مغرب کا وقت	شام	ہم معنی
گوپان	مویشی پالنے والا	گُپن	مویشی
گواش	رنگ، رنگین	گواش/گاش	روشنی، سفید، مسلمانوں اور ہندو مردوں/عورتوں کا نام بھی
ہوُن	بے وقار، ذلیل	ہوُن	کُتا، بے عزت کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔
گلُو	مُحلّے کا سردار	کلو/کوّل	پیار اور احترام کیلئے اور کشمیری ذات
قُبرغہ	ایک ضیافت (گوشت قبرغاہ سے بنی ہوئی)		ہم معنی
وریب	ترچھا (Oblique)	وُریب	ہم معنی

ترکی لفظ	معنی	کشمیری صورت	معنی
کھن	بہت بڑا چاہ	کھن	ہم معنی
غلچہ	گریبان	غلُو چہ	چھوٹا سا کوچہ، یا گریبان
گلہان	پہاڑ	کلہن	عظمت وقار، بڑائی، کلہن پنڈت

لَوآش	میدے کی تنوری روٹی	لَواسہ	ہم معنی
نَگُر (پشتو لفظ)	کمینہ، مفلس	نَگُر......بینگرو	ہم معنی، کشمیری ذات

ان میں سے بہت سے الفاظ سادات کی آمد کے ساتھ ہی کشمیری زبان میں داخل ہو گئے لَل اور نُند ریشی کے کلام میں بھی ہمیں نَگُر، توش، کول وغیرہ الفاظ ملتے ہیں۔

کشمیری شاعری

(موضوع، ہیئت، طرز اور اسالیب کی تبدیلی اور وسعت)

ہندو دور اور مسلم حکومت کے ابتدائی دور میں کشمیری شاعری اور ادب میں، موضوع، ہیئت، طرز، فارم اور اسلوب کے لحاظ سے کوئی وسعت نظر نہیں آتی ہے اس دور کا جو منظوم ادب ہم تک پہنچا ہے وہ صرف واکھ، اشلوک یا واکیہ اور شُرُکھ کی صنف میں ہے۔ جسے شتی کنٹھ نے اپنایا۔ حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ اور ان کے رُفقاء کی پیہم مساعی اور سلاطین کی سرپرستی سے جو ثقافتی اور تہذیبی انقلاب بروئے کار آیا، اسکے اثر کے تحت کشمیری شاعروں اور ادیبوں کے ذہنوں کے دریچے کھل گئے۔ صدیوں کی گھٹن حبس اور اُمس کا ماحول ختم ہوگیا، نئے نئے اسلوب، نئی ہیئتیں اور فارم، موضوع اور طرز بالکل نئے اور کائناتی وسعت رکھنے والے خیالات اور تخیلات کے ساتھ آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہونے لگے۔ فارسی اور عربی زبانیں، اور ان میں تحریر شدہ نظم و نثر تنوع کے لحاظ سے بھی بے انتہا وسیع ہے۔ کشمیری شاعری اور ادب کو یہ بے بہا خزانے مفت میں میسر ہوگئے۔ ابتدائی دور میں ان سب تنوعات اور اسالیب اور اصناف کے اولین تجربے ہمیں حضرت نند ریشیؒ کے کلام میں ملتے ہیں۔ جو آنے والے دوروں میں بنیاد کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اس طرح آہستہ آہستہ کشمیری ادب اور شاعری کا کینوس اس وسیع تر ہوتا گیا۔ اب کشمیری شاعری میں، حمد، مناجات، نعت، منقبت، قصیدہ، مدح، مرثیہ، نظم، مثنوی، غزل، قطعہ، رُباعی، وغیرہ وغیرہ شامل ہوتے گئے۔ ظاہر ہے کہ عربی اور فارسی علم و ادب کے عام ہوجانے سے ہی ایسا انقلاب لایا جانا ممکن تھا، لیکن اس میں انقلاب کے علم برداروں کے خلوص، اور ان تھک محنت اور پیہم کوششوں سے چشم پوشی، احسان فراموشی کے مترادف ہوگی۔

واکھ کی ابتدائی ہیئت اور تبدیلی:

واکھ چند مصرعوں پر مبنی ہوتا تھا، مصرعے کبھی ہم قافیہ (بغیر ردیف، یا ردیف کے ساتھ بے ترتیب صورت میں) ہوتے تھے اور اکثر نہیں ہوتے تھے۔ ان کی بحر بھی تقریباً یکساں رہتی تھی۔ یہ دراصل سنسکرت واکیہ کی نقل مطابق اصل تھی۔

لل دید کا ایک واکھ:

اُوستاٗدٕ پوٗتھِن چھِی ہو مالہ پرَان بے شعور لوگ مذہبی کتابیں اسی طرح پڑھتے ہیں جس
یتھٕ طوطہ پرَان رام ، پنجرس طرح طوطے نے پنجرے میں "رام" کی رٹ لگائی
پرَ پرَکراں زل دو منداں ہے۔ مکھن حاصل کرنے کے لالچ میں وہ خالی پانی
بمڈیو کھ تمِنٕے ابھاو[58] بلوتے ہیں، ان کا پڑھنا ایسا ہی ہے۔
اسی پر وہ غرور کرتے ہیں اس سے کچھ حاصل نہیں
ہوگا۔

حضرت شیخ نورالدین کا شُرکھ (یا واکھ)

کام کرُوٗدٕ لوٗب، مُہہ تہٕ مَد اہنکار چھے کام کرودھ، لوب، مُہہ اور مدھ، اہنکار ہے (غرور
دوزخچ نار چھے دِوان بزٲے ہے) (انہی کی وجہ سے) دوزخ شعلہ زن ہے۔
کرٕے تہٕ کارن لُٹہ آوار چھے انصاف اور نیک عمل ہی پائیدار ہے۔ یہی تمہاری
چندس دیار چھہ موکر ضاے پونجی ہے۔ اسے ضائع مت کر، حضرت محمدؐ پھر تمہارا
حضرت محمدؐ ہوا دار چھے چاہنے والا ہے۔ روز محشر اللہ تعالیٰ خود عدل کی کرسی
یتھ وہٲرس بہہ پانہٕ خداے (۵۹) پر بیٹھے گا۔

لل دید کے کلام میں ہیئت کی تبدیلی کے آثار بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ عمر کے آخری حصے میں اسلام اور اسلامی ثقافت اور ادب سے متعارف ہوئی تھی۔ اگرچہ حوادث زمانہ اور گردش روزگار نے اس کے کلام کا اکثر حصہ نسیان و فراموشی کی آندھیوں کی بھینٹ چڑھایا۔ پھر بھی اس کے واکھوں میں چہار مصرے والے واکھوں کے ساتھ ساتھ چھ مصرعے اور اس سے بھی زیادہ مصرعوں والے واکھ موجود ہیں۔ لیکن حضرت شیخ نورالدینؒ کے ہاں طرز،

اسلوب، فارم اور ہیئت کے لحاظ سے تجربوں کی تعداد بڑھی ہوئی ہے۔ اگرچہ ان کی صورت بالکل ابتدائی ہی ہے۔ کیونکہ ہمیں شیخ نورالدینؒ ریشی کے کلام میں باقاعدہ غزل، مثنوی یا دیگر اصناف سخن تو نہیں ملتی ہیں لیکن ان سے ملتے جلتے نمونے ضرور ملتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے فارسی شاعری کی مختلف صنفوں کو ضرور سنا ہوگا، مولانا رومیؒ کا ذکر تو انہوں نے واضح طور پر اپنے کلام میں کیا

مَلے ڈٕپِ زے مولاے رُومیؒ مُلاّ (یعنی عالم حق) اگر کہہ سکتے ہیں تو مولانا رومیؒ
نَتہٕ مَلہٕ ڈیٖشتھ استغفار[60] کو ورنہ مُلاّ کو دیکھ کر استغفار کہنا چاہئے (خدا کی
پناہ مانگنی چاہئے)

حضرت شیخؒ کی غزل نما شرکھ کا نمونہ ملاحظہ ہو:

نفسانیت چھے نُقصان دیٖنَس نفس پرستی دین کیلئے نقصان دہ ہے۔ اس زمین
بووِی نہٕ تتھ زمیٖنس[1] پھل[2] میں (یعنی نفس پرستی) میں کوئی بیج بار آور نہیں
ہوگا۔ ۱۷

نصربابہ ڈگہ روزہم قریٖنس نصر بابا رب جب میرے ساتھ ہوگا تو پھر میں
توٗے سَمند دِنے زیٖنس[1] تل[2] کسی انعام کا مستحق بنوں گا۔
موماز مَسَ مازَس تہٕ میٖنَس دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو جا تمہارا دل مردہ
تودل گوھی سیٖنس[1] تل[2] ہو جائے گا۔
نصربابہ پان پُتُر جان آفریٖنس اے نصر بابا، اپنی جان، جان آفرین کے حوالے
توٕ ستی زلی آیٖنس[1] مل[2] کر اسی سے تمہارے دل کے آئینہ سے زنگ
دور ہوگا۔
دوہہٕ یوٚد کرٕ اوَکھ وَدنس رٕونَس دن میں جب تم توبہ استغار میں رہو گے تو پھر
اَدٕ حضرت رَچھی سیٖنس[1] تل[2] [61] تمہیں حضرت (محمدؐ) اپنی حفاظت میں رکھیں
گے۔

اس میں نمبر ایک قافیہ اور نمبر دو ردیف ہیں۔ دوسری مثال بھی دیکھئے:

حضرت صدیقسؓ تس درد اَنس (سلام ہو) حضرت صدیقؓ پر جو موتی کی طرح
یُس اوٗل ہیٗت صاحبن پاَنس اَستی ۲ روشن تھا پیغمبرؐ صاحب نے سب سے پہلے اُسے اپنا
رفیق چن لیا۔

عمر خطابسؓ پہٲل وانس (سلام ہو) حضرت عمرؓ۔ غازی پر۔ جس نے
یمی جنگ کور شیطانس ۱ ستی ۲ شیطان کو جنگ میں ہرایا۔

حضرت عثمانؓ ابن عفا نس (سلام ہو) حضرت عثمانؓ پر جس نے قرآن کے
یمی کتھ کر فرقانس ۱ ستی ۲ ساتھ مکالمہ کیا۔ یعنی قرآن کو عالم اسلام میں شائع
کیا۔

حضرتِ علیؓ یَس شیر یزدانس (سلام ہو) حضرت علیؓ شیر یزدان پر۔ جس نے
یمی ژوٗٹ کھینہ مہمانس ۱ ستی ۲ مہمانوں کو کھلانا پلانا، معمول بنایا تھا۔

رسولِ خدایس شاہ سلطانسؐ (درود ہو) شہنشاہ دو عالم حضرت محمدؐ پر جو اُمت کو
یُس امتس ہیٖنہ پاَنس ستی اپنے ساتھ رکھے گا یعنی ان کی شفاعت کروائے گا،
رب کے حضور میں

مُندو ریٖشؒ عرض کوٗر شاہِ ہمدانسؒ نُندِ ریشیؒ نے حضرت علی ہمدانیؒ کی خدمت میں
ژِنہٕ جنتس ہیٚتم پاَنس ۱ ستی ۲ ۶۳ گذارش کی کہ جنّت میں مجھے اپنے ساتھ لے جایئے
نمبر ایک اور نمبر ۲ بالترتیب قافیے اور ردیف ہیں۔ اور اِس "شُرٗکھ" کو بغیر مطلع کے
کشمیری غزل کا ابتدائی نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ با قاعدہ حدود کے اندر بات کرتے ہوئے ان
نمونوں کو غزل تو نہیں کہہ سکتے لیکن انہی بنیادوں پر کشمیری غزل نے ارتقاء کے مراحل طے کئے

کشمیری وَژُن (Watsun):

کشمیری زبان میں ایک مخصوص قسم کی غزل نے بھی نشو ونُما پائی۔ اِسے وَژُن کہتے
ہیں ۶۱۔ اس کے بُنیادی اجزا فارسی غزل ہی کے ہیں۔ مطلع بالکل غزل کی طرح، لیکن مطلع کے
شعر کا دوسرا مصرعہ ہر تیسرے مصرعے کے بعد ٹیپ کے مصرعہ کے طور پر دُہرایا جاتا ہے یہ
دراصل غزل اور بہت مُدّت کے بعد وجود میں آنے والے گیت کے بیچ کی کڑی ہے۔ لیکن

اس کی ہر دل عزیزی اور مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ (پشتو زبان میں بھی یہ صنف ملتی ہے)
کشمیری زبان میں اس کی بھی ابتدائی صورت حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ ہی کے کلام میں
ملتی ہے۔ مثال کے طور پر اُن کا "گوٗنگل نامہ"

زیٚٹھے فرضس کرِ عمل تےٚ ماہ جیٹھ میں (یعنی موسم بہار میں) فرض کو عمل میں
ژٕبتھا ہرِدٕنی گرِتھہ تھاو لاوٗ اور موسم خزان کی آمد کو دھیان میں رکھ۔ پھر
میٹھے ماگس کرتوکل تےٚ آنے والی میٹھے ماگھ (یعنی انجام) کو توکّل کے
یُس کرِ گوٗنگل سُے کرِ کزاو ۶۴ حوالے کر۔ جو محنت کرے گا وہی پھل پائے گا۔

اسی طرح پورے "گوٗنگل نامہ" میں ہر تیسرے مصرعہ کے بعد "یُس کرِ گوٗنگل سُے
کرِ کزاوٗ" ٹیپ کا مصرعہ (نمبر ۴) دہرایا گیا ہے۔

دوسری مثال

شیخ سالار نیکوکارس شیخ سالار نیکوکار جسے دولت مندی میں عقل وشعور
یَس دوٚلتہٕ منز بود آیے ملا (یعنی وہ اسلام قبول کر گیا) نُندِ ریٚشہٕ (شیخ العالمؒ)
نُندہ ریٚشہٕ رود ، دۄر روزگارس زمانے میں صراطِ مستقیم پر استقامت کے ساتھ
ژراوژ ہتو لولہٕ مَتہٕ لایے ڈٹ کر رہا۔

چوتھا مصرعہ، ہر تیسرے مصرعے کے بعد ٹیپ کا مصرعہ ہے۔

حضرت شامہ بی بیؒ کے کلام سے مثال

اَسہٕ ریٚشہٕ گود سورگس ماتو ہمارا ریٚشہٕ (شیخ نورالدین) جنّت کو چلا گیا نُندِ ریٚشہٕ
نُندہ ریٚشہٕ گود سورگس ماتو جنت میں چلا گیا۔

حض امیرؒ ہِندے ژاٹوا اے حضرت امیر کبیرؒ کے شاگرد تم نے اپنی دانائی
پھٹرتھ وَلہٕ دیرٕ پَنہٕ نے گاٹو ۲ یعنی روحانی طاقت سے بڑے بڑے عالموں اور
فاضلوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔

او شکھ کستوراہ ژھٹہٕ واتو تم تو ایک اڑنے والے کستور تھے
نُندہ ریٚشہٕ گود سورس ماتو ۶۴ نُندِ ریٚشہٕ جنت کو چلا گیا۔

یہ حضرت شامہ بی بی کا حضرت شیخ کی وفات پر کیا ہوا مرثیہ ہے، لیکن وَژن کی
تعلق رکھتا ہے۔ چوتھا مصرعہ ہر تیسرے مصرے کے بعد دہرایا جاتا ہے۔
صنف سے
کشمیری شاعری کی مخصوص صنف ابتدائی دوری ہی سے بڑی سرعت کیساتھ مقبول
خواجہ حبیب اللہ نوشہری تخلص حُبّی جو فارسی زبان کے معروف کشمیری شاعر
عام ہونے لگی۔
گذرے ہیں۔ کا تھوڑا بہت کشمیری کلام بھی دستیاب ہے، ان تک پہنچتے پہنچتے کشمیری زبان
بہت حد تک شستہ، خوبصورت اور بلیغ بن گئی تھی۔ ان کے چند ''وژنوں'' سے انتخابات پیش
خدمت ہے۔ ان پر اسلامی ثقافت اور تہذیب کا اثر بھی ملاحظہ فرماتے جایئے:

بَے بَے باغَس گُل گَیم بَرو — افسوس! میرے باغ کے پھول مرجھا گئے۔
کیشہ ہتہ نو سِپنُم سرو بو — اور میں نے کوئی تجربہ حاصل نہیں کیا
یوٗد وَے مَرِہا اُونو مرو — اگر میں مُوتو قبل اَن تمُوتو پر عمل کرتا تو میں نہیں مرتا
کیشہ ہتہ نو سِپنُم سرو بو — افسوس میں نے کوئی تجربہ حاصل نہیں کیا
حبیبہِ کاستم ارتے سرو — اے میرے حبیب! میری الجھن اور پریشانی دور کر دے۔
طبیبہِ علاج لوٗبُم ہتہِ کانْہہ — میں نے طبیبوں سے کوئی علاج نہیں پایا
لبیب دیان وولو لوچرو — عقلمند آدمی جوانی ہی میں سیکھتا ہے لیکن
کیشہ ہتہِ نو سِپنُم سرو (٦٣) — میں نے کوئی تجربہ حاصل نہیں کیا۔
عشقہِ میدانَے تراوِیوم ہے — میں نے اپنے محبوبؐ کے عشق میں سب کچھ تیاگ دیا
بَے تَوَے ثوٗتھیوم پانَے دَے — اسی لئے میرا ربّ مجھ سے راضی ہوگیا
یمہِ دْرِیاوٗ آسِ پیدا گئے — جس دریا سے ہم پیدا ہوئے۔ اسی کے ساتھ جڑا رہ۔ میں
لَیہ روز تمہ کُے مَے آپرَے — اسی کی مے تم کو پلاؤں گا۔
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ — وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ
بَے تَوَے ثوٗتھیوم پانَے دَے — اسی لئے میرا ربّ مجھ سے راضی ہوگیا
کینُو و پیالہ چِنے بیاپَے — کچھ لوگوں نے مسلسل جام لنڈھائے، کچھ لوگوں نے پیتے
کینُون چوٗاَنی سَپدے طَے — وقت ہی منزلیں طے کیں۔

کینہ تروٗ تارے ہتہ کینُون چھَ سَے — کچھ (اس دریا کے) پار اتر گئے، اور کچھ لوگ آس لگائے
بَے تَوَے ثوٗتھیوم پانَے دَے ٦٦ — بیٹھے ہیں۔
میرا رب اسی لئے مجھ سے راضی ہوگیا۔
خاکس نِشہ چھے نیران سون — مٹی سے ہی سونا نکلتا ہے۔ اے گزا ہک، اُس سونے کی
گزا کو سوے کان پزیز ناوتن — کان کو پہچان تو لے۔
کامہِ کرٗ ودھِ لوبہِ نِشہ گوٗ ھ نُشن — کام، کرودھ اور لوب سے دور رہنا چاہئے
پَشن ژلی دون عالمن ٦٧ — پھر تمہیں دونوں عالموں میں کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا۔

قریب قریب یہی طرز اور صنف ہمیں مرزا اکمل الدین بیگ خان اکمل بدخشی ٦٨
(پیدائش ١٦٤٢ء) کے کشمیری کلام میں ملتی ہے۔ لیکن زیادہ شستہ عام فہم زبان کے ساتھ جبکہ حُبّی
کے کلام میں کہیں نہ کہیں سنسکرت زبان کا اثر نظر آتا ہے۔

نظم:

حضرت سیّد علی ہمدانیؒ کے لائے ہوئے ثقافتی انقلاب کے تحت فارسی شاعری کو مدنظر
رکھتے ہوئے تخلیق کی گئی کوئی ایسی کاوش ہماری نظر سے نہیں گذری ہے جسے نظم کی صنف میں
شمار کیا جا سکے۔ لیکن عبدالاحد آزاد مرحوم کی رائے ہے کہ ہمیں شیخ نور الدین نورانیؒ کے ہاں
بہت سی بیانیہ نظمیں ملتی ہیں۔ جن میں جدّت پسندی ٦٨ بھی شامل ہے اور مقصدیت بھی۔
مثال کے طور پر حضرت شیخؒ کی یہ نظمیں ''وَتھ رأ وأنس ژین تہ میانہ پانو ٦٩'' ''ہونژ و برم چھے
سمارنُے ٧٠'' ''پیکھ پالیس یاون مژی اے ٧١'' ''اصل ہند مسلمانہِ'' ''خستہِ گتھ لوٗگُے میانِہ وَتہِ گتہِ
پانہ ٧٢'' ''کیاز یونم سمسارس زبتھ ٧٣'' ''ہون چھے دیان ووباوو ٧٤'' ''ہے زُوٗ پالیس پچہِ ٧٥''
''کرے ونے مرید ٧٦'' ''سمسار گذری بابیہ ٧٧'' ''یاون سورتہ بڈیأیہ بابیہ ٧٨'' وغیرہ وغیرہ۔
ابتدائی نظم نگاری کی بہترین مثالیں ہیں۔ مثلاً ان کی بیانیہ نظم کرٗوٗ دمو مسلمانس پزِے۔

کروٗ دَے سود راوی پانس — غُصّہ سے تم اپنی بھلائی کو گنواؤ گے
کروٗ دَے کرے ہتہِ کارن دَزِے — غُصّہ کی آگ اچھے اور بہترین اعمال کو جلا کر راکھ
کروٗدِے ژوٗر پیِی خزانس — بناتی ہے۔

کرودمو مُسلمانس پَزِے	غُصّہ دانش وحکمت کے خزانے کو چراتا ہے
	مُسلمان کوغُصّہ نہیں کرنا چاہئے۔
نظر کرِٕ زنِہ پرٕدِس زَنانس	دوسروں کی عورتوں کوبُری نظر سے نہیں دیکھنا
تَوِ سَتِ اُلگ تہٕ پلگ دَزِے	اس سے تمہاری دُنیااورآخرت برباد ہوگی
یَوِ چھہہ تگی ایمانس!	اس الزام کی زد میں تمہارا، ایمان آئے گا۔
کرٕؤد مو مسلمانس پَزِے	مسلمان کوغصہ نہیں کرنا چاہئے
دوہے وُچھ زِ حضرتِ قرآنس	ہرروز تلاوتِ قرآن اپنا معمول بناؤ
تُوک گاشُر سأرٕ سے پرٕزِے	اس کے نور سے سب ماحول روشن ہوگا
تَوِ تھُر وُگی شیطانس	وہ تمہارے لئے شیطان (کے حملے سے) کے
کرٕؤد مو مسلمانس پَزِے	آگے رکاوٹ بنے گی۔
	مسلمان کوغصہ نہیں کرنا چاہئے۔
صاحب سَتہ تہی مہمانس	جب بھی مہمان آئے، اسکے ساتھ اللہ ہوتا ہے
تُجنٕزِ لولِر کینہوھا دِزِے	اللہ کی محبت میں، اسے بھی کچھ نہ کچھ پیش کرو جو
یہ دِکھ پرَس تہٕ تیٕ چھےٕ پأنس	تم دوسروں کو (اللہ کے لئے) دیدو گے۔ وہی
کرٕؤد مو مسلمان پَزِے	تمہارا اصل سرمایہ ہے۔
	مسلمان کوغصہ نہیں کرنا چاہئے۔
ترأوِتھ یِنَے قد مأدانس	ایک دن تمہیں بستی سے دورقبرستان میں چھوڑ
ماز تہٕ وستخان میوٚاَل مُجزِے	آئیں گے۔ تمہارے جسم کا گوشت اور ہڈیاں
حساب بنِے دأنس دأنس	مٹی میں جذب ہوجائیں گی۔
کرٕؤد مو مسلمان پَزِے [۷۹]	پھرتم سے (روزِمحشر) دانے دانے کا حساب لیا
	جائے گا۔
	مسلمان کوغُصّہ نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت شیخ العالمؒ کی اور بھی کئی بیانیہ نظمیں ہیں جیسے ''سُے یِیَے ڈُلِ زِے مسلمان [۸۰]''

طوالت کی وجہ سے ایک ہی مثال پراکتفادہ کیا گیا۔

حضرت شیخؒ کے بعد آنے والے دور میں کشمیری زبان میں نظم نگاری سرعت کے ساتھ وسعت پذیر ہونے لگتی ہے۔ اکثر شعراء نے طویل طویل نظمیں لکھیں ہیں۔ اُن میں موضوعات بھی ہیں۔ بیانیہ اوراخلاقی نظمیں بھی۔ کاٹھپوٚل گاؤں کا نُندہٕ ڈار (ولادت ۱۷۰۰ء، وفات ۱۷۷۵ء) کی نظم ''ڈولکہِ شارا [۸۱]'' اور دیگر نظموں کے علاوہ طویل مراثی ازگمنام شعراء وغیرہ اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ ان کے طرز، بحر، ہیئت اوراسلوب کو دیکھ کرانہیں ہم نظم کی فہرست میں بلاتردُّد جگہ دے سکتے ہیں۔

مثنوی:

مثنوی فارسی شاعری کی قدیم صنف ہے جو اپنی گنجائش اور ہیئت کے لحاظ سے نہایت ہی وسعت کی حامل ہے۔ حضرت امیر کبیرؒ خود نہایت ہی بلند پایہ عالم و فاضل شاعر اور نثار تھے۔ میں بھی اکثر علماء اور فضلاء تھے۔ شعروشاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ فارسی علم و ادب کوانہوں نے اپنی قائم کردہ درس گاہوں کے ذریعہ عام کر دیا۔ اس کے اثرات کا ایک سرسری جائزہ گذشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ فارسی مثنوی، بھی اسی دور میں کشمیر پہنچی، حضرت شیخؒ نے ایک جگہ حضرت مولانائے رومیؒ کا ذکر احترام کے ساتھ کیا ہے [۸۲]۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کی مثنوی نے یہاں کے صاحب دل لوگوں پر اپنا اثر ڈال ہی لیا تھا۔ حضرت شیخؒ نے ''مثنویِٔ مولوی معنوی'' ضرور سنی اور دیکھی ہوگی۔ اس صنف سخن میں معاملات بیان کرنے کیلئے جتنی بھی وسعت درکار ہوگی، وہ ملتی ہے۔ لیکن حضرت شیخؒ اپنی عمر کے آخری حصے میں ''مثنویِٔ رُومیؒ'' کی پیروی میں، اتنی ضخیم مثنوی تو تصنیف نہیں کر سکتے تھے۔ جبکہ وہ رہبانیت، گوشہ گیری اور غارنشینی سے نکل کر، گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ میں جا کر مسلمانوں کو توحید، رسالت، نماز، روزہ، فرائض اور سنن سمجھانے میں جٹ گئے تھے۔ اسی لئے انہوں نے نہایت ہی ضعیف العمری میں بھی اس اہم کام اور مشن کی اشاعت وتبلیغ کی طرف خصوصی توجہ دینا اپنا فرض سمجھا اور خشک فقہی مسائل کو بھی نظم کا لباس پہنایا اور ''ایک سوتیس مسئلہ'' یعنی ''صدوسی مسئلہ [۸۳]'' نامی کتاب مثنوی کی صورت میں تصنیف فرمائی۔ محمد گہلوی کی فارسی نظم

میں تصنیف کی ہوئی ''بدائع منظوم'' جیسی ہے۔ اس ''صدوسی مسئلہ'' میں وضو، ناقضات، وواجبات وضو، نماز کے مسائل، آب، اقسام آب، (پاک، ناپاک، مکروہ، مشکوک اور آب مستعمل وغیرہ) اوقات نماز، وضو کے فرائض اور سُنّتیں، غُسُل، غسل کی سنتیں اور فرائض، موجبات غسل، ارکان نماز، شرائط نماز، واجبات نماز وغیرہ وغیرہ جیسے عبادات سے متعلق فقہی مسائل اور ان کے بارے میں شریعت کے احکام کی توضیحات بیان کی گئیں ہیں۔ صَدُوسی مسئلہ کے مضامین حضرت شیخ نے اپنے کلام میں بار بار دہرائے ہیں۔ یہ اُن کے کلام کی اندرونی شہادت ہے اس بات کی کہ یہ انہی کی تصنیف ہے۔ ''صدوسی مسئلہ'' کے چند نمونے ملاحظہ ہوں

فرض چھی مَسٔلے ہٕزہ ہٕتہ پُورِتھ   ہٕژہ دوہ رمضان ہٕژہ نِیَّتھ
(پورے ایک سوتیس فرض مسئلے ہیں   رمضان کے تیس دن ہیں اور تیس نیّتیں
سداہ چھے رکعات دوہ کیناورِاتھ   ژوداہ چھی ارکان نماز پاتھ
دن اور رات میں سترہ رکعات فرض ہیں   نماز کے چودہ ارکان ہیں اسے حاصل کر
ژور فرض آیہ در طہارتھ   ترٕے چھی ٹسٕرانَس سَریہے کتھ
طہارت کے چار فرائض ہیں   غسل کے تین، اس بات کی طرف توجہ دے
ژور چھی جنازس پکہٕ وٕنی وتھ   پانژھ چھی بِناتے پال ہے کتھ ۸۴
جنازے میں چار فرض ہیں   پانچ بنیادیں (اسلام کی ہیں) اُن پر عمل کر
ژور تیَمُّس گَن تھاو اتھ   ستھ ایمانس روز پَتہٕ اَتھ ۸۵
تیمم میں چار فرض ہیں   اور ایمان کے ساتھ اس پر مداومت کر
ژور چھی مذہب رٹھ ہے وَتھ   ژور آیہ علم زان کراتھ
چار (فقہی) مذہب ہیں، یہی رستہ پکڑ   اور چار علم ہیں انکی پہچان حاصل کر
ژور چھے کُرسی، آن حضرتؐ   تَہنٕزے دون سمسارن سَتھ ۸۶
چار کرسی ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے دونوں عالموں میں سہارا ہیں
گَن طہارَتہٕ کینٕہ سُنَّتن تھاو   اَتھہٕ چھل تہٕ مِسواک، ہٕشے رَبہٕ سُند ناو
طہارت کی سُنّتیں سُن لو   ہاتھ دھولو، مسواک کر، اور بسم اللہ پڑھ

کولہٕ گُوھ کُری تھےٕ نَستہ یوٗنی ژان   استنجا ترٕے یہ، پھِر چھل پٕژتھ تان
کلی کر کے ناک میں پانی ڈال   استنجا تین بار ہے، ہر عضو تین تین بار دھوڈال
اَتھہٕ ستیٖ خلالہٕ کر اوٗنگجن   مَستَس کَنہٕ نِیے دارِ ہَمن ہَمن ۸۷
ہاتھ سے (پاؤں کی) انگلیوں میں خلال کر   سر کانوں اور داڑھی میں بھی مکمل طور مسح کر
ژِھنٛیوٹ تے ماز یِہٕنٛد کھیٛون نہٕ رَوا   یاد تھَوبا، لبھ دادِہن دوا
جن جانوروں کا جھوٹا اور جنکا گوشت کھانا   اُسے یاد رکھ، اپنی بیماریوں کی دوا پائیگا
روانہیں ہے
بڑاُرٕ ژھنیٛوٹ مکروہ، تہٕ گگراہ ہیٛے   بنٛیہٕ تَم یَمَو دٲج رٹ ہٕژ چھینٛے ۸۸
بلی کا جھوٹا مکروہ ہے اور چوہے اور بلوں میں رہنے والے جانوروں کا گوشت حرام ہے اور مکروہ ہے۔

حضرت شیخ نورالدّین ریشیؒ کے بعد مثنوی لکھنے کا رواج بتدریج بڑھ گیا اور مقبول عام ہوتا گیا، آج کشمیری شعری ادب کا سب سے ضخیم حصہ مثنویوں پر مشتمل ہے۔ شہمیری سلاطین کے آخری دور کی ایک چھوٹی سی مثنوی کا مسودہ میرے ذاتی کتب خانے میں دیگر نادرو نایاب مخطوطوں کے ساتھ موجود ہے۔ یہ وہ دور تھا جب سلطان محمد شاہ (متوفی ۱۵۳۷ء) کے بیٹے اسماعیل شاہ (اوّل) کی حکمرانی بس یونہی چل رہی تھی عملاً کاچی چک کے ہاتھ میں سب کچھ اقتدار تھا۔ ۱۵۳۹ء کے سال میں ہی اسماعیل شاہ وفات پا گیا، پھر اس کا بیٹا ابراہیم (دوم) کو تخت پر بٹھایا گیا اس کے بعد ۱۵۴۰ء میں مرزا حیدر دوغلت دوسری بار کشمیر پر حملہ آور ہو کر کامیاب ہوا اس نے نظام حکومت پر اپنی گرفت مضبوط تر کر دی اور سلطان نازک شاہ کو برائے نام کشمیر کا بادشاہ رہنے دیا۔ اِسی سیاسی بے اطمینانی اور مسلسل اُتھل پتھل کے دور میں کسی ''ناتواں'' (تخلص) نام کے شاعر نے ایک چھوٹی سی مثنوی تحریر کی ہے، جس کا نام ''احوالِ کربلا ۸۹'' ہے، مسودے پر کتابت کی تاریخ اگر چہ تحریر نہیں ہے لیکن مصنف ناتواں نے آخری شعر میں نہ صرف اپنا تخلص بیان کیا ہے بلکہ سال تصنیف کو بھی شعر میں باندھ کر ہمیشہ کیلئے محفوظ کیا ہے، مسودہ نہایت ہی خستہ اور شکستہ ہے، میں نے بڑے محدب شیشہ سے کام

لے کر اس کے پڑھنے کے قابل اشعار کو قلمبند کیا ہے۔ اپنے نفسِ مضمون کے لحاظ سے یہ ایک مرثیہ ہے اور کشمیری زبان میں اوّلین مرثیہ کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ لیکن اس کی صنف مثنوی ہے، بحر چھوٹی، لیکن زبان عربی فارسی آمیز ہے۔ اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

<u>ابتداء</u>

حُمد تہٖ ثنادپ ذاتَس   یمٍ دیُوت سرورٗ کائناتَس

اللہ کی حمد اور ثنا بیان کر   جس نے کائنات کو سرورٗ عطا فرمایا

قُرب تہٖ نُبوت محبوبیت   بخشٍ تمٍ پانہٕ تَس مَحرَمیت

انہیں قُرب، نُبوت اور محبوبیت (کی شان) بخشی   اُس نے اُنہیں اپنے رازوں سے محرم کیا

پیدٕہ کوٗرُن اوٗلے نُورِ حضرتؐ   تَوے نِشہ پیدا گئے خلقت

سب سے پہلے اللہ نے حضرتؐ کا نور پیدا کیا   پھر اُسی سے ساری خلقت کو پیدا کیا

لوح تَے قلم دوہ کیٚاو راتھ   کوہ تَے دریا بیٚیہٕ ذُرِیات

(یعنی) لوح قلم، دن اور رات   کوہ، اور دریا اور ساری ذُرّیات

زوٗن تَے آفتاب بیٚیہٕ آسمان   چرندہٕ پرندہ بیٚیہٕ انسان

چاند اور آفتاب اور آسمان   چرندے، پرندے اور انسان

انبیاء تہٖ اولیاء تابع تَس   ملک تہٖ فلک ہم بیٚیہٕ ہرکس

انبیاء اور اولیاء اُسی کے تابع ہیں   ملک اور فلک بھی اور ہر ایک شخص بھی

سُہٗ سوٗزُن لَسِہ پیغمبر!   سارِ خلقن نِہٕ گُن رہبر

انہیںؐ ہمارا پیغمبر بنا کر بھیجا   اور ساری قوموں کیلئے رہبر

دَرُود تہٖ رحمت خدا پیٚئِس   صلوات تاروزِ جزا بوٚئِس ۹۰

اُن پر خدا کا درود اور رحمت نازل ہو اور روزِ جزا تک صلوات بھی۔

مثنوی کی صنف میں بیان کئے گئے کشمیری زبان کے اس اوّلین مرثیہ کی بڑی اور

خصوصی بات یہ ہے کہ اس میں چاروں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مدح اور تعریف کی گئی ہے۔ جو بعد کے مراثی اور اس قبیل کی تخلیقات میں بالکل نہیں ملتی ہے۔ ملاحظہ ہو؎

حضرتِ عُثمانؓ شب زندہ دار   ژُورِم علی شاہِ دُلدُل سوار ۹۱

(ان کے تیسرے رفیق) حضرت عثمانؓ شب زندہ دار اور چوتھے ساتھی حضرت علی، دُلدُل سوار بادشاہ تھے۔

اس مثنوی میں دوسو چونسٹھ اشعار ہیں۔ اس اہم مسودہ کے بارے میں عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ آخری شہمیری دورِ حکومت میں تصنیف کی گئی ہے۔ اس کے مصنف ناتواں نے سالِ تصنیف اس طرح دیا ہے؎

دوستدارِ اہل بیت آو ناتواں   احوالِ کربلا کوٗرنے بیان

نوشتھ[۹۰۰] تہٖ پانژہ تاژ[۴۵] از ہجرت   تحریر گوو حالِ شہادت ۹۲

(اہل بیت کا دوست ناتواں آیا اور اس نے احوال کربلا بیان کیا۔ ہجرت سے نو سو پینتالیس سال گذر چکے تھے جب شہادتِ (حسینؓ) کا حال تحریر ہوا)

آنے والے ادوار میں کشمیر میں مثنوی نگاری کی طرف زبردست توجہ دی گئی اور مثنوی کشمیر کی مجلسی اور سماجی زندگی کا جُزو لاینفک بن گئی۔ کشمیری مثنویوں میں، مذہبی قسم کی مثنویوں کو اولیت حاصل رہی۔ اِن کے ذریعہ مسلمانوں کو پیغمبرِ اسلامؐ کی مقدس زندگی اور مشن، اُنؐ کے معجزات، اُنؐ کے صحابہ کرامؓ اور صحابہؓ کے کارناموں، غزوات و سرایات شمائل نبوی خلفاء راشدین اور اُن کے کارناموں سے روشناس کرایا گیا۔ اس طرح سے ان مثنویوں سے بھی تبلیغ اسلام کا کام لیا گیا۔ بعد ازاں عشق و تصوف کے موضوع پر بھی ایرانی مثنویوں کے تتبع میں بہت سی مثنویاں لکھی گئیں۔ ان میں سے اکثر تو غیر ملکی زبانوں کے قصص کے تراجم پر مشتمل ہیں۔ فارسی زبان میں لکھے گئے اکثر قصے اور مثنویاں کشمیری زبان میں ترجمہ کی گئیں، اسی طرح فارسی میں تحریر شدہ رزم نامے (خصوصاً شاہ نامۂ فردوسی طوسی) بھی ترجمہ کئے گئے۔ اسلامی ادب اور ثقافت کا اثر کشمیری ادب پر گہرا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ہندو شعرا بھی اپنی مثنویوں میں

حمد، نعت، مناجات وغیرہ جیسے اسلامی موضوعات پر لکھتے رہے۔ اس کی نقل میں پھر وہ اپنے مذہب کے مطابق بھگوان، دیوتاؤں اور دیویوں کی تعریفیں کرنے لگے[۹۳]۔ موجودہ دور میں مثنوی لکھنے کا شوق اگرچہ عنقا نہیں ہے شاذ تو ضرور ہے[۹۴]۔ مولانا رومی کی مثنوی کا اثر کشمیری شاعروں پر بھی نمایاں رہا ہے۔ اگرچہ ایسی کوئی تحریر نہیں کی گئی، لیکن حضرت رومیؒ کی مثنوی کے اکثر موضوعات کشمیری شاعری پر چھائے رہے[۹۵]۔

حمد و مناجات اور نعت:

حمدیہ، مناجاتیہ اور نعتیہ شاعری بھی فارسی علم و ادب اور شعر و شاعری کی اشاعت کے ساتھ ہی کشمیری شعر و ادب میں بھی جگہ لینے لگی، للہ دید سے قبل کشمیری زبان میں اس قسم کی شاعری کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔ خود للہ دید کے کلام میں بھی با قاعدہ شعری صنف کے طور پر کوئی حمدیہ، یا مناجاتیہ واکھ نہیں ملتا ہے لیکن چند واکھ (اشلوک) ایسے ملیں گے جن میں ایسا رنگ ضرور محسوس ہوتا ہے مثلاً ''للہ دید کا یہ مناجاتی شلوک خوف ورجا میں ڈوبا ہوا ہے''۔

آمہ پنہ سۆ دَرس ناوِ چھس لمان   کتہ بوزِ دَے میون مے تہ دِیہ تار
آسمن تاکین پۆنۍ زن شمان   زُو چھم بزبمان گرِ گژھ[۹۶] ہا!

اس کے برعکس حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کی شاعری میں ہمیں واضح اور با قاعدہ طور پر مناجات، حمد، نعت، مناقب، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ کی شروعات ملتی ہیں اور اُن کے کلام میں چھوٹی بحروں میں، طویل مناجاتیں ملتی ہیں۔ مثلاً

بِہی ژِہتَس مہربانہٕ   چھِہَم ژِہتَس مہربانہٕ

اے میرے مہربان مولا! میں تجھے کبھی بھی نہیں بھولا ہوں۔ تمہاری یاد میرے دل میں جاگزین ہے۔

ژٕ چھکھ سکلن کارن مے   مے ژٕے تِہ وَنہٕ دِتم ترٛلہٕ

اے اللہ! تو ہی مجھے نیک اعمال کی توفیق بخشتا ہے۔ مجھے عبادت و ریاضت کے اچھے طریقے سکھا دے۔

بہٕ ژٕنے پانژن وقتن نمے   چھِہَم ژِہتَس مہربانہٕ

میں پانچوں (نماز میں) تیرے آگے سجدہ ریز ہوتا ہوں تو میرے دل میں جاگزین ہے۔

حضرت رسولسٕ کائِتھ زاُجی   ژٕے یَس سوزُتھ سبز قُرآنہ

اے اللہ! تو نے ہی رسول اکرم کو کفر و شرک کے اندھیروں میں نور بخشا اور اس پر مقدس قرآن نازل فرمایا۔

بگہٕ سوے مے ریاضت پاُجی   چھِہَم ژِہتَس مہربانہٕ

میرے مولا! میں نے اسی راہ کو اختیار کیا۔ تمہاری یاد میرے دل میں جاگزین ہے۔

سُہ چھُ سکلن بۆڈ پیغمبر   ژٕے یَس بوٚوتھ سِر آدلہٕ

وہ ایمان والوں کا بڑا اور آخری پیغمبر ہے۔ تو نے ہی اُسے آغاز ہی میں محرم راز بنایا۔

سُہ ژٕے شود منہٕ نیٚوتھ اندر   چھِہَم ژِہتَس مہربانہٕ

تو نے ہی اُسے اس کے بے لوث دل کے ساتھ اپنے دربار میں بلایا۔ تمہاری یاد میرے دل میں جاگزین ہے۔

تِمَن ژۏن یارن تِمہ   یِمو آدے اۆن ایمانہ

اے مولا! میں اپنے نبیؐ کے چار یاروں کی پیروی دل و جان سے کروں گا۔ اُن صاحبوں نے سب لوگوں سے پہلے ایمان لایا۔

تِم چھِی ڈُکھر ژۏر عالمہٕ   چھِہُم ژِہتَس مہربانہٕ

ان کی حیات طیبہ اور مبارک اعمال سارے جہاں کیلئے پشت پناہ ہیں۔ میرے مہربان مولا تمہاری یاد میرے دل میں جاگزین ہے۔

نِرگُتھ رویتہٕ دِتَم   چھُس بہٕ چونُے ناوسَرلہٕ

اے بے روپ مولا! مجھے اپنا دیدار بخش۔ میں تمہارا ہی نام ہر دم لیتا ہوں۔

بگہِ کاُلاس کھاُرِتھ نِتَم   چھِہَم ژِہتَس مہربانہٕ

مجھے روحانی بلندیاں عطا فرما۔ تمہاری یاد میرے دل میں جاگزین ہے۔

چھُ چونُے مےٚ آدرتہٕ مےٚ ژےٚ تَہٕ وَنہٕ تجنُم ملنہٕ
میں تیری ہی حمد وثناء اور عزت کرتا ہوں۔ میری ساری عبادت اور ریاضت صرف تیرے لئے ہے۔

مےٚ ژٕ بَختَس کارَن کرتہٕ چھِہَم ژٕ بتَس مہبر بانہٕ
تو میری خوش بختی کو عملی صورت بخش۔ تمہاری یاد میرے دل میں موجزن ہے۔

پرٕتھ دِژن سنگاٹن ژےٚ چھی سکلی نَما نہٕ
دُنیا کے ہر کونے کونے میں صبح سویرے ہی سے نیک لوگ تیرے ہی آگے جھکتے ہیں۔

مےٚ کُنہِ ! مدد کرتم ژاٹن چھِہَم ژٕ بتَس مہبر بانہٕ
اے واحد معبود! میری اور میرے شاگردوں کی مدد فرما، رہنمائی کی صورت میں۔ تمہاری یاد میرے دل میں جاگزین ہے۔

وُشدر گرزِتھ تیم اَدِمَن ژٕلبم رسندلنہٕ
جب موت کا فرشتہ میرے پاس آئے گا اور پھر میری روح بدن سے نکل جائے گی۔

بگہٕ شۆدِ مَنہٕ لزٕکو گیم چھِہَم ژٕ بتَس مہبر بانہٕ
مولا! اس وقت بھی مجھے شرمندگی ہوگی (اپنے اعمال کی وجہ سے) تمہاری یاد میرے دل میں ہر وقت موجزن ہے۔

اَدِ کس پُلگہٕ ژٕرے تَوے سُرن ہنیون آدلنہٕ
روزِ محشر، کون دم مار سکتا ہے، بہتر یہی ہے کہ جوانی میں ہی رب کی اطاعت و عبادت اپنا شعار بنایا جائے۔

وُنی وبَتھ نُنْدٕ سٕزی چھِہَم ژٕ بتَس مہبر بانہٕ
یہ مناجات نُندٕ ہٕسٕز نے کہی......اے میرے مولا، تمہاری یاد میرے دل میں موجزن ہے۔

حضرت شیخؒ کی مناجاتوں میں یہ مناجات اپنی سلاستِ زبان کی وجہ سے بھی قابل ذکر ہے۔

مناجات کے ضمن میں حضرت شیخؒ کے یہ مناجات بھی قابل ذکر ہیں ”بار خدایا پاپ نِوار[98]“ ”ثیتھ مےٚ وردِتودِو[99]“ ”کر بندن توشہِ خدائے[100]“ اور ”ہٕر تَتہٕ مےٚ زَم دِا[101]“ وغیرہ، لیکن اُن کا تفصیل سے ذکر کرنا باعث طوالت ہوگا۔ اسی طرح نعت اور مناقب کی شروعات بھی ہمیں شیخ نورالدین ریشیؒ کے کلام ہی سے ملتی ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں حضور رسالت مآبؐ کی محبت، اُنؐ کی تعریف اور مدح اُنؐ کے بلند و بالا مرتبہ، اُن کے عرفانِ کامل، اُنؐ کے پاکیزہ ترین کردار اور اُن کے اُسوۂ حسنہ کا بار بار ذکر بے انتہا شیفتگی اور والہانہ عقیدت مندی کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت شیخؒ کبھی رحمۃ للعالمینؐ کے حضور فریاد بھی کرتے ہیں۔ اُنؐ کی رحمت عام کا ذکر بڑی امید کے ساتھ کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بار بار تلقین کرتے ہیں کہ خلوص دل کے ساتھ اُن کی پیروی کریں ۔

اوّل الف اللہ کُنے
اُخر سُے تہٕ زوال نہ تَس
بے گوو مُحَمَّدؐ رسول اللہ
قیامُو شفاعت کرِامُتس [102]

اول الف اللہ ایک ہی ہے۔
وہی آخری ہے اور اُسے کوئی زوال نہیں
پھر اللہ کے بعد ”ب“ یعنی محمد رسول اللہ ہیں۔
روزِ قیامت وہ اُمت کی شفاعت فرمائیں گے۔

مُحَمَّدؐ تہٕ ژور یار برحق گَنٕز رُکھ
تِمَن نِشہ اَندِ نَے ساُری نیائے
جان پان پَتُن تِمَن پَتھ بٕز رکھ
سوے چھِے تور کٕشر بڈٕ ہکائے [103]

حضرت محمدؐ اور خلفائے راشدین کو برحق جان اور مان لے انہی کے رستے پر چل کر دنیا کے سارے معاملے حل ہوں گے اپنی جان اور اپنا جسم، تن من دھن انہی کے لئے قربان کر وہی تمہارے لئے آخرت میں عظیم سرمایہ ہے۔

پأرٕ پأرٕ لگُو زِتَس پیغمبرسؐ
یِہِندِس دورس رحمت چھِے جاری

قربان اور فدا ہو جاؤ اس پیغمبر کی ذاتِ مُقدّس پر
جسکے دور میں اللہ کی رحمت (اسلام) جاری ہوگئی۔

کاڈِ یِیلہِ بکھ لگہِ روزِ محشرس
تَس کُن وومیدوار آسن ساری
نُمِتھ عرضا کرن جبارس
دوستس دِتَس غوصہِ وَنِہ ساری

کل جب آخرت میں تمام انسانوں کو جمع کیا جائیگا اُسی ذاتِ مقدّس کی شفاعت کے سب امیدوار ہوں گے وہ مقدس ذات، اللہ کے حضور عرض کریں گے اور اللہ سے اپنی سب تکلیفیں اور مشکلات بیان کریں گے۔

وُچھتہ کِیو نِعُو وِژتھ سمسارس
کاَنسہ نہ کُرِے شُکر گذاری

تم نے بے شمار نعمتیں پیدا کیں لیکن بہت ہی کم لوگ تیرے شکر گذار بنے۔

تَیِ بوزِ فاَطمہؓ نِشہِ سرکارسؐ
دَپہِ رَبّنا بابسؐ غم کاس ساری
تورِ یِو یہ وُزُرن رحمِکس گرس
یارس وَنہ نَس ہتو دِیہ ساری[104]

حضرت فاطمہؓ اپنے مقدّس والد سے سنیں گی تو وہ اللہ سے دعا کریں گے اے مولا میرے والد کے سب غم دور کر دے! پھر اللہ کے ہاں سے رحمت کے گھر کے دروازے کھولے جائیں گے اور اپنے محبوبؐ کے ساتھ اس کی ساری اُمت بھی اس میں داخل ہوگی۔

شیخ نورالدین ریشیؒ کے بعد، جوں جوں کشمیری شاعری میں مختلف اصناف شامل ہوتی گئیں، حمد، مناجات، نعت اور مناقب کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ مثنوی کی صنف میں انہیں مناسب اور مخصوص جگہ مل گئی۔ اس کی مثال ''احوال کربلا'' میں ملتی ہے، جس کا ذکر کیا چکا ہے۔ آنے والے ادوار میں نعت گوئی کی طرف خصوصی توجہ دی جانے لگی، اور کشمیر میں بہت سے نامور اور بہترین نعت گو شاعر پیدا ہوئے۔ حبیب اللہ حبیؒ (مشہور فارسی شاعر) نے بھی کشمیری زبان میں نعت لکھی ہے۔ اُن کے بعد یہ سلسلہ باقاعدہ چل نکلا۔

حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ اور ان کے ساتھیوں نے فارسی اور عربی علوم اور ادب کو خطۂ کشمیر میں جس طرح پھیلایا، وہ ایک بے مثال کارنامہ ہے، اور اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی ہے۔ انہی علوم اور ادب کی اشاعت اور اثر کے تحت کشمیری زبان اسلام کی اشاعت

کے ساتھ ساتھ بہ سرعت اثر پذیر ہوتی گئی۔ اور یہ اثر شعر و شاعری پر خصوصی طور پر بہت گہرا اور نمایاں طور پر ہوا۔ ہم نے حمد، مناجات اور نعت کی شروعات کو حضرت نُند ہ ریشی کے کلام سے پیش کر کے، فارسی شاعری کے اثرات کو واضح کر دیا ہے۔ اسی طرح کشمیری زبان میں قصیدہ، مدح اور مناقب کی ابتداء اور شروعات بھی انہی کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح مرثیہ کا سنجیدہ اور با مقصد طنز بھی ہمیں شیخ کے کلام میں ملتا ہے۔ لل دید کے ہاں بھی اس حال ہے۔ کی چند مثالیں ضرور ملتی ہیں۔ حضرت شیخ کی نظم ''تِیُتھ مےٚ ورِدِتو دِوٚ'' بیک وقت دعا اور مناجات بھی ہے اور قصیدہ اور منقبت بھی

تَس پدمان پورِ چہ للے
تَمہِ گلے اَمرِتھ پیوٚ
تَمہِ دَے وُچھ تھَلِہ تھلےٚ
تیُتھ مےٚ ورِدِتو دِوٚ
وِزِ کڑے کُرمِنہٖ سُنزی
دِوٚ سنزے گوِڈھ ہم یِوٚ
دُنی وبِتھ نُندِ سُنزی
تیُتھ مےٚ ورِدِتو دِوٚ[105]

پدمان پور کی لل، جس نے اَمرِت کے جام پیے۔ اس نے رب کو عین الیقین کیساتھ دیکھا میرے مولا! مجھے بھی ایسی ہی صفات عطا کر! میں نے پورے اہتمام کے ساتھ کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ تاکہ اس سے میرا نفس قابو میں آتا۔ یہ مناجات نُندِ سنز نے کہی، میرے مولا! مجھے بھی ایسی صفات عطا فرما۔

شیخ نورالدین کے کلام میں ہمیں مدح و مناقب بھی ملتے ہیں۔ جنہیں ہم بجا طور پر کشمیری زبان میں اوّلین نقوش کہہ سکتے ہیں۔ اُن کے مندرجہ ذیل شلوک میں خلفائے راشدین کی مدح اور منقبت کے علاوہ میر سیّد علی ہمدانی کا ذکر بھی عقیدت مندی کے ساتھ ملتا ہے

حضرتِ صدیقسؓ تس دُر دانس
یُس اوّل ہیوت صاحبن پانس ستی
عُمرؓ خطابس پہلوانس
ییمہِ جنگ کوٗر شیطانس ستی

صفحہ ۲۸ پر اس کا ترجمہ ہے۔

حضرتِ عثمانؓ ابن عفانس
ییمہٕ کتھِہ کر فرقانس ستی
حضرت علیؓ لیںؓ شیر یزدانس
ییمہٕ ژوٹ کھینیِہ میٖہمانس ستی
رسولِؐ خدالیس شاہ سُلطانس
یُس اُمت پکنہٕ بنیِہ پانس ستی
نُندہٕ ریٚوش عرض کوٚر شاہ ہمدانس نُند ریشیؒ نے شاہ ہمدانؒ سے گذارش کی کہ
تیِتہِ جنتس ہٮ۪تم پأنس ستی ۱۰۶ جنت میں مجھے اپنے ساتھ لے جایئے۔

مرثیہ:

کشمیری زبان میں مرثیہ کہنے کی اولیت حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کی خاتون مرید حضرت شام بی بی کو حاصل ہے جس نے اپنے مُرشد حضرت شیخؒ کی وفات پر مرثیہ کہا۔ اس میں خلوص و عقیدت کے ساتھ زبان کی سلاست اور روانی بھی ہے اور یہ شام بی بی کے دل کی آواز ہے، اسی لئے اس میں درد و سوز بھی ہے۔

نُندہٕ سُنزٕ گوٚو سورگس ماتو	نُند سُنزٕ جنت کو چلا گیا
نُندہٕ سُنزٕ گوٚو سورگس ماتو	نُند سُنزٕ جنت کو چلا گیا
اَسِہ سُنزٕ گوٚو سورگس ماتو	ہمارا سنز جنت کو چلا گیا۔
نُندہٕ سُنزٕ گوٚو سورگس ماتو	نُندہٕ سنز جنت کو چلا گیا۔
نُندہٕ سنزک سُنزے پانہٕ	نُندہٕ سنز کے انتظام کے بغیر اور اسکی ملاقات کے بغیر
میٖوٚل ژنے رُس چھنہٕ زیبانہ	کوئی لطف نہیں
لٮ۪لِہ بانہ بو وَدے کاتو!	ہم نے کتنا ہی ماتم کیا۔ مگر
نُندہٕ سُنزٕ گوٚو سورگس ماتو	نُندہٕ سُنزٕ جنت کو چلا گیا۔
نُندہٕ سنزک سُنزے رِیشے	اے نُندہٕ سُنز ریشی
بنیِہ میلوٚ پَنہٕ نے دیشے	ہم پھر اپنے دیش (جنّت) میں ملیں گے۔

دوہ دِشے بوگارتھ کاتو	میں تمہیں رات دن یاد کرتی رہوں گی۔
نُندہٕ سُنز گوٚو سورگس ماتو	میرا نُندہٕ سنز جنّت کو چلا گیا۔
حضرت امیرؒ ہندِے ژاٹو	اے نُند سُنز۔ حضرت امیر کبیرؒ کے خاص شاگرد
پھُٹرِتھ وَلِہ دِپر پَنہٕ نے گاٹو	تم نے اپنی روحانی برتری سے بڑے بڑے علماء و فضلاء کو پیچھے چھوڑا۔
اوسُکھ کوٚستور کیاہ ژھٹِہ واتو	تم تو ایک اُڑنے والے کستور تھے۔
نُندہٕ سُنز گوٚو سورگس ماتو	نُندہٕ سُنز جنت کو چلا گیا۔
چون خرقہٕ تے کھڑاوتے عاصے	آپ کا خرقہ، کھڑاؤں اور عاصہ ہزاروں عمروں تک پائندہ و زندہ رہیں گی۔ تمہاری طرح کوئی
کتھہ کرایت بنیِہ وأنِسہ ساسے	دوسرا معزز اور شاندار کون ہوگا۔
یُتھ بنیِہ کس شوبان آتو	
نُندہٕ سُنز گوٚو سورگس ماتو	نُندہٕ سنز جنت کو چلا گیا۔
یُتھ لعلاہ کتھہٕ اَتھہٕ تراوٚو	(آپ جیسے) لعل بے بہا کو ہم ہاتھ سے کیوں جانے دیں گے۔
یہوٚے مَنہٕ ٹِکہٕ اَسِہ نِشہ دژاوو	یہ روشن روحانی ٹکا ہم ہی میں سے پیدا ہوا۔
ووٚنی پزاوَتس رُس کاتو	اب اسکے بغیر ہم کیا حاصل کر سکیں گے۔
نُندہٕ سُنز گوٚو سورگس ماتو	نُندہٕ سنز جنت کو چلا گیا۔
ژلِٹہٕ کوریو مٔ وڈ ڈُے شامے	تمہاری شاگرد بیٹیوں نے شام ہی سے رونا شروع کیا۔
وندہٕ بَل وَتھ اُمٕ شامَے	میرے دل تک آپکی محبت کا یہی ایک راستہ ہے
پیرٕ گوٚرکھ شامَے کاتو	اے مرشد! مجھ شام (بی بی) کو آپ سے بے اِنتہا عقیدت اور محبت ہے۔
نُندہٕ سُنز گوٚو سورگس ماتو ۱۰۷	نُندہٕ سنز جنت کو چلا گیا۔

اسی مرثیہ میں شام بی بی نے شیخ نورالدین ریشیؒ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ ”اے

حضرت امیر سیّد علی ہمدانیؒ'' کے شاگرد، تم نے اپنی روحانی بصیرت سے بڑے بڑے (غیر مسلم) مرتاض سادھوسنتوں کوزیر کیا۔ اس بات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضرت شیخ نے جناب میر سیّد علی ہمدانی سے فیض پایا تھا اور وہ اپنے آپ کو ان کا شاگرد مانتے تھے۔

وعظِ مجلس:

حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ اور اُن کے رُفقاء کی تبلیغی مساعی جب بارآور ہوئیں تو کشمیری علماء وفضلاء نے قرآن، احادیث، حالات وفرمودات پیغمبرؐ وصحابہؓ اور اولیائے کرام کی زندگی اور اقوال پر مبنی موقعہ ومحل کی مناسبت سے وعظ کی تقریریں تحریری طور پر تیار کیں، جن کو وہ وعظ کی صورت میں مساجد میں عوام کے سامنے مخصوص انداز میں بار بار دُہرا کر پیش کرنے لگے۔ ان تحریری تقریروں کو واعظ اور مُبلّغ حضرات اپنی خاص اصطلاح میں ''وعظ مجلس'' کہتے تھے۔ ایک ''وعظ مجلس'' ایک ہی مخصوص موضوع کے تمام بنیادی اور متعلقہ عناوین کا احاطہ کرتی تھی۔ اس لئے اس میں جابجا متعلقہ قرآنی آیات، احادیث پاک، اشعار وغیرہ ترجمہ اور وضاحت کے ساتھ تحریر کر کے رکھے جاتے تھے۔ ''وعظ مجالس'' کے ذریعہ کشمیری زبان، ادب اور لٹریچر پر فارسی اور عربی زبانوں اور ادب کے گہرے اثرات مرتب ہوتے گئے۔ یہ وعظ مجلس چونکہ بار بار مختلف علاقوں کی مساجد میں دُہرائی جاتی تھیں اس لئے عام اَن پڑھ مسلمان، شہری اور دیہاتی اِن کو آسانی سے یاد رکھتے تھے۔ اسی لئے انہیں لاتعداد فارسی شعر، محاورے اور ضرب الامثال بنوکِ زبان یاد تھیں۔ فارسی اور عربی علوم اور ادب کو سرعت دینے میں ''وعظ مجالس'' نے بہت کام انجام دیا ہے۔ اور کشمیر کے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جڑیں گہری کرنے میں اِن ''مجالس'' کی اہمیت کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ وعظ مجالس ''کشمیری نثر'' کے اولین نمونے ہیں۔ نثر کی اس صنف کی طرف آج تک کسی نے کوئی اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے۔ میرے پاس بہت سی ''وعظ مجلسیں'' موجود ہیں۔ جن کے زمانۂ تحریر کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے۔ ایک ''وعظ مجلس'' کے چند اقتباس بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔ موضوع وعظ ''ماہِ

صیام کی فضیلت'' کے تحت ''لیلتہ القدر'' اور اس کی عظمت ہے۔

''پُرو'' اَعوذُ بالله من الشيطان الرَّجيم. بِسمِ الله الرَّحمن الرحيم. الحمد لله ربِ العالَمين. الَّذی زَيَّن هٰذَ الشَّهر بلَيْلةِ الشَّريفَةِ لَيْلَةُ القَدْر ۱۲

تَس معبودس ہُنِن حمد تہٕ ثنا، ییمیٛ زینت دِژ یتھ بابرکتھ رتس شب قدر سٟتۍ۔ ییمِکہ حقہٕ پٮ٘نہٕ الله تعالیٰ جَلّ شانُہٗ بیان چھُ کران قُرآن شریفس اندر پُرواعوذ باللہ۔ الخ بسم اللہ۔ الخ۔ اِنَّا انْزَلْنَاهُ فی لَيْلَةِ القَدْر ۱۲ یَزٕ پأنٹھ نازل آوکرنہٕ یہ قرآن شریف شب قدرس منز ۱۲ وَمَاادریک مالَيْلَةُ القدر ۱۲ کُس حضرتؐ کری خبر ژٕ اے میانہٕ حبیبہٕ، یہ شب قدرُک شب کیاہ چھُ ۱۲، اَمِچ فضیلت تہٕ اَمِچ عظمت کیاہ چھےٚ ۱۲، اے میانہٕ حبیبہٕ بُوٚ دے حضرت کرے خبرِ لِمہٕ شیٚچ فضیلت تہٕ عظمت کیاہ چھَ ۱۲، پُروساری شوقہ سان ۱۲ لَيْلَةُ القَدْرِ خَيْرٌ مِن الِف شهر ۱۲ اے میانہٕ حبیبہٕ یہ رات چھےٚ بہتر سٲسہٕ رتہٕ کھوتہٕ۔ کیاہ چھےٚ بہتر۔ سٲسہٕ رتہٕ کھوتہٕ! یعنی بہتر چھےٚ شب قدرٕچ بیداری تہٕ عبادت سٲسہٕ رتہٕ کھوتہٕ، معبودِ برحق جَلَّ ذِکرہٗ چھُ فورماوان: یارسول اللهؐ یُس حضرت اتھ شبس بیدار روزِتہٕ عبادت گرِتہٕ تٔہندس ذٲتہٕ مُقدَّسَس

پڑھو، اعوذ بالله من الشيطانِ الرَّجيم. بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله ربّ العالمين. الّذی زَيَّن هٰذِاالشَّهْرَ بليلَةِ الشريفةِ لَيْلَةُ القدرِ.

اس رب کیلئے حمد وثنا ہے جس نے اس بابرکت مہینے کو زینت بخشی شب قدر سے۔ جس کے حق میں خود اللہ بیان فرماتا ہے۔ قرآن شریف میں ۱۲، پڑھو اعوذ باللہ۔ الخ۔ بسم اللہ۔ الخ۔ اِنَّا انزلنَاهُ فی لَيْلَةِ القدر ۱۲ حقیقت میں یہ قرآن نازل کیا گیا شب قدر میں۔ وَما ادریک مَالَيْلَةُ القدر ۱۲، اے میرے حبیبؐ، آپ کو کون بتائے گا کہ شب قدر کیا ہے؟ اس کی فضیلت اور اسکی عظمت کیا ہے۔ اے میرے حبیب! میں ہی آپ کو اس شب کی فضیلت وعظمت سے آگاہ کروں گا (سب لوگ ذوق وشوق کے ساتھ پڑھو) لَيْلَةُ القدرِ خيرٌ مِنَ اَلِف شَهر ۱۲۔ اے میرے حبیبؐ! یہ رات ہزار سے بہتر ہے۔ کتنی بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ یعنی شب قدر میں بیدار رہ کر عبادت کرنا ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر اور افضل ہے۔ معبود برحق

پٹھ درودیَ، زَن گرتُمی عبادت ۸۳ وُرِکَ یَن تہِ ژون رتِبن، بِی گو وَلَیۡلَۃُ القَدۡرِ خَیۡرٌ من الف شہرٍ بُو کُئی چھُ اتھ شبس اندر بہتر بیداری کُرِنۡ تہِ عبادت کُرِنۡ ییمۍ یہ کور، تمۍ کُروقتہِ وَقتہِ راُ چھِ تہِ بندگی پَنہِ نِس معبودس ۸۳ وُرِکَ ین تہِ ژون رتِبن، ۱۲،

جلّ ذکرہٗ فرماتا ہے۔ یا رسول اللہ جو اس رات میں بیدار رہ کر عبادت کرے گا اور اے میرے حبیب! آپ کی مقدس ذات پر درود بھیجے گا یہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے ۸۳ سال اور چار ماہ کے طویل عرصے کی عبادت کی ہو۔یہی مطلب ہے لَیۡلَۃُ القدرِ خیرٌ مِن الف شَھَر۔اسی لئے اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا بہتر ہے۔ جو ایسا کرے گا اس نے ہر لمحہ ۸۳ سال اور چار ماہ کے طویل عرصہ میں اپنے رب کی بندگی کے لوازم بہ حفاظت انجام دیئے۔

ساُری ترَاُدِتھ روٗنگھ مےٚ ژےٚ مےٚ ژےٚ ژھانڈان لوسُتم دوہ جاُنس مٔنز یِیلہِ روٗنگھ مےٚ ژےٚ مےٚ ژنے تہِ پاُنس دیُتُم ژھوہ

سب کو چھوڑ کر میں نے صرف تیرے آگے سر جھکایا۔ساری عمر تیری ہی تلاش میں گذری۔ جب میں نے تم کو اے میرے مولا اپنے دل میں اپنی روح میں بسایا۔پھر میں نے آپ کو اور اپنے وجود کو پہچانا۔

قَالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہِ وَسلَّم: تحروَالَیۡلَۃَ القدر فِی الوِترِ مَنَ العَشَر الاوَاخِرِ مِن رَمَضَان ۱۲ فورمود حضرتِ رسولِ کریمن صلی اللہ علیہ وسلم ژھاُریون شب قدر ماہِ رمضان کِین پتِمین دَھَن دوہن ہندِ ین طاق شبَن اندر......
.........۱۰۸

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تحروَالَیۡلَۃَ القدر فِی الوِترِ مَنَ العَشَر الاوَاخِرِ مِن رَمَضَان ۱۲ فرمایا حضرت رسول اکرمؐ نے شب قدر کو تلاش کرو ماہ رمضان کے آخری دس دِنوں کی طاق راتوں میں..................وغیرہ وغیرہ

ایک وعظ مجلس گھنٹہ سوا گھنٹہ تک چلتی رہتی تھی۔اس کے بعد ایک دو نعت شریف دَرُود کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں۔پھر دُعا، یہ سب چیزیں تفصیل کے ساتھ ''وعظ مجلس'' میں تحریری طور پر درج ہوتی تھی۔اس طرح یہ تحریری تقریر اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ تیار کی جاتی تھی۔ ہر ایک ''وعظ مجلس'' مقررہ موضوع پر ہوتی تھی۔

تراجم:

ترقی پذیر زبان کے ادب، لغت اور لٹریچر کو مالا مال اور سرمایہ دار بنانے میں تراجم نے ہمیشہ اہم ترین کام انجام دیا ہے، انہی کے ذریعہ زبان، ادب اور علوم وفنون کو فروغ اور وسعت حاصل ہوئی ہے۔تراجم کے ذریعہ دوسری قوموں سے انسان اُن کے مزاج، اُن کے علوم و ادب، سیاست، تہذیب وتمدن، اُن کی حاصل کردہ ترقی، وغیرہ سے کماحقہٗ واقف ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح سے یہ سب چیزیں اس پر شعوری اور غیر شعوری طور پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔اگر یہ عمل دو طرفہ ہو، تو یہ بہت ہی مُفید اور مستحسن بن جاتا ہے۔اس سے دو مختلف قومیں، ایک دوسرے کی دوست اور شناسا بن جاتی ہیں۔

سلاطین کی سرپرستی میں ساداتِ کرام نے مدرسے، اور خانقاہیں بنا اور بنوا کر اسلامی علوم، عربی اور فارسی علم وادب کی تعلیم کو نہ صرف عام کیا بلکہ خود مقامی زبان سے شناسائی حاصل کر کے تبلیغ اسلام کی اصل مہم کو تیز تر کر دیا۔(یادرہے کہ قدیم ہندوستان میں برہمن مت کی بالادستی کے خلاف بدھ مَت کی حیران کُن وسیع اشاعت مقامی زبانوں میں تبلیغ کی بہت حد تک رہین منت تھی) سنسکرت زبان جو پہلے بھی اپنی یخ بستگی کی وجہ سے ایک قلیل اور مخصوص طبقہ تک محدود تھی، اپنی بے لچک فطرت کی وجہ سے اس کا حلقۂ اثر اب اور سکڑنے لگا۔اس کے برعکس عربی اور فارسی علوم کے دروازے سب کیلئے کھلے تھے۔ فارسی زبان تمام کاروبارِ زندگی میں اپنے مٹھاس اور شیرینی کی وجہ سے دخیل ہوتی جارہی تھی۔اگر اِسے سرکاری سرپرستی نہ بھی ملتی پھر بھی یہ مقامی آبادی اور زبان وادب پر ضرور اثر انداز ہوتی۔ ہندوؤں نے بھی ضرورت کیلئے فارسی زبان سیکھی، لیکن چند مسلمانوں نے ضرورت کے تحت سنسکرت پڑھی اور سنسکرت میں لکھی گئی کتابوں کا فارسی ترجمہ کیا۔ بعد میں ہندوؤں نے بھی فارسی میں تحریر شدہ کتابوں کا

سنسکرت میں ترجمہ کیا۔لیکن اِن زبانوں کی کتب کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان میں تصنیف
شدہ کُتب کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا جانے لگا۔ مُلّا احمد نے شیخ نورالدین ریشیؒ کے کشمیری
کلام کا فارسی زبان میں ''مراۃ الاولیاء'' کے نام سے ترجمہ[۱۰۹] کیا۔کشمیری نثر میں بھی کتابیں
لکھی جانے لگیں سوم بٹ نے ''زینہ ژرت'' (زینہ چرت[۱۱۰]) یودھ بٹ نے ''زینہ وِلاس''
یا ''زینہ پرکاش[۱۱۱]'' اور بانا سُر کتھا'' لکھی۔ سلطان زین العابدین کے دربار کے ملازم شری
ور نے ان ہی حالات کو دیکھ کر یہ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پایا کہ ''انتہا یہ ہے کہ مزدور اور باورچی
تک شاعر اور مصنف بن گئے ہیں اور عورتوں تک نے حصول علم میں نام پیدا کر لیا ہے اور ان
لوگوں کی تصنیفات اس قت (دور سلطان فتح شاہ تک) ہر گھر میں موجود ہیں[۱۱۲]'' ۔سادات
کی تبلیغی اور علمی و ادبی کوششوں کا اور سلاطین کا ابتدائی دور کشمیری زبان کا بہت روشن اور اہم دور
ہے،اس دور میں کیئے گئے ترجموں پر مختصر بات کرنے سے پہلے حضرت سیّد عبدالرحمٰن بُلبُل
شاہؒ کے ''رسالۂ ضروریاتِ دین'' کا ذکر ضروری ہے۔حضرت بُلبُل شاہؒ نے کشمیر میں نو
مسلموں کی ضرورت ہی کیلئے بنیادی اور ضروری دینی معاملات،عقاید اور فرائض وغیرہ پر مشتمل
ایک کتاب تصنیف کر ڈالی۔یہ کتاب بہت عرصہ تک نو مسلموں کیلئے اہم کتاب رہی۔اندازہ
ہے کہ اسی کتاب کو مدنظر رکھ کر بعد میں کشمیری زبان میں فقہی مسائل اور عقاید پر سلیس،اور
آسان نظم میں مختصر کتابچے تیار کیئے گئے۔کہا جاتا ہے کہ ''ضروریات دین'' کا کشمیری زبان
میں بھی ترجمہ کیا گیا تھا۔جو دست بُرد زمانہ سے محفوظ نہیں رہا ہے۔

بہرحال ان حکایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تراجم کا کام کسی نہ کسی نوعیت کا
ہی سہی،جاری تھا،اسی طرح اس دور میں کشمیری زبان میں کیئے گئے کئی اور تراجم کا سراغ ملتا
ہے۔مرزا جزاءاللہ مرحوم ساکنہ دیوسر کولگام نے اورادِفتحیہ (میر سیّد علی ہمدانیؒ) کا نظم میں کشمیری
ترجمہ کیا ہے،جو آج بھی موجود ہے،جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے۔ترجموں کے
کام مسلسل لگن اور دلچسپی کے ساتھ جاری ہے۔ قصیدۂ خمریہ، قصیدۂ بانت سعاد، دُعائے
حضرت ابوبکر صدیقؓ، نماز اور چھ کلموں اور پارۂ عم اور پارۂ الم، سورۂ یوسف، پندنامۂ
عطار اور حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ کی کتب کے، صرف و نحو اور عربی کریم، مولانا

رومیؒ کی مثنوی کی چیدہ حکایات، اور بعد کے ادوار میں شاہ نامہ، سکندر نامہ، شیرین
خسرو، لیلیٰ ومجنون، وامق و عذرا، یوسف زلیخا، الف لیلیٰ، کلیلہ و دمن، مغازی
النبی، قصص الانبیاء جیسی ضخیم کتب کے تراجم ہوتے رہے۔اس کے ساتھ ساتھ لاتعداد
عشقیہ قصے، فارسی اور دیگر زبانوں سے کشمیری زبان میں ترجمائے گئے۔غرض عربی اور فارسی
کتابوں کے کشمیری زبان میں تراجم زور وشور سے ہونے لگے۔فارسی زبان اور ادب کشمیری
زبان کا مزاج اور طبیعت ثانیہ بن گئے۔فارسی ایک وسیع اور مالا مال زبان ہے، اس کے
سہارے اور اسکی وسعت و توانائی کا فائدہ اٹھا کر کشمیری زبان اور ادب وسیع اور سرمایہ دار ہونے
لگے۔عربی علوم بھی کم اثر انداز نہیں ہوئے، ہمارے بچپن تک اسلامی مدارس میں جو نصاب
پڑھائے جاتے تھے وہ اُنہیں بنیادوں پر مرتب کیئے گئے تھے جو سادات کرام نے شروع کیں
تھیں۔حضرت امیر سیّد علی ہمدانیؒ نے مسلمانانِ کشمیر کیلئے وظیفہ صبح گاہی کے طور پر انجام
دینے کیلئے ''اورادِفتحیہ'' کو لازم قرار دیا۔اکثر سُنی مسلمان اورادِفتحیہ کو بچپن ہی کے زمانے سے
مساجد میں روزانہ سن کر حفظ کر لیتے ہیں۔عام لوگ اس کے مفہوم کو سمجھ لیتے ہیں۔اورادِفتحیہ
کے روزانہ ورد نے حضرت شاہ ہمدانؒ کی یاد کو کشمیری سُنی مسلمانوں کے سینوں میں آج تک
زندہ اور محفوظ رکھا ہے۔اورادِفتحیہ وہ مشعل ہے جو گذشتہ چھ سو سال سے زاید عرصے سے کشمیر
میں روشن ہے۔اس نے تبلیغ دین کے کام میں ایک مستقل مشن کی طرح اپنا کام انجام دیا ہے۔
ہر صبح سُنی مسلمان اِسے مساجد میں بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔اس کے کشمیری، اُردو اور فارسی
تراجم ہزاروں کی تعداد میں برابر چھپتے رہتے ہیں اور لوگوں کے پاس پہنچتے رہتے ہیں۔یہ
سلسلہ بدستور جاری ہے۔

حضرت خاکی فرماتے ہیں ''کہ برسوں تک صبح کے وقت اورادِفتحیہ پڑھتے تھے[۱۱۳]''
اور یہ ان کے سچے اعتقاد کی دلیل ہے اور نماز عشاء کے بعد بھی حلقہ کی صورت میں اُس کا وِرد
کرتے تھے............

حلقہ کردہ قاریٔ اوہراد فتحیہ بشوق
اولیا بسیار مشہودش بشر الیسر شد است

بعد ختن ہم بخواں اوراد فتحیہ بہ شوق

بامریداں زاولیاش ایں امر ہم یک مَرشداست[۱۱۱]

غیر مذہبی ادب:

حضرت امیر اوران کے دیگر رفقاء کے لائے ہوئے ثقافتی انقلاب کو کامیاب بنانے میں فارسی زبان کا وہ وافر ذخیرہ بھی شامل ہے جو وسط ایشیا، بخارا، خراسان، رے، ماوراء النہر، بلخ، بدخشاں اور دیگر شہروں اور ولایتوں سے آئے ہوئے قسمت آزما شعراء، اُدباء طبیب، ہنرمند، موسیقار وغیرہ اپنے ساتھ کشمیر لاتے رہے۔ یہ سلسلہ نہ صرف عہد سلاطین اور چک دور میں جاری رہا بلکہ مغل اور پٹھان دورِ حکومت تک چلتا رہا۔ بہرحال کشمیری زبان میں بھی انہی علوم وفنون کے اثر کے تحت غیر مذہبی لٹریچر وجود میں آنے لگا اور پھر مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ خالص عشقیہ غزل، عشقیہ مثنویاں، قصے کہانیاں، کشمیری فارسی نصاب (جو ایک قسم کے لغت کا کام دیتے تھے) کشمیری عربی و فارسی گریمر، صرف ونحو کے ابتدائی قاعدے، موسیقی کی کتب، طب کی کتب، رمل، نجوم، اور جفر کی کتب، ہجویات، طنزیات، ظرافت، لوک کہانیوں پر مبنی منظوم قصص، داستانیں...... یہ سب...... فارسی زبان وادب کے پھیلاؤ اور اشاعت عام کی وجہ اور وساطت سے ہی کشمیری زبان میں داخل ہوتی گئیں اور اس کا اثر سلطان زین العابدین کے عہد حکومت (۱۴۲۰ء۔۱۴۷۰ء) ہی سے نمایاں ہونے لگا۔ کیونکہ اس کے عہد حکومت میں فارسی زبان کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان کو بھی (بمطابق روایت) شاہی سرپرستی حاصل تھی اور سلطان کے حکم سے بہت سی غیر مذہبی کتب کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا جانے لگا۔ اس طرح سے اسلامی ثقافتی انقلاب کی وجہ سے کشمیر میں شعروادب کو پہلی بار عوامی سطح تک لایا گیا، جبکہ اس سے قبل سنسکرت زبان اور برہمن واد کے اثر کے تحت کشمیری شعروادب قیاسی وجود کے ساتھ محدود حلقہ اور طبقۂ مخصوص کی وراثت تھی۔

فنِ خطّاطی:

یہ فن شریف تو سادات کی آمد سے پہلے ہی کشمیر میں متعارف ہوا تھا، لیکن عہد رنچن

شاہ (سلطان صدرالدین) اور ابتدائی کشمیری دور میں عربی اور فارسی رسم خط عام پیمانے پر رائج نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی اس دور کے خطاطی اور کتابت کے عام یا خاص نمونے (کتابوں اور مخطوطات کی صورت میں یا کسی اور طرح کے) آج تک دستیاب یا دریافت ہوئے ہیں۔ ہاں قبروں پر نصب کتبے، شاردا اور سنسکرت رسم خط میں ملتے ہیں۔ اس دور میں بلکہ اس کے بعد بھی کچھ مدت تک درباری اور دیگر سرکاری کام کاج سنسکرت زبان ہی میں ہوتا تھا۔ دراصل فن خطاطی اور کتابت حضرت میر سیّد علی ہمدانی اور دیگر سادات کی آمد کے ساتھ ہی کشمیر میں باقاعدہ طور پر متعارف اور رائج ہوگیا۔ سادات کرام کی اپنے ہاتھ تحریر کی ہوئی کتب ناپید اگرچہ نہیں ہیں۔ لیکن نایابی کی حد تک کمیاب ہیں۔ لیکن حضرت میر محمد ہمدانیؒ (فرزند گرامی حضرت سیّد علی ہمدانیؒ) کے دست خاص سے تحریر کیا ہوا وقف نامہ اور اجازت نامہ (خلافت نامہ) جسے کشمیر میں خط ارشاد کہتے ہیں، موجود ہے، جو انہوں نے حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کو کبروی سلسلہ میں آنے کے موقعہ پر عطا فرمایا تھا۔ یہ خط نستعلیق کا بہترین نمونہ ہے اور سرینگر کے خانقاہِ معلٰی کے خاص ذخیرۂ کتب کے ساتھ موجود ہے۔

ابتدائی دور میں کشمیر میں خط کوفی متعارف اور رائج ہوا۔ لیکن یہ خط جلد ہی متروک ہوگیا۔ اور اس کی جگہ سیدھے اور آسان خط نستعلیق نے لے لی اور پھر مستقل طور پر یہی خط پسند عوام وخواص بن گیا۔ رسم خط بذات خود کسی بھی تہذیب وتمدن کا خاموش مبلغ اور پُراسرار اور بامعنی انقلابی علمبردار ہوتا ہے۔ اس سے اُن قوموں کی تہذیب وتمدن، اور علم وادب، مذہب و ثقافت میں زبردست اور گہرے نتائج کے حامل انقلاب کی مضبوط بنیاد پڑ جاتی ہے، جن قوموں میں اسے رائج کیا جائے۔ کشمیر اس کی واضح مثال ہے، آج ساری وادی میں شاذ مثالوں کے سوا کوئی بھی شاردا رسم خط کو پڑھ بھی نہیں سکتا ہے، لکھنے کی تو بات ہی نہیں ہے، شاردا رسم خط سنسکرت کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے، جس سے ہندومت کی تمام روایات، اساطیری ادب، مذہبی معتقدات اور ہندوتہذیب وتمدن وابستہ تھا۔ فارسی اور عربی رسم خط کے جاری ہونے سے یہ سب حالات بتدریج بدل گئے۔ ان رسوم خط سے وابستہ تہذیب وثقافت، ان میں لکھی ہوئی مذہبی کتب کے ذریعہ اُس نئے مذہب کی تمام بنیادی اور جزئی باتیں اور

معتقدات کشمیر میں عام ہوگئے۔ اکثر سادات بذات خود بھی بہترین خوشنویس اور خطاط تھے۔
وہ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ خطاطی کا کام بھی کرتے تھے۔ سلاطین
کشمیر نے بھی اس فن کی سرپرستی شروع کی۔ سلطان زین العابدین نے خصوصی طور پر وسط
ایشیا اور دیگر ولایتوں سے بہت سے ماہر مسلمان خطاط اور خوشنویس کشمیر بلائے ۱۱۵۔ سلطان
زین العابدین نے علامہ زمخشری کی تفسیر کشّاف کی لاتعداد نقول ماہر خطاطوں کے ذریعہ
کتابت کروا کر نوشہرہ سرینگر کی جامعہ میں اساتذہ اور طلباء کے استفادہ کیلئے وقف کر دیں۔ اسی
طرح سلطان نے سینکڑوں کتابوں کو تیار کروا کے مختلف اطراف و اکناف میں بھیجا، یہی
مثال دیگر سلاطین نے بھی اپنائی ۱۱۶۔ پرائیویٹ طور پر بھی بہت سے لوگوں نے خطاطی کا
پیشہ اختیار کر کے اپنے لئے روٹی روزی کا سامان بہم پہنچایا۔ مرُورِ ایام کے ساتھ ساتھ کشمیر
میں خطاطی کی مختلف قسمیں رائج ہوتی گئیں۔ اِن میں ثلث، نسخ، طوتی، رِقا، خط کوفی،
ریحان، مُحقّق، تعلیق، نستعلیق، طغرا، گلزار اور غبار شامل ہیں۔ اُن کے علاوہ ایک اور خط بھی
رائج ہوگیا جو خفیہ پیغام رسیدگی اور رسائی میں کام آتا تھا۔ اسے خط سرو یا خط کم صُلا کہتے
تھے۔ یہ جنگ کے زمانے میں اور جاسوسی کے ذریعہ پیغامات بھیجنے کے کام آتا تھا ۱۱۷۔ فن
خطاطی کی اِس قابل تعریف روایت کو کشمیر کے خطاطوں نے اپنا کر اپنے ملک کی شہرت اور
عزت میں چار چاند لگا دیئے اور خود بھی بڑے بڑے خطابات حاصل کیئے۔ مغل دور میں
زرّیں قلم اور شیریں قلم کے خطابات کشمیری خطاطوں کو ہی مل گئے۔ طغرا نویسی، میں بھی
کشمیری خطاطوں نے کمال حاصل کیا۔

فن کاغذ سازی:

علم و ادب اور فن خطاطی کی ترویج و سرپرستی کے ساتھ ساتھ کشمیر میں کاغذ سازی کی
صنعت کا تعارف بھی میر سیّد علی ہمدانی اور اُن کے دیگر رفقاء کی کشمیر میں آمد کے ساتھ ہی ہوا۔
سادات کرام نے مختلف کتب کے سینکڑوں نسخے اپنے ساتھ لائے، یہ سب کتابیں کاغذ پر ہی
تحریر شدہ تھیں۔ جبکہ اس وقت تک کشمیر میں کاغذ کے استعمال کا رواج نہیں تھا۔ لوگ بھوج پتر
پر لکھا پڑھی کا سب کام انجام دیتے تھے۔ ہندو لوگ بھی بھوج پتر کو ہی استعمال کرتے تھے۔ اس

بات کے قوی امکانات ہو سکتے ہیں کہ رینچن شاہ سے بہت قبل کشمیر میں کاغذ کی صنعت یا کاغذ
متعارف ہوا ہو۔ لیکن وسیع پیمانے پر پہلے پہلے قرآن مجید اور احادیث کی اشاعت کیلئے سمرقند
سے بڑے پیمانہ پر کاغذ منگوایا گیا، سادات نے خود بھی اپنے اپنے علاقوں سے کاغذ ساتھ لایا تھا
اور منگواتے بھی رہے۔ سلطان زین العابدین نے سمرقند ہی سے کاغذ سازی کے ماہرین کو
بلایا، جنہوں نے یہاں آ کر کاغذ سازی کی صنعت کو قائم کرنے میں اور کارخانوں کی ماہرانہ تعمیر
میں کشمیریوں کی رہنمائی اور مدد کی ۱۱۸۔ زین العابدین کے دور حکومت میں سرکاری سرپرستی
میں پھاک، گاندربل، نوشہرہ اور دیگر جگہوں پر کاغذ سازی کے کارخانے کھولے گئے۔ جہاں
وسیع پیمانے پر کاغذ کی اعلیٰ قسمیں تیار کی جانے لگیں ۱۱۹۔ اگرچہ اس سے پہلے ہی نجی طور پر
چھوٹے پیمانہ پر کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔ جارج فارسٹر کی عینی شہادت کے مطابق ''مشرق میں
لکھائی کیلئے بہترین کاغذ کشمیر ہی تیار کرتا ہے۔ اور کشمیر سے باہر اس کی زبردست مانگ رہی
ہے ۱۲۰''۔ مغل دور حکومت میں بھی کشمیری کاغذ ہندوستان میں بہت پسند کیا جاتا تھا۔ ملا عبد
القادر بدایونی (مصنف منتخب التواریخ اور اکبر کے دربار کا مؤرّخ) اکثر حضرت شیخ یعقوب
صرفیؒ کے نام) کشمیری کاغذ بھیجنے کی فرمائشی خطوط لکھا کرتا تھا ۱۲۱۔ کشمیری کاغذ کی کئی قسمیں اعلیٰ
پایہ کی ہوتی تھیں۔ ان میں گلیز اور چمک کے ساتھ ساتھ ہمواری، جاذبِ نظر رنگت اور کم موٹائی
ہوتی تھی۔ یہ کاغذ سیاہی کو آسانی کے ساتھ جلدی سے جذب کرتا تھا۔ ان پر سیاہی نہیں پھیلتی
تھی۔ کاغذ کی اعلیٰ قسموں میں شیر جنگی، قلمدانی، دہ مشتی، ہشت مشتی، مہین، حریر، ریشمی اور
سادہ...... بہت پسندیدہ قسمیں تھیں۔ اس صنعت کے فروغ کے ساتھ ساتھ جلد سازی،
دباغت اور سیاہی سازی کی صنعتیں بھی شروع ہو گئیں۔ خوبصورت اور مضبوط جلد بندی کیلئے
ماہر جلد ساز پیدا ہو گئے۔ چمڑے کی دباغت کی صنعت فروغ پا گئی جبکہ پہلے یہ بالکل ہی موجود
نہیں تھی۔ سیاہی کی مختلف قسمیں بنائی گئیں۔ یہ فنون بھی سادات کرام ہی اپنے ساتھ لائے
تھے۔ ایسی سیاہیاں بنائی جاتی تھیں جو واٹر پروف تھیں۔

موسیقی:

مسلمان جب ایران، وسط ایشیا اور دیگر ولایتوں سے کشمیر آئے تو اپنے ساتھ ترقی

یافتہ نظام موسیقی بھی لائے۔ بہت سے عرب اور عجمی مسلم حکمران مفتیوں اور فقیہوں کی طرف سے عاید کردہ مذہبی قیود کو نظر انداز کر کے فن موسیقی کی طرف نہ صرف خود مائل رہے بلکہ اس کی فیاضانہ سرپرستی بھی کرتے رہے ۱۲۱۔ ابن سینا، الفارابی اور الکندی جیسے عظیم المرتبت علماء بھی موسیقی کے حامی اور شوقین تھے۔ انہوں نے فن موسیقی پر اچھی خاصی ضخیم اور اہم کتب تصنیف کیں ہیں ۱۲۲۔ دمشق، بغداد اور غرناطہ فن موسیقی کے اہم مرکز بن گئے اور عرب موسیقی نے یورپ کو خصوصی طور پر بہت کچھ دیا ۱۲۳۔ کشمیر میں اپنی آمد کے ساتھ ہی مسلمان لوگ اپنی موسیقی کو وراثت کے طور پر ساتھ لائے ۱۲۴۔ اس وراثت کو صوفیائے کرام نے نہ صرف اپنایا بلکہ روحانی بنیادوں پر آگے بڑھایا۔ کشمیر کے اکثر سلاطین علوم وفنون کے مربی تھے، خود بھی عالم و شاعر ہونے کے علاوہ فن موسیقی میں بھی خاصا درک و تجربہ رکھتے تھے ۱۲۵۔ مسلمان صوفی شعراء بھی موسیقی سے دلچسپی رکھتے تھے اور اس فن سے بخوبی واقف تھے۔ اس کا اثر بعد میں کشمیر کے ہندو مذہبی شعراء پر نمایاں طور پر پڑا

ساداتِ کرام چونکہ تصوف کے مختلف سلاسل کے پیرو تھے۔ جن میں ''سماع'' سے شغل رکھنا جائز تھا، اس لئے وہ بھی اس فن کی سرپرستی کرتے رہے۔ اُن کے اور سلاطین کے اثر کے تحت ''ثقافت کا معیار بہت بلند ہو گیا ۱۲۶'' وادی میں فنون ادب اور موسیقی کے لوگوں میں کافی قدردان پیدا ہو گئے ۱۲۸۔ وہ موسیقی کے بہت دلدادہ تھے اور فنی شعور اُن کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھا ۱۲۹۔ حضرتِ شاہ ہمدان میر سیّد علی ہمدانیؒ تصوف کے کبروی سہروردی سلسلہ سے متعلق تھے وہ اور کبروی سلسلہ کے پیرو صوفیائے کرام ''سماع'' کے قایل تھے۔ وہ سماع کو قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''و بہ ایں ہمہ تربیت در وقتِ سماع، صحن خانقاہ را بہ سرِ صحن رقص میکردم۔
در ہفتہ دوبار سماع می بُود۔ و این فقیر از جانب سیادت می شنود کہ فرمودند
ہر کہ در بدایت ارادت عاشق سماع نباشد از وے ہیچ کارے
نیاید............ و در آن ایام بعدِ حلقۂ چاشت و حلقۂ عصر ہمراہِ یاران طبل می
زدم و نیم لحظہ بے کار نہ می بُودم'' ۱۲۹۔

(ترجمہ) ''اس ساری تربیت کے ساتھ میں خانقاہ کے صحن میں، سماع کے وقت رقص کرتا تھا۔ ہفتہ میں دوبار محفل سماع ہوتی تھی۔ اس فقیر نے اپنے مرشد سے سنا کہ فرماتے تھے کہ جو (صوفی) ارادت کے ابتدائی دور میں سماع کا عاشق نہ ہوگا اس سے کوئی بھی کام نہ ہو سکے گا............ اور ان ایام میں چاشت اور عصر کے حلقہ کے بعد میں دوستوں کے ساتھ طبل بجاتا تھا اور آدھ لحہ بھی بیکار نہیں رہتا تھا''۔

یہی وجہ ہے کہ کشمیری موسیقی پر سادات ہمدانی کبروی کی معہ مزامیر سماع کے ساتھ خصوصی دلچسپی کا گہرا اثر پڑا۔ حضرت میر سیّد علی ہمدانی خود اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے، سماع کے دلدادہ تھے۔ اور سماع کے محیر العقول اثر کے تحت ہی انہوں نے کشمیری مسلمانوں کے لئے صبح کی نماز کے وقت مساجد میں اجتماعی طور پر اورادفتحیہ کی تلاوتِ بالجہر کو لازم قرار دیا تھا۔ اورادِ فتحیہ کو خاص ترنم اور ترتیل کے ساتھ پڑھا جانے لگا۔ اس کے اس خاص روح پرور مترنم آہنگ اور زیر و بم سے سماع کا ایک عجیب و غریب اور دل پذیر جذب و کیف کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ انقلاب قلوب کے اہم کام میں اورادِ فتحیہ کی تلاوتِ بالجہر نے جو نمایاں کام انجام دیا ہے وہ قابل تعریف ہے اور اس کے اثرات آج بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔

شاعری اور موسیقی لازم و ملزوم ہیں۔ یہ بات وثوق کے ساتھ بتانی مشکل ہے کہ اسلامی مذہبی اور ثقافتی انقلاب سے پہلے کشمیر میں کس قسم کی موسیقی رائج تھی اور گانے کی طرز کیا تھی۔ لیکن جب کشمیری زبان و ادب پر سادات اور سلاطین کی کوششوں سے انقلاب انگیز اثر پڑا تو موسیقی اُن کے اثر سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتی تھی۔

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو پورے برصغیر میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے اثر کے تحت پوری ہندوستانی موسیقی آ گئی، اس میں عربی زبان کے بہت سے الفاظ، اصطلاحات بن کے شامل ہو گئے ۱۳۰۔ مثلاً ''ناد ۱۳۱'' سے مگن ناد، مُرلی ناد وغیرہ ''غنا'' ۱۳۲ سے گان ''گاین'' گانا ۱۳۳ ''تال'' سے تار ۱۳۴ (اونچا) ''شامل'' سے سمل، سملت، عوہر سے آورت (لوٹنا) ''عشق'' سے آسکت (پریم کرنے والا) ''رغب'' سے راغا، راگ، راغب، راگی وغیرہ

وغیرہ۔(قوسین میں رکھے گئے سب الفاظ عربی کے ہیں)

کشمیری موسیقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ترقی پذیر تھی۔لیکن ایران، وسطی ایشیا، ماوراء النہر، خراسان، رے وغیرہ کے راگوں کا رواج اتنا بڑھا کہ ساری کشمیری موسیقی پر عربی اور فارسی مقامات، شعبہ جات، اوزان، بحور، تال اور سُر مکمل طور پر حاوی ہو گئے کشمیر کی کلاسیکی موسیقی جسے صوفیانہ موسیقی کہا جاتا ہے جو عربی فارسی نظام موسیقی سے مستعار ہے، کے کل چوپن مقامات ہیں۔ان میں انتیس کے قریب عربی اور فارسی نام رکھتے ہیں۔ملاحظہ فرمایئے:

مقامات: نوا، نے ریز، چارگاہ، جزونتی، حسینی، بہار، گبری، عزآل، عراق، سیری، کوری، سہ گاہ، کوہی، پنج گاہ، راست فارسی، راست کشمیری، بیات، سوہائی، لاچاری، نوروز صبا، سارنگ، تلنگ، عشیران، نوروز عجم، شہناز، نوروز، عرب، پہلوی، لالت، دیوقندھار[۱۳۴]

کشمیری موسیقی کے مختلف مقامات کے شعبہ جات کا بھی یہی حال ہے۔ان شعبہ جات کے نام یہ ہیں:

عربی = حجر، سماوی، تال، مخمس، نثر، نقرات، نواح، فرد، ضرب، ثقیل[۱۳۵]

فارسی = نیم دور، چپ انداز، روانی، دُوردیہ، راست، سربند آہو، سربند، سہ گاہ، کاسہ، بندروانی، یکہ آہو بند، شش آہنگ، دو یکہ، آہنگ روانی[۱۳۶]

عربی فارسی = یک تالہ، چہار تالہ، یکہ فرد، شعبۂ کوچک، نیم ثقیل، خمس الآہنگ، ضربِ فاختہ[۱۳۷]

صوفیائے کرام اور سادات عظام کے زیر اثر اور سلاطین کی سرپرستی کی وجہ سے موسیقی کو کشمیر میں زبردست فروغ حاصل ہو گیا۔کچھ ایسے عظیم موسیقار اور فنکار پیدا ہوئے۔جنہوں نے مختلف راگ راگنیوں کو ایجاد کیا اور باجے کے آلات ایجاد کئے اور اس کی اصلاح کی[۱۳۸] خود کشمیر کے کئی سلاطین موسیقی کے شوقین تھے۔سلطان زین العابدین کا بیٹا حیدر ساز بجانے میں ماہر تھا اور اس کا پوتا خود بھی فن موسیقی میں مہارت رکھتا تھا[۱۳۹]۔حسن شاہ کے عہد میں شعبۂ موسیقی کا سربراہ شری ور[۱۴۰] تھا۔حقیقت تو یہ ہے کہ وادی میں موسیقی کی بنیاد انہی ایرانی سادات

ماہرین صوفیا اور سلاطین نے رکھ دی تھی[۱۴۱]۔کشمیری موسیقی کے تال ہندوستانی موسیقی کے تالوں سے مختلف ہیں اور ان کے بول بھی مختلف ہیں۔ان سب پر اسلامی ثقافت کا اثر ہے۔ ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کے برعکس کشمیری کلاسیکی (صوفیانہ) موسیقی کو کورس میں گایا جاتا ہے[۱۴۲]۔اس لحاظ سے کشمیری موسیقی منفرد ہوتے ہوئے بھی ایرانی اور وسط ایشیائی بلکہ عرب کلاسیکی موسیقی کے بہت قریب ہے۔

مسلمان اپنے ساتھ بہت سے باجے، مثلاً چنگ، رباب، طنبور، عود، قانون وغیرہ لائے۔ یہ سب تار والے ساز تھے۔اس کے علاوہ بق، نے، سُرنا بھی لائے۔ جو منہ سے بجانے والے باجے تھے۔نقارہ۔سنج، دف، طبل اور ڈہل بھی ان ہی کے لائے ہوئے ہیں[۱۴۳] سلاطین کے محل میں نوبت برابر بجا کرتی تھی۔سنطور، ساز، اور سی تار کے ساتھ ساتھ ڈکر بھی آ گئے[۱۴۴]۔دوسرے سازوں میں مزمار (ایک قسم کی بانسری) بھی استعمال میں آنے لگی[۱۴۵]۔ عود کا استعمال بھی اسی عہد سے شروع ہوا اور اب بھی مقبول ہے۔عود دراصل ایرانی ساز ہے جو حجاز میں حیرہ سے آیا تھا جو ایران کے زیر اثر تھا[۱۴۶]۔سب سے مقبول ساز جو کشمیری لوک موسیقی میں استعمال ہونا شروع ہوا، رباب ہے[۱۴۷] اور یہ آج کل بھی مقبول اور پسندیدہ ہے۔ سارنگ بھی تار والا باجہ ہے۔جسے کشمیری میں سارن کہتے ہیں اسلامی ثقافتی انقلاب کے بعد ہی رائج ہوا۔صوفیائے کرام موسیقی سے صرف شغف ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ خود بھی فن موسیقی میں ماہر تھے۔محافل سماع کا انعقاد ان کے ہاں اکثر ہوا کرتا تھا۔کبھی مزامیر کے ساتھ، کبھی بغیر مزامیر کے خود حضرت میر سید علی ہمدانیؒ نے سماع، وجود و رقص اور طبل بجانے کا ذکر فرمایا ہے[۱۴۸]۔تصوف کے دیگر سلاسل جونہی کشمیر پہنچ گئے سماع کی محفلوں میں بھی زور اور رونق بڑھتی گئی۔ بعد میں کشمیری زبان کے اکثر و بیشتر صوفی شعراء مزامیر کے ساتھ سماع کی محفلوں کے زبردست دلدادہ اور شوقین رہے۔خود بھی ساز بجاتے تھے اور کبھی گانے میں بھی شمولیت کرتے تھے۔سلاطین نے فقہی قیود کو نظرانداز کر کے اس فن کی سرپرستی کی۔ سلطان زین العابدین موسیقی کا ایسا شوق رکھتا تھا کہ وہ اپنے دربار کے گویّوں کے ساز کو مطلّا کراتا تھا، اُس نے اپنے ایک درباری موسیقار لُدی بخت سے موسیقی پر ایک مستند کتاب تحریر کرنے کی فرمائش کی۔

سلطان نے گوالیار کے راجہ ڈونگر سین اور اسکے لڑکے راجکمار کیرت سنگھ سے موسیقی پر بہت سالٹریچر حاصل کیا۔ اسی سلطان کے عہد یا غالباً اسی کی سرپرستی میں کالی ناتھ نے ۱۴۵۰ء سنگیت رتنا کر کی شرح لکھی۔ اصل کتاب دیو گیر کے، یا، دیو راجاؤں کے دربار کے ماہر موسیقی سارنگ دیو کی لکھی ہوئی ہے ۱۴۹۔ سلطان نے غیر ملکوں سے بھی موسیقاروں کو اپنی فیاضی سے کشمیر میں قسمت آزمائی کیلئے آنے پر اُکسایا۔ ایسے ہی لوگوں میں ملاّ عودی، مُلا جمیل وغیرہ قابل ذکر ہیں ۱۴۹۔ سلطان زین العابدین کے پوتے سلطان حسن شاہ نے دکن سے بھی مُغنّی بلوائے ۱۵۰۔ چک بادشاہوں میں یوسف شاہ چک موسیقی کا سب سے بڑا مُربی اور ماہر فن تھا ۱۵۱۔ اس کی محبوبہ حبہ خاتون بھی موسیقی کے فن میں زبردست مہارت رکھتی تھی۔ اس نے راست کشمیری، راگ ایجاد کیا ۱۵۲۔

کشمیری کلاسیکی موسیقی کے گانے والے معززین میں شمار ہوتے آئے ہیں۔ بڑے بڑے روحانی بزرگ اور خاندانی شرفاء بھی کشمیری کلاسیکی کے ماہر استاد تھے اور آج بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں ۱۵۳۔ کشمیری کلاسیکی موسیقی میں ایک تقدس اور ضابطہ ہے۔ اس میں کوئی لڑکا، لڑکی یا عورت شامل نہیں ہوسکتی ہے۔ کلام جو گایا جاتا ہے۔ سوقیانہ یا ''فاسقانہ'' نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی محفل سماع میں بیٹھنا سعادت اور باعث طمانیت قلب و روح سمجھا جاتا ہے۔

کشمیر میں چک حکومت کے یوسف شاہی دور میں عربی قائناس (Dancin Girls) کی طرح کشمیر میں رقاصائیں بھی وجود میں آگئیں۔ انہیں ''حافظائیں'' کہا جاتا ہے۔ ان کے رقص کے ساتھ گانے کو ''حافظ نغمہ'' کہا جاتا تھا۔ یہ رقاصائیں اور ان کے نغمے کشمیر میں ڈوگرہ حکومت کے بیشتر وقت تک جاری رہا۔ حافظہ ایک قسم کی طوائف ہوتی تھی۔ اس کی مجلسوں میں امیر لوگ اور ''شرفا'' شریک ہوتے تھے۔ وہ گانا بھی گاتی تھی، رقص بھی کرتی تھی۔ یہ رقص جسم کی حرکت (مُدرا) سے گیت اور گانے کے مطالب ظاہر کرتا۔ ساتھ میں سنطور، ساز اور سیتار بھی بجائے جاتے ۱۵۴۔ لیکن کشمیری سلاطین کے دور میں حافظاؤں کی موجودگی کا کوئی معتبر پتہ نہیں چلتا ہے اگرچہ اس دور میں جسم فروش بازاری عورتیں موجود تھیں۔

رو ّدیا روف کورس گانے کی ایک خاص قسم ہے۔ جو بغیر آلات موسیقی و مزامیر کے صرف عورتیں کورس میں گاتی ہیں۔ اس میں دو آمنے سامنے صفیں ہوتی ہیں۔ جو ایک ایک شعر کو دہراتی ہیں۔ رو ّد کی محفلیں (یہ اکثر ایستادہ ہوتی ہیں) ماہ رمضان کی فضیلت میں، یا شادی بیاہ کے موقعوں پر (بیٹھ کے، مزامیر کے ساتھ) منعقد کی جاتی ہیں۔ اس میں تُمبکھ ناری'' (ایک آلہ موسیقی) خصوصی طور پر عورتیں ہی استعمال کرتی ہیں۔ یہ کورس گانا بالکل وسط ایشیائی طرز کا عورتوں کا کورس گانا ہوتا ہے اور آج بھی مقبول ہے۔

آلات موسیقی کا بیان ''تُمبکھ ناری'' کے ذکر کے بغیر نامکمل رہ جائے گا۔ تُمبکھ ناری ایران کی ''تُمبک'' سے مشابہ ہے جو دراصل عرب کے چوکور ''دف'' کی مُدور ایرانی شکل ہے ۱۵۵۔ صرف سائز اور ساخت کا فرق ہے۔ اسے ہاتھ اور انگلیوں سے بجایا جاتا ہے۔ کمہار لوگ اسے مٹی سے بنا کر بھٹی میں پکّا کرتے ہیں۔ پھر اس کے بڑے گول سرے پر خاص طور سے تیار کی ہوئی کھال لگائی جاتی ہے ۱۵۶۔ ویسے دف کا ذکر کشمیری صوفیانہ شاعری میں بھی ملتا ہے ۱۵۷۔ <u>ڈھول</u>: ڈھول دراصل فارسی دُہل یا عربی طَبل ہے۔ اسے پہلے شاہی محلوں میں نوبت کیلئے، اور تقریبات پر اور ہندوؤں کے مندروں میں مذہبی محفلوں کے موقعہ پر بجایا جاتا تھا۔ مسلمان صوفیاء نے اسے مذہبی اجتماعات پر لوگوں کو بلانے کے لئے عام اعلان کا ذریعہ بنایا۔ کشمیری زبان میں اِسے ''نگارٕ'' (نقارہ سے) بھی کہتے ہیں۔ اس کا ایک اور نام ''دمامہ'' ہے۔ سُرنا، سُرنائی یا شہنائی، بڑی نے ہوتی ہے۔ جو آج کل ''بانڈٕ پاتھر'' (ناٹک اور سوانگ کھیلنے والے بھاٹ) کے ماہر گویے یا ''کانٛلِر گوَیےّ استعمال کرتے ہیں۔ طبلہ، دُکر، وَصُول، سنطور، یہ سب صوفیانہ موسیقی کے گانے میں استعمال ہوتے ہیں۔ دُکر دو چھوٹے طبلچے ہوتے ہیں۔ کشمیری چنگ جو ٹیڑھی شکل کا پایا جاتا ہے ایرانی الاصل ہے۔ یہ لکڑی کے گھیرے پر چمڑا مڑھا ہوا والا نہیں ہے بلکہ یہ صرف لوہے کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے دو ذرا سے موٹے ہلکے بازوؤں میں ایک بالکل پتلا تار جیسا ہوتا ہے۔ دو بڑے بازوؤں کو منہ میں دبا کر بیچ والے تار کو داہنے ہاتھ سے حرکت دیکر منہ سے بجاتے ہیں ۱۵۸۔

لوک موسیقی میں سب سے مقبول چھکری اور بچہ نغمہ ہیں۔ یہ سب کورس، ناچ کے

ساتھ گائے جاتے ہیں۔ بچہ نغمہ دراصل حافظ نغمہ کی مردانہ صورت ہے اور چھکری بچہ نغمہ کی موجودہ صورت ہے چھکری رباب کے ساتھ پہلے موسم بہار میں اور اب ہر موسم میں گائی جاتی ہے ۱۵۹۔ یہ افغان دور کے بچہ نغمہ کی یادگار ہے۔ ایرانی اور وسط ایشیائی موسیقی کے اثر کے تحت مختلف باجے اور ساز بجانے والے بعد میں انہی چیزوں کی وجہ سے پہچانے جانے لگے۔ ان کی ذاتیں انہیں آلات موسیقی کے ناموں پر بن گئیں جو وہ بجاتے تھے۔ طبلہ بجانے والے کو طبلی، ڈکر، بجانے والے کو ڈکرو، سیتار بجانے والے کو سیتاری، سُرنا بجانے والے سُرنائی، رباب بجانے والے کو ربابی ۔ دہل یا ڈھل بجانے والے کو ڈہل کہا جانے لگا ۱۶۰۔

کشمیری ادب پر اسلامی ثقافتی انقلاب کے داخلی اثرات

حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ عربی، فارسی کے اعلیٰ پایہ کے عالم فاضل اور مشاق سخن ور تھے۔ وہ صوفی باصفا اور عارف باللہ بھی تھے۔ انہوں نے، اُن کے فرزند اور اُن کے سرکردہ رُفقاء نے خطۂ کشمیر اور اس کے گرد و نواح میں احسن طریقوں اور بہترین وسائل اور حکمت عملی کو بروئے کار لاکر اسلام اور اسلامی ثقافت کے انقلاب کو اپنی مسلسل کوششوں سے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اُن کے جلیل القدر فرزند سیّد محمد ہمدانی بائیس سال کی عمر ہی میں اپنے والد محترم کے حکم کے تحت بعہد سلطان سکندر اسلامی ثقافتی انقلاب کو جاری رکھنے کے لئے تشریف لائے اور بہت عرصہ تک یہیں قیام پذیر رہے اور گراں قدر دینی، تبلیغی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت امیرؒ کی آمد سے پہلے اسلام کا تعارف کشمیر میں بہت ہی محدود طریقے پر ہوا تھا۔ انہوں نے آنے سے پہلے وادی میں تبلیغی امکانات کا مکمل جائزہ حاصل کر لیا تھا اس کے بعد ہی وہ سینکڑوں ساتھیوں کے ساتھ یہاں تشریف آور ہوئے۔ پھر اپنے رُفقاء کو وادی کے تمام قصبوں اور دیہات میں، اسلام کی بنیادی تعلیمات کی اشاعت، اس کے تعلیمی، تہذیبی اور روحانی نظام کے باقاعدہ قیام کا کام تفویض کیا۔ انہوں نے مساجد اور خانقاہیں تعمیر کیں اور کرائیں، جو رُشد و ہدایت اور علم و ادب کے مرکز بن گئے۔ انہی مراکز سے وادی کے اطراف میں اسلامی ثقافت کا نور پھیل گیا۔ حضرت امیر اور اُن کے ساتھی خلوص وللّٰہیت، تزکیۂ باطن اور احسان و مروّت کے عملی پیکر تھے۔ شریعت پر سختی کے ساتھ کاربند رہتے ہوئے وہ رواداری، وسیع القلبی اور نظریہ ''الخلق عیال اللہ'' کا زندہ اور متحرک نمونہ بھی تھے۔

پاٹلی پُتر میں بلائی گئی تیسری عالمی بدھسٹ کونسل (اشوک کے انیسویں سال جلوس)

ہی میں کشمیری بودھ (دراصل یہ کشمیری بودھ، دل سے ہندو تھے) جو سیدھے سادے بدھ مت کا مقابلہ تو کھل کر نہ کرسکے تھے پھر وہ نقلی بودھ بن کر اس میں ہندو دھرم کو شامل کر گئے اور وہی کام انجام دیا جو پالؔ نے عیسائیت کو مسخ کر کے کیا۔ انہوں نے بدھ مت کی باطل اور بت پرستانہ تاویل کرکے اس کی اصلی تعلیمات میں رخنہ ڈال کر اُن سے انحراف کی کوششیں شروع کیں تھیں جس میں وہ مہاراجہ اشوک اعظم کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوسکے مگر بودھ مت اُن کی رخنہ اندازی اور تحریف کی کوششوں کی وجہ سے بعد میں مہاراجہ کنشک کے عہد حکومت میں کشمیر میں بلائی گئی بودھ عالموں کی چوتھی عالمی کونسل میں بت پرستی، شخص پرستی اور ویدانتی بھول بھلیاں میں گمشدگی پر منتج ہوگیا۔ مہاتما گوتم بدھ نے برہمنوں کے قائم کردہ ذات پات اور نسلی برتری کے چنگیائی فلسفہ کے خلاف ایک انقلابی آواز اُٹھا کر کروڑوں لوگوں کو عارضی نجات کا راستہ تو دکھا دیا تھا۔ لیکن بدھ مت چونکہ بذات خود افراط وتفریط کا عجیب معجونِ مرکب تھا اس لئے مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ برہمنوں نے روایتی مکاری اور انکسارانہ چالاکی کے ساتھ خود مہاتما بدھ کی ذات کے ارد گرد اپنی لامتناہی دیومالا کا جال بن کر اُسے ایک طلسماتی جنتر منتر میں مقیّد کرلیا۔ پھر بتدریج برہمنیت کے حیران کن سَراب میں گم کردیا۔ اسی سَراب میں گم گشتہ بدھ مت (مہایانا) کے مفروضوں پر کشمیری برہمنوں نے کشمیری شیومت کی بنیاد رکھی۔ جو حقیقت میں ذہنی مشق کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اس میں خالق کائنات کی یکتائی کا تصور تو تھا، لیکن برہمن اسے عملی طور پر کبھی بھی نہیں اپنا سکے۔ اسی لئے اس کا کوئی مثبت اثر عام لوگوں پر نہیں پڑا۔ اور آخر میں یہ اور دیگر ایسے ہی تصورات، اسلامی انقلاب کے آگے خس وخاشاک کا ڈھیر ثابت ہوگئے۔

حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ اور اُن کے رفقاء سادات نے کشمیر میں روحانی قدروں کو اُجاگر کیا، اسلام کو انسان کی مجموعی زندگی پر مکمل طور پر حاوی کرنے کیلئے انہوں نے اسلام کے بنیادی عقاید اور خصوصی تعلیمات کی مؤثر انداز میں ہمہ گیر پیمانے پر اپنی مخلصانہ اور مجاہدانہ کوششیں جاری رکھیں۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا، اس دور کے کشمیری ادیب اِن تعلیمات سے بے حد متاثر ہوئے اور ہمیں اُن کے کلام میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کی بھرپور ترجمانی

ملتی ہے۔ ادیب اور شعراء اب اسلام کے نقیب بن گئے۔ شیخ نورالدین نورانیؒ سے پہلے لل دید نے اس کا بیڑا اُٹھایا، چونکہ وہ اپنی عمر کی آخری حد عبور کر رہی تھیں، اس لئے وہ مکمل طور پر اسے عوام کے سامنے پیش نہیں کر سکیں، لیکن حضرت شیخ اور اُن کے خلفاء نے اسلام کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ ادب کو ہی بنالیا، حضرت شیخ کو حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے کبروی سلسلہ تصوف میں داخل کر کے کشمیر میں اپنا مجاز خلیفہ بنایا۔ اسی لئے وہ بموجب حکم وادی کے کونے کونے میں تبلیغ کے سلسلے میں پہنچے۔ اسلام کے سارے بنیادی اعتقادات اور خصوصی تعلیمات کی ترجمانی اس دور کے کشمیری ادب خصوصاً شاعری میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔

توحید[۱]:

توحید بہ ہمہ وجوہ اور خصوصاً دینی اعتبار سے مسلم ثقافت کی بنیاد ہے۔ توحید اللہ کے محض ایک ہونے کا نام نہیں ہے۔ اس کا مفہوم ایک کرنا بھی ہے۔ یعنی تمام انسانوں کو ہر قسم کے اختلافات سے ہٹا کر صرف ایک اللہ کی طرف لگانا تاکہ وہ ایک اللہ کی بندگی کے ساتھ ساتھ ایک ہی خاندان کے افراد کی طرح بن جائیں۔ اسلام کے تصوّرِ توحید میں کہیں، اور، کوئی بھی پیچیدگی نہیں ہے۔ توحید کا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہی عزیز ومقتدر ہے اور ہر چیز پر قادر بھی وہی ہے۔ مالک ومختار، خالق ورب العالمین اور مالک الملک بھی وہی ہے توحید میں خدا کی ذات اور اس کی صفات پر ایقان کے ساتھ ایمان لانا ضروری اور فرض بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قیوم، عالم، قادر، سمیع، بصیر اور علاّم ہے۔ توحید صرف نظریہ اور فلسفہ نہیں ہے بلکہ اس کا براہِ راست تعلق انسان کی زندگی سے ہے۔ جس میں توحید اہم رول ادا کرتا ہے۔ یہ بندہ اور رب کے درمیان ذاتی رشتہ قائم کرتا ہے۔ جس کے قائم ہونے کے بعد بندۂ ومولا کے درمیان کسی اور واسطہ کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ برہمن واد یا پاپائیت کی اسلام میں کوئی گنجائش اور مقام نہیں ہے۔ ساری "مخلوق عیال اللہ" ہے اس لئے یہاں نسب، رنگ، نسل، قوم، پیشہ کی بنیاد پر کوئی امتیاز اور تفریق جائز نہیں ہے۔

لل دید، انقلاب کی اوّلین نقیب:

حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ اور ان کے ساتھیوں نے خلوص اور للّٰہیت کے جذبہ سے

سرشار ہوکر توحید کے شجرِ طیّب کو کشمیر کی کفر و شرک آلودہ زمین میں نہ صرف مضبوطی کے ساتھ پیوست کیا بلکہ بارآور ہوتے ہوئے بھی پایا۔ انہوں نے توحید کی تعلیم کو عام کرنے میں انتھک کوششیں کیں۔ للؔ دیدؔ توحید کے انقلاب کی پہلی زبردست مقامی نقیب بن گئی۔ للؔ کو اسلام کی ضروری تعلیمات کا ابتدائی تعارف حضرت سید حسین سمنانیؒ سفیر حضرت امیر کبیرؒ کے ذریعہ حاصل ہوا تھا، جن کے ہاتھ پر سالار سنز نے (شیخ نورالدین علمدار کشمیر کے والد گرامی قدر) اسلام قبول کرلیا تھا۔ حضرت سمنانیؒ نے للؔ کو بت و اوتار واد، مظاہر پرستی، رہبانیت اور بے مقصد نفس کُشی کے اتھاہ دَلدل سے باہر نکالا اور اُسے اپنے نفس کی معرفت کے ذریعہ خالق حقیقی کے عرفان کے حصول کی راہ پر گامزن کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ للؔ اوتار واد اور مظاہر پرستی، بت پرستی اور رہبانیت سے بیزار اور تایب ہوگئی۔ للؔ نے میرے خیال میں اپنی اس انقلاب آفرین تبدیلی کا ذکر اپنے ایک شلوک میں اس طرح کیا ہے

گورن دوپنم کُنے وَژُن نیبرٕ دوپنم اندر اَژُن

سُے گوم للہٕ واکھ تہٕ وَژُن تَوَے ہیوٚتُم نَنگے نَژُن ۱۶۲ے

(مرشد نے مجھ پر یہ بات واضح کردی کہ ظاہر (یعنی مظاہر پرستی کو چھوڑ کر) باطن میں داخل ہوجا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو پہچان۔ یہی بات میرے لئے ہدایت کا باعث بن گئی، تب سے میں مست و مسرور ہوں) ''ننگے نَژُن'' کا مطلب ہے کہ مظاہر پرستی کے سب لبادے ترک کرکے خوشی اور مسرت سے جھوم اُٹھنا، کیونکہ للؔ نے اب حقیقت کا راز پالیا تھا۔ یعنی مَن عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ کا عرفان اُسے اب حاصل ہوگیا۔

اسی طرح وہ اپنی اُن رائیگاں اور بے مقصد گم گشتگیوں کا ذکر کرکے کہتی ہیں کہ

پأنس ستی اوسکھ مے ژٕے مے ژٕ ژھاڑن لوٚستُم دوہ

جأنس منز ییلہِ ڈیُٹھکھ مے ژٕے مے ژٕنے تہٕ پأنس دِتم ژھوہ ۱۶۳ے

(تو تو میرے حریم دِل میں تھا، لیکن (عرفان نہ ہونے کی وجہ سے) اور مظاہر پرستی میں پھنس کر) اِدھر اُدھر تمہیں ڈھونڈتے ہوئے میرا دن غروب ہوگیا (یعنی عمر بیت گئی) جب میں نے تمہیں اپنے دل میں جلوہ گر پایا تب سے میں خوشی اور مسرت سے تمہارے ہی ساتھ

سیر باطن میں مشغول ہوں)

اپنی اس عالیشان تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے للؔ اس شلوک میں ''کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فی شان'' کی تفسیر بیان کرتی ہے:

ژِیتھ نوٚوے ژِنتن نوٚوے زَلہٕ مَے سوٚدُر نوٚوم نوٚو

یَنہٕ للہٕ آگرٕ مے مَن نوٚوے تَنہٕ لل بوٚچھس نوٚوم نوٚو ۱۶۴ے

ترجمہ: ژِیتھ۔چت = ضمیر، دل، ژِنتن = چنتن = خیال، فکر، سوچ زلہٕ مَے جل مَے، پُر آب، (شلوک میں دوسرا چت (یعنی علم اور ہوشیاری) لفظ نہیں ہے)

دل ہر لحظہ نیا ہے اور ہر لحظہ خیال، فکر اور ادراک بھی نیا ہے۔ پُرآب سمندر (کا بہتا ہوا پانی) بھی ہر لمحہ نیا ہی نیا ہے۔ جب اے للؔ منبع عرفان پر میں نے اپنے من (دل) کو نہایا (غرق کیا) تب سے میں ہر لمحہ نئی ہی نئی ہوں ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلّی۔ اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے۔

اسلامی عقیدۂ توحید نے انسان کی مجموعی زندگی میں عظیم انقلاب پیدا کیا، جس کی بنیاد پر ایک مثالی سماج کی تعمیر ممکن ہوسکی، جو انسان کے اپنے بنائے ہوئے فلسفوں اور نظریوں کے مطابق ناممکن تھا۔ للؔ نے اپنی ابتدائی اور بڑھاپے کی زندگی کا اکثر حصہ ایک ایسے سماج میں گذارا تھا، جہاں ذات پات، اونچ نیچ، اور پست اور بالا سماج واد کا بول بالا تھا۔ تُرکا فلسفہ ذہنی مشق، خیال اور یوٹوپیائی تصور کے بغیر علمی طور پر کچھ بھی ثابت نہیں ہوا تھا۔ للؔ کو تو بہت پہلے اس کا روحانی مشاہدہ ہوا تھا کہ ترؔ کا فلسفہ صرف ایک خوش کن نظریہ ہے جس کا عمل، انسان کے روحانی ارتقاء اور واقعاتی دُنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی بنیادوں پر کوئی انسانی معاشرہ تعمیر کیا جاسکتا، مولانا رومیؒ نے تو فلسفیوں کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے

پائے استدلالیاں چوبیں بود سخت چوبیں بلکہ بے تمکیں بود ۱۶۵ے

ترکا فلسفہ کو رد اور ترک کرنے کے سلسلے میں للؔ کا یہ شلوک تو چونکا دینے والا ہے

اومکار ییلہِ لَیہ اوٚنم وہِ کوٚرُم پَنُن پان!

شے ووت ترٲوِتھ سَتہِ مارگ روٚٹُم ییلہِ للؔ وٲژس پرٛکاشہ ستھان ۱۶۶ے

(جب میں نے ماسوا سے کٹ کر ایک ہی خدا کو اپنایا تو میں نے اپنے آپ کو اُسی کی مرضی کے حوالہ کیا، اپنے آپ کو اسی کی رضا پر ڈھالا، چھ راستے ترک کر کے میں نے حق اور حقیقت کا راستہ (صراط المستقیم) اپنایا، جب ہی میں لَل عالم انوار میں پہنچ گئی۔

"چھ طرفوں والا رستہ" سے مطلب پریشان کرنے والے فلسفے بھی ہو سکتے ہیں اگر ہندو عالم کہتے ہیں کہ یہ ترُ کا شاستر کے شڈادھو ہیں اور وہ یہ ہیں وَرَن، منتر، پَد، کلا، تتو اور بھوَن انہیں آتو وپاے کے چھے راستے بھی کہتے ہیں۔

اسلام نے عملاً ذات پات اور اونچ نیچ کے بغیر ایک مثالی سماج قائم کیا۔ جس کی بنیاد توحید پر تھی۔ توحید کے مطابق اللہ کا سب سے پیارا بندہ وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو (انَّ اَکرَمَکُمْ عِندَ اللّٰہِ اَتقَاکُم) لَل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ لَل کے ان شلوکوں کو دیکھئے۔ اِن میں اسلامی عقیدۂ توحید صاف اور نمایاں طور پر جلوہ گر ہے

لتَن ہُند ماز لاریوم وَتَن ... کُنی ہأوُنم گُنزِچ وتھ
یَم یَم بوزن تم کونہٕ مَتَن ... لَلِہ بۆز شتَن کُنی کتھ ۱۶۷

(تلاشِ ذاتِ یکتا میں میرے پاؤں کے تلوؤں کا گوشت چلتے چلتے راستوں کی نذر ہو گیا۔ آخر "ایک" (اللہ) نے میری رہنمائی کی اور "وحدت" کا راستہ دکھایا، جو، جو اِسے سمجھ پائیں گے، وہ دیوانہ وار مچل جائیں گے (کہ) لَل نے "سو باتوں" کے بدلے صرف "ایک" ہی بات سمجھ لی یعنی اللہ صرف ایک ہی ہے)

دوسری جگہ لَل دید توحید کی وضاحت یوں کرتی ہے:

اَتھِ تزٲوِتھ نَتھِ اے سۆرکھ ... تیلہ نۆمۆڈو مرکھ زاہ
آگُرے رَٹکھ سارِ سارِ ترکھ ... اِدکو مۆڈو پھٹکھ زاہ ۱۶۸

(اگر تم بے شمار خداؤں کو چھوڑ کر ایک ہی (خدا) کو پا لیتے اور سمجھتے، پھر اے نادان تم نہیں مرتے، یعنی جاوِداں ہو جاتے)۔ اگر تم منبع کو پکڑ لیتے تو پھر تم ساری حقیقت جان سکتے اور کبھی بھی (دریاؤں، ندی، نالوں جھیلوں یعنی خداؤں کی کثرت میں) نہیں ڈوبتے)

اس شلوک میں لَل توحید کی اہمیت اس طرح بیان کرتی ہے۔

کیاہ کَرِ پانژن دہَن تہٕ کُہن ... وۆکشنِ لیٖجِہ یَم کَرِتھ گیٖے
ساری سَمہٕ ہَن "اَکِس" رَزِلِمہٕ ہَن ... تیلہِ ماراوِ ہبکھ کُہن گاو ۱۶۹

(میں پانچ، دس، اور گیارہ (مطلب لاتعداد خداؤں کو) کیا کروں گی، جو انسان کیلئے (ہدایت کی) ہانڈی نہیں پکا سکیں گے اگر سب لوگ مل کر "ایک" ہی رسی (حبل اللہ) کو تھام لیتے تو پھر اس طرح آوارہ گردی اور گمراہی میں سرگردان نہیں ہو جاتے)۔ وَاَعتِصُمو بحبل اللّٰہِ جَمِیعًا وَلَاتَفَرَّقُو کی تفسیر ہے۔ شیخ نورالدین نورانی نے توحید کا تو ہر جگہ ڈنکا بجایا اور ان کے بعد تمام صوفی شعراء جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ مئے توحید سے بقدر ظرف سرشار و سیراب ہو گئے۔

لَل دید کثرتِ اِلٰہ کے عقیدہ کو رد کرتے ہوئے ایک اور شلوک میں اپنے دل میں ہوئی تبدیلی کا اس طرح اعتراف کرتی ہے

مِتھیا کپٹ اَستِیہ ترووُم ... مَنَس کۆرُم سُے وۄپدیش!
زَنَس اندر کیوَل زوُنم ... اَنَس کھنَبس کُس چھُم دِویش ۱۷۰

(میں نے جھوٹ، فریب اور باطل (دروغ) کو ترک کیا، اور اپنے من کو اسی نصیحت کا پابند بنایا۔ ساری مخلوق (پیدائش۔ اصلی لفظ جَنَن ہے) میں، میں نے اُسے یکتا اور واحد مطلق پایا (یا ساری مخلوق میں، میں نے صرف اسی کو جلوہ گر پایا) فاقہ کشی سے اب میں نفرت کرتی ہوں، اِس سے کچھ نہیں ملتا ہے)۔

بت پرستی کی مخالفت:

نظریۂ توحید پر مبنی جب ایک ایسے سماج کا قیام عمل میں آیا جس میں نہ ذات پات کے بندھن تھے، نہ پیدائش اور نسل کی بناء پر اونچ نیچ کا کوئی امتیاز تھا۔ نہ برہمنوں کی اجارہ داری اور ٹھیکیداری اس نئے سماج میں موجود تھی اور نہ ہی ہزاروں خداؤں کی خوشنودی کے حصول کیلئے رسوم و رواج کی جکڑ بندیاں تھیں، اس نظریۂ توحید کی عملی اشاعت سے بت پرستی، اور شخص پرستی کو دھچکا لگا۔ اسلامی نظریۂ توحید کے انقلاب آفرین پیغام سے لَل دید شدت کے ساتھ خصوصی طور پر متاثر ہو گئی۔ لَل نے حضرت میر سیّد علی ہمدانی سے براہِ راست فیضیابی کے بعد

بت پرستی کے خلاف زبردست مہم شروع کی، اس طرح اُس نے اسلام کے بنیادی نظریات، وحدت الٰہہ، وحدت آدم اور ذاتی تقویٰ کی بنیاد پر اللہ سے براہ راست تعلق، برہمن واد جیسے مذہبی درمیانداری کے نظام کی عدم موجودگی کے عقیدوں کی عملی ترویج میں زبردست اور بے انتہا اہم کمک اور مدد بہم پہنچائی۔ آج کل کے کشمیری ہندو اپنے اسلاف کی طرح حق بات قبولنے میں بہت تنگ ظرف اور ہٹ دھرم واقع ہوئے ہیں۔ وہ لل پر حضرت امیر کبیرؒ کے اثر کو یا تو یکسر نظرانداز کرتے ہیں، یا اِسے غلط اور پُر فریب طریقے پر سرسری ذکر کے بعد گول کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ میر سیّد علی ہمدانیؒ نے ہی لل سے بہت فیض پایا۔ لل نے تزکیۂ باطن اور ایک اللہ کی عبادت پر زور دیتے ہوئے نہایت شدت کے ساتھ بت پرستی کی مخالفت کی، اس کا اندازہ اُس کے اُس دور کے کلام سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

دیوِ وٹا ، دِوُر وٹا پٹھ یون چھے یکہِ واٹھ
پۄزِگس کرکھ ہوٹِہ بٹا کرمَنس تہِ پَونس سنگاٹھ ۱لا

(دیوتا کی مورتی اور سنگلاخ چٹان ایک جیسی ہیں۔ دونوں بالکل پتھر ہیں، اے ہٹ دھرم ہندو! تو کس کی پوجا کر رہا ہے۔ جا اپنے دل کو مراقبۂ الٰہی کا ہمدم بنا، یعنی عرفانِ نفس حاصل کرلے (مَنْ عَرَفَ نفسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ)

لل دید نے اسلامی ثقافتی اور سماجی انقلاب کے تحت عقیدۂ توحید کی بنیاد پر ایک سماج کو عملاً تعمیر ہوتے دیکھا، وہ اس کے اثر کے تحت ذات پات، نسلی امتیاز برہمن واد، بت اور پروہت پرستی جیسے فاسد عقیدوں کی زبردست مخالف بن گئی اسلام کی رحمتیں اور راحتیں محسوس اور مشاہدہ کر کے لل نے اعلان کیا کہ "وہ وقت قریب آرہا ہے جب بارش (اسلام) کی پھواریں برسیں گی اور گرد وغبار (کفر وشرک) دور ہو جائے گا۔ جب گوشت کے قاب (علم و عرفان) اور شراب (معرفت ذاتِ صمدی) کے جام برسیں گے اور سب لوگ (اونچ نیچ) اور ذات پات کے بغیر) مل کر لُنڈھائیں گے"۲لا

لل پہلے بار بار یہ کہتی تھی کہ شِو کا پانا بہت مشکل ہے مثلاً "شِو چھے کڑ وٹھ تہِ ژین وو پدیش" (شِو کا پانا تو بہت دشوار ہے اس بات کو بخوبی جان لے) لیکن اب لل اعلان کرتی ہے ؎

گوِ چھکھ دِوان اَنِنہٖ بُڑھہ ژُکھ اَے چھکھ تہِ اَندرِ ے اَژھ
شِو چھے اُتی نہِ گُن مو گڑھ سہز کتھہِ میانہِ کرتو پڑھ ۳لا

(اندھے کی طرح کیوں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہو، اگر دانا ہو تو (اُسے) اپنے من میں ڈھونڈ یعنی اپنے باطن میں داخل ہو کے سیر کر۔ شِو (رَب) تو اسی جگہ ہے، تم اِسے تلاش کرنے کسی اور جگہ مت جا، میری سچی بات پر یقین رکھ)

دوسرے شلوک میں لل برہمن واد پر چوٹ کرتے ہوئے کہتی ہے، کہ

لل بو درایس لولہ رے ژھاڑن لوسُتم دہن کیوراتھ
وُچھم پنڈت پننے گرے سُے مےٚ روٗٹمس نچھترتہِ ساتھ ۴لا

(سرمستی جذبہ عشق ومحبت کے ساتھ میں تلاش حق میں رات دن سرگردان رہی، آخرکار میں نے دیکھا کہ پنڈت (عالمِ حقیقی) میرے اپنے ہی گھر (دل) میں موجود ہے یہی وقت میرے لئے سعید تھا (یہ جو ظاہری پنڈت ہیں جنہیں لل "اوبتاٗرٕ" یا "بے شعور" کہتی ہے، یہ طوطے کی رٹ لگانے میں ماہر تو ہیں، لیکن راہ نُما نہیں ہو سکتے ہیں) لل نے ان کی بے مائیگی جان کر ہی، اپنے نفس کو پہچاننے کی تعلیم حاصل کرلی۔ لل نے اپنے من میں ڈوب کر حقیقی زندگی کا سراغ پایا۔

مورتی پوجا اور اس کے تمام لوازمات کو خرافات جانتے ہوئے لل نے اپنے اس شلوک میں اپنا مشاہدہ یوں بیان کیا ہے ؎

شیلایہ ہنزٕ ووتمابُژٕم سوٗمُرم ٹیوٗک، پوش، آسن پٹھ
مَنس اندر وبژار کوٗرُم وُچھُم تہِ ڈیوٗٹھُم گنہِ وٹھ ۵لا

(میں نے پوجا کیلئے پتھر کی مورتی آراستہ کی۔ اس پر سیندور کا ٹیکا لگایا اور پھول چڑھائے اور اس کی جائے قرار صاف ستھری کردی، لیکن جب میں نے اپنے من میں غور وفکر کیا، تو مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ مورتی صرف ایک بے جان پتھر ہے)

لل اس بات کا اعتراف برملا کرتی ہے کہ اُس نے تلاش حق میں فلسفوں اور مظاہر پرستیوں میں الجھ کر بہت قیمتی وقت گنوایا، اس نے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر ان تمام ''آفلین'' کو آزمایا تھا اور حق کے قریب پہنچنے کی سعی میں مشغول تھی کہ اُسے پہلے سیّد حسین سمنانیؒ اور بعد میں حضرت امیر کبیرؒ سے براہ راست فیضیابی کا وافر موقعہ بہم پہنچا لل کہتی ہے

ژھونڈ مکھ بوَنہٕ تہٕ بیٚہٕ ژون دِژَن　　نیب تہٕ نشانہٕ لوّب مے نہٕ گُنِے
تی بِہ پرٛژُھم سادن تہٕ ربٕشن　　تم لگی تہ بۄزتھ وَدنہ تہٕ رِنے
دب یلہِ دِتُم فِکرَن تہٕ اندیشن　　بِہ ژٕے لوّب مکھ پئنے گرے ۱۷۶

(میں نے تمہیں تیرتھوں اور چاروں طرفوں میں تلاش کیا، لیکن تمہارا پتہ کہیں نہیں پایا، یہی بات میں نے سدھوں اور ریشیوں سے پوچھی، تو وہ رونے اور ماتم کرنے لگے (یعنی وہ جواب نہیں دے سکے) جب میں نے ان ''فکروں اور اندیشوں'' کو اپنے دامن سے جھاڑا تو اے رب! میں نے تمہیں اپنے من اور اپنی ہی روح میں بسا ہوا پایا)

لل برہمن اور پنڈت سے کہتی ہے کہ اِدھر اُدھر مت بھٹک، اپنے نفس کو پہچان پھر خالق کا عرفان حاصل کر سکو گے

کوَسم باغس بیۄت مے اَژُن　　پژِری یے من تہٕ اَژُن پژاو
سورۄپ درشُن چھۄ توٗتے اَژُن　　کوٗت چھۄ، گوٗھن پکُن تژاوے ۱۷۷

(میں نے اپنے دل اور روح کے باغ کی سیر شروع کی ہے، تم اگر چاہو گے تو تم بھی اس میں شامل ہو جاؤ ذاتِ حق کا اصلی درشن تو اسی میں داخل ہونے سے ملتا ہے، اِدھر اُدھر کس لئے بھٹکتے ہو، اب بھٹکنا چھوڑ دے)

اپنے نفس کا عرفان حاصل کرنے کے بعد لل پر ''عَبدہٗ'' کا بلند ترین مقام واضح ہو گیا

مُکرِس زن مل ژوٗلُم مَنَس　　اَدِ مے لُبُم زٕنَس زان
سُہ یلہِ ڈیۆٹھم نِشہِ پانَس　　سورُے سُے تہٕ بو نو کینہہ ۱۷۸

(آئینے کی طرح میرے من سے جب سب میل کچیل دور ہوا تو میں کائنات اور مخلوق کی تخلیق میں حکمت اور منشاء خداوندی سمجھ سکی، میں نے رب کو اَقرب مِن حبلِ الورید پایا، وُہی سب کچھ ہے، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں)

لل ویدی نے نہ صرف شرک، بت پرستی، اور ذات پات کی کھل کر مخالفت کی بلکہ اُس نے ہندو فلسفہ حیات پر مبنی دُنیا تیاگنے اور بن باس اختیار کرنے (یعنی ترک علایق و خلایق۔ رہبانیت) کی طنز آمیز مذمت کی ہے اور گھر بار اور عیال پالنے کو اہم کام قرار دیا ہے۔ وہ فاقہ کشی اور جسم کو اذیت دینے کے عمل کو مذموم قرار دیتی ہے۔ جو ہندو مت میں تپسّیا کے نام سے نیک اعمال گنے جاتے ہیں ؎

ترٛیشہِ بوچھہِ موکرٛیشہ ناون　　یانٛ ژھیٚپہٕ تانٛ سنداٗرن دِہہ
پھزٕ بٕڑ چون دھاٗرن تہٕ پاٗرن　　کروو پکاٗرن سوے چھیٚنے کرٛیٚنے ۱۷۹

(اپنے جسم کو پیاس اور بھوک کے مارے نہ تڑپاؤ، ضرورت کے وقت اپنے جسم کی حفاظت کا خیال رکھا۔ تمہاری فاقہ کشی اور تپسّیا قابل افسوس ہے۔ سب کے ساتھ بھلائی اور نیکی کر، یہی افضل کام ہے)

دوسری جگہ کہا ہے ؎

یُہ تیر ژلی تم اَمبر ہیٚنے با　　بوچھہِ یُہ گلی تم آہار اَن ۱۸۰

(کپڑے پہنو تا کہ تمہیں سردی نہ لگے، غذا کھاؤ تا کہ تمہاری بھوک مٹ جائے)

لل کے نزدیک ترک دُنیا (جسے بڑے بڑے سادھو اور سنت ہندو فلسفہ کے مطابق بہت بڑی عبادت تصوّر کرتے ہیں اور مشکل ترین کام جانتے ہیں) کو بہت حقیر اور آسان کام جاتی ہے۔ اس کے برعکس عیال پالنا، گھر بسانا اور دنیا میں رہتے ہوئے خدا کا بندہ ہونا، بہت بڑا کام ہے۔ یہ اگرچہ مشکل ہی ہے، لیکن افضل یہی ہے ؎

سمسار ہوملہِ یاریو جَنگُل　　لاری کیلم تہٕ بیٚہٕ بدبوے
گرِ گرُن ہوملہِ پٹھ پیون سنگُر　　نیرکھ ننگَر تہٕ دروغ گوے ۱۸۱

(دنیا کیل کے درختوں کا ایک بہت بڑا جنگل ہے (اگر اِس کا صحیح اور اعتدال پر مبنی استعمال عمل میں نہیں لایا جائے تو پھر) یہاں تمہیں کیلم (ایک قسم کا کالا مادہ جوان درختوں سے نکلتا ہے) اپنی غلیظ بدبو کے ساتھ چپک جائے گا (صحیح استعمال سے تو فائدہ ملے گا، غلط

استعمال سے نقصان اٹھانا پڑے گا)۔(اسی طرح) گھر بسانا پہاڑ کی چوٹی سے شیل کا نیچے لڑھک جانے کے برابر ہے(یعنی بہت بڑا مشکل کام ہے اگر صحیح اور جائز طریقے سے گھر نہیں بسایا گیا تو) تمہیں جلد ہی ناداری کا منہ دیکھنا پڑے گا اور تم جھوٹے اور بے اعتبار بن جاؤ گے۔

مطلب یہ کہ دنیا دار الحن ہے۔ دنیا میں رہ کے خدا کی بندگی انجام دینا سب سے بڑا کام ہے اس کے برعکس ترک دُنیا، رہبانیت اور بن باس لینا تو بہت آسان ہے۔ یہ تو زندگی سے اور خدا کی صحیح بندگی سے فرار ہے۔ اسی لئے اکثر مسلم صوفیاء کرام متاہل زندگی گذارتے تھے۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ ''بارِ عیال کارِ ابدال'' ہے۔

برہمن واد اور مُقدّس ویدوں میں حسب پسند تحریف کرنے پر وہ برہمنوں کی مذمّت کرتے ہوئے دانا لوگوں کو اُن سے دور رہنے کی تلقین کرتی ہے

برہمنہ! پَرِپَرِ بوزَنہٕ ، ژھٹمن؟ آگرے گھٹن ٹھنٕد وید ستَر
پُنّیِ سَن دِتھہ تھاوَن مٹن لوٗبھہ بوٗچھہِ بولن گیانکِر گیت ۱۸۲؎
اہنکارکر پھٹن تم کیاہ وَٹن ترُک اَے ملِہ چھکھ پرِ کڈٕ پَتھ

(اے برہمن! تم سمجھتے ہو کہ کسی غیر کے وید پڑھنے یا سننے سے وہ ناپاک ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) تم لوگوں کے توڑ مروڑ اور تحریف کئے ہوئے ویدوں کی ناپاکی سے سمندر بھی خشک ہو جائیں گے، تم ہی لوگ پٹن (قصبہ۔ سرینگر سے پچھم کی طرف ۱۷ میل) میں ڈاکہ ڈال کر چوری کا مال مٹن (قصبہ۔ سرینگر۔ اسلام آباد سے پہلگام جاتے ہوئے دچھن پوٗر کی طرف ۴۰ میل) لے جا کر چھپاتے ہو، تم تو دولت بٹورنے کی غرض اور لالچ سے گیان کے گیت گاتے ہو۔ اے پیارے! اگر تم دانا ہو تو ان کی مجلسوں سے اپنا پاؤں باہر ہی رکھ یہ مغرور اپنے غرور میں غرق ہو کے فنا ہو جائیں گے اور ان کے لئے تو صرف خسارہ ہی خسارہ ہے)

لل پنڈتوں اور برہمنوں کی مذہبی ٹھیکیداری اور درمیانہ داری کو رد کرتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ خدا اور بندے کے درمیان کسی ''ایجنٹ'' یا ''درمیانہ دار'' کی ضرورت نہیں

صاحب چھُ ہِتھ پانٕہ دکانس سأری چھِس منگن کینژھاہِ

روٗٹ نوکانٕسہِ ہُند راُچھنو وانٔس یہ ژینٕے گوٗھی تہٕ پانٕے نٕہہ ۱۸۵؎

(صاحب=خدا، دکان=دنیا کو دکان سے تشبیہ دی ہے۔ صاحب خود دکان پر بیٹھا ہے) اللہ نے کائنات کی دکان خود مالا مال کر کے سجائے رکھی ہے۔ سب اسی سے مانگتے ہیں (جو انہیں ضرورت ہے) مانگنے میں کوئی رُکاوٹ نہیں ہے نہ اُس کی دکان پر کوئی پہرہ دار، دربان یا حاجب ہے۔ جو تمہاری ضرورت ہے۔ خود لے لو۔ اللہ کے خزانوں (جس میں علم، معرفت، گیان کا خزانہ بھی شامل ہے) پر کسی کا پہرہ نہیں، نہ کوئی ان کا اجارہ دار ہے۔ نہ اللہ کے ہاں رسائی حاصل کرنے کے لئے کوئی ایجنٹ درکار ہے)

لل کے ہاں اسلامی عقاید کے بیان اور اُن کی تشریح کی کمی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ لل نے اسلامی تعلیمات کو بڑی سُرعت کے ساتھ اخذ اور جذب کر لیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ زیادہ وضاحت اور کھل کر ان تعلیمات کا بار بار ذکر نہیں ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ لل عمر کے آخری حصے میں اسلام اور اس کی تعلیمات سے متاثر ہوئی تھی، اس کے بعد وہ بہت کم عرصہ تک زندہ رہی۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

حدیث مبارکہ ہے کُلّ مَولُودٍ یُولِدُ علیٰ فِطرَۃِ الاِسلَامَ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ترجمانی لل یوں کرتی ہے ے

آئَس وَتےِ ، گیَس نہٕ وَتےِ سے منز سوتھے لوسُتم دوہ
وُچھم چندس تہٕ ہار نہٕ اَتےِ بے ناوِ تارس دِمہٕ کیا بوہ ۱۸۶؎

میں (قدرت کے مقرر کردہ) صحیح راستے سے آئی یعنی رب کی مقررہ فطرت پر پیدا ہوئی، لیکن میں صراطِ مستقیم پر نہیں چلی۔ دریا کے کنارے میرا سفر ابھی جاری ہے۔ (یعنی منزل پر نہیں پہنچی ہوں) کہ میرا دن غروب ہو گیا (عمر گذر گئی (جیب میں ٹٹولا تو وہاں دھیلا بھی نہیں (یعنی اعمال صالحہ کی پونجی ندارد ہے) افسوس! اب میں دریا سے پار اترنے کے لئے کیا دوں گی (یعنی زادِ سفر ہی نہیں ہے)

اسی طرح سے وہ آوا گون کے فلسفہ کی تردید کرتی ہے۔ کلیات لل دید کے مرتبین اسی شلوک کو آوا گون فلسفہ کی حمات میں پیش کرتے ہیں)

اَڑھبنہِ آے تہِ گوھن گوھے پکن گوھے دٔبن کیاو راتھ
یورَے آے تہِ توْرُ گوھُن گوھے کینہہ نَتہِ کینہہ نَتہِ کینہہ نتہ کیاتھ ۱۸۷

(اڑھبنہِ،ازل، گوھن ۔عدم) ہم ازل سے آئے اور عدم کو جانا ہے۔ یہ سلسلہ روز و شب چلتا رہے گا لیکن حقیقت میں، ہم خدا کی طرف سے آئے تھے اور اسی کی طرف ہمیں جانا چاہئے، لیکن افسوس ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔

'ازل اور ابدٗ لا حد، لا متناہی اور انسان کے حیطہٗ ادراک میں نہ آنے والے عالم ہیں۔ یہ سلسلہ رات دن جاری رہے گا۔ لل کہتی ہے کہ ''کہاں سے ہم آئے وہیں تو واپس جانا چاہئے تھا'' مطلب خدا کی طرف سے مگر ہم اس دربار کے قابل نہیں رہے اپنے اعمال سیۂ کی وجہ سے۔

اس شلوک میں لل نیک عمل پر زور دے کر کہتی ہے کہ انسان کو نیک اور صالح اعمال کی وجہ سے ہی نجات مل سکتی ہے۔ اس میں بار بار جنم کا کوئی ذکر نہیں ہے ؂

راجس بأج یِمی کرتل پأج سورگس بأج چھُ ، پتھ تے دان
سہزس بأی تیمی گورکتھ پأج پاپہ پوٗنی بأج چھُ ، پنہ نُے پان ۱۸۸

(جس نے تلوار سے کام لیا اس نے راج حاصل کیا، جو ریاضت اور سخاوت کرے گا جنت پاتا ہے۔ جس نے مرشد کے ارشاد پر عمل کیا وہ حقیقت سے آگاہ ہوا، لیکن حقیقت میں انسان کو صرف اپنے اعمال کی وجہ سے ہی جنت یا جہنم مل سکتی ہے۔ (انسان خود گناہ یا ثواب کماتا ہے)۔

دوسرے شلوک میں وہ اپنا تجربہ بیان کرتی ہے ؂

آلیس تہِ سیٚو ڈُے گوٗھہِ تہِ سیٚو ڈُے سیٚدِس ہوٚل مےٚ رکربم کیا
بوٚتس اُسس آگرے وِنوٚ ڈُے وٚیدِس تہِ وٚیندِس کربم کیا؟ ۱۸۹

(میں سیدھے راستہ سے آئی ہوں (فطرت اللہ پر پیدا ہوئی ہوں) اور سیدھا ہی راستہ اختیار کرتے ہوئے اس کے حضور واپس جاؤں گی۔ میری فطرت سیدھی ہے، کوئی ٹیڑھا یا کسی کی کج روی میری راست روی میں رکاوٹ نہیں بن سکتے ہیں۔ وہ (اللہ) ازل ہی میں

مجھے بخوبی جانتا ہے اور میں تو اس کی جانی پہچانی اور چاہی گئی (پسندیدہ) ہوں، وہ میرے ساتھ کیا (غلط سلوک) کرے گا؟

لل اس شلوک میں سیدھے آنے اور سیدھے جانے کا ذکر کرتی ہے۔ اس میں بار بار جنم لینے کا کوئی بھی خیال نہیں ہے۔ یہ دونوں شلوک آیہ کریمہ لَیْسَ لِلاِنسانِ اِلّا ماسَعیٰ کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ اسلام نہ افراط کا دین ہے نہ تفریط کا۔ یہ زندگی کے تمام معاملات میں ''اعتدال'' کی راہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی بناء پر اُمتِ مسلمہ کو ''اُمّتِ وسط'' کہا گیا ہے۔ نہ یہاں رہبانیت ہے نہ دُنیا پرستی، اسلام کے برعکس دیگر اکثر مذاہب بے انتہا افراط و تفریط کے شکار ہیں۔ اسی لئے اُن مذاہب میں عجیب وغریب فلسفے پیدا ہو گئے جو نہایت ہی پُر پیچ اور چیستاں ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل ہیں۔ لل دید ، ظاہر ہے، کہ اسلام کے دین فطرت ہونے کی وجہ سے ہی ''اعتدال کی راہ'' پر آ گئی اور وہ اپنی شاعری کے ذریعہ اعتدال پر چلنے کا پرچار کرتی ہے ؂

زَئنم پڑاُوِتھ وِبھو ژھوڑُم لوٗبن کرٗودن بُرم پڑے
سوٗمُے آہار سبٹھاہ زونُم ژولم دوکھ دود ، پوٗلم دَے ۱۹۰

(دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد میں نے اُسی کو ڈھونڈا جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، میں نے اعتدال (کھانے پینے میں...... یا پوری زندگی میں) کو ہی کافی جانا۔ اسی سے میرے دُکھ درد دور ہوئے اور صرف اُسی (خدا) کی عبادت کی)

لل دوسرے شلوک میں افراط و تفریط کی مذمت اس طرح کرتی ہے اور اعتدال پر چلنے کے فائدوں سے آگاہ کرتی ہے ؂

کھینہِ کھینہِ کراں کُن نو واتکھ نہ کھینہِ گڑھکھ اہنکأرُ
سوٗمُے کھےٚ مأِلہ سوٗمُے آسکھ سوٗم کھینہِ مُژَرنے برنبن تأرُ ۱۹۱

(پَے بہ پَے (حیوانوں کی طرح) خورد و نوش سے تم ترقی (روحانی) حاصل نہیں کر سکو گے (یعنی تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا) اور اگر تم فاقوں اور برتوں کے ذریعہ روحانی ترقی حاصل کرنا چاہتے ہو تو یہ تمہیں کبر و نخوت میں مبتلا کریں گے۔ اعتدال سے کھاؤ اور پیو، تمہاری

زندگی متوازن اور معتدل بن جائے گی، اعتدال پر چلنے سے تمہارے لئے (ترقی کے) بند دروازوں کو کھول دیا جائے گا۔

لل کے ہاں قیامت کا واضح تصوّر موجود ہے۔ جو سراسر اسلامی عقیدہ پر مبنی ہے۔ اس میں بھی آواگمن کے فلسفہ یا عقیدہ کی تردید موجود ہے

اَتھِہ مَبا تراوُن خربا لَوکہٕ ہُنٛد کونگہٕ ڈار کھیٚیی
تِتہٕ گُس باداری تھربا یِیٚتہٕ تُس کرتل پیٚیی ۱۹۲

(اپنے نفس کے گدھے پر اپنی گرفت کبھی ڈھیلی نہ کرنا، وہ کسی دوسرے کا زعفران کا کھیت چٹ کر جائے گا۔ وہاں (محشر میں۔ قیامت کے دن) تمہاری حمایت کون کرے گا جہاں تم بے سروسامان ہوگے (اعمال صالح کے بغیر) اور تم پر (انصاف) کی تلوار چلے گی)

اسلامی تصوّرِ قیامت پر عقیدہ رکھتے ہوئے عذاب قبر سے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کے طریقہ تدفین کا ذکر کرتی ہے، جب وہ مردے کو قبر میں داہنی کروٹ رکھتے ہیں

دِلُک کھُرٕ کھُرٕ ژلِم مَنٛکہ کوتر مرے یِیلہٕ پانہٕ میانیو، کڈِتھ نِنَے پنہ گرے
پَتہ پَتہ لؤکھ نیرِنے نَرِ آلوان ترٛاوِتھ یِنَے منزماوانس ساوِتھ دٕچھِنہ لرے ۱۹۳

(دل کی پریشانی اپنی روح کے ڈربے سے آزاد ہونے کے بعد ختم ہو جائے گی۔ جب اے میرے وجود تمہیں گھر سے نکال کرلیں گے، تمہارے پیچھے پیچھے لوگ محبت جتاتے ہوئے آئیں گے۔ لیکن وہ تمہیں قبرستان میں (قبر میں) داہنی کروٹ سلا کے ہی واپس لوٹیں گے)

اسلامی تصوّف نے لل پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ حقیقت میں لل، تصوّف کے ذریعہ سے ہی اسلامی تعلیمات سے آگاہ اور متاثر ہوئی۔ اسلامی تصوّف عمل پر زور دیتا ہے عمل ہی سے زندگی جنت بھی بنتی ہے اور جہنم بھی۔ انسان نہ مجبورِ محض ہے اور نہ ہی قادرِ مطلق۔ نتائج اور خواتیم کے لحاظ سے وہ مجبور تو ہے، ہی کسی حد تک، لیکن سعی وکوشش کے لحاظ سے وہ قادر تو ضرور ہے۔ لل نے اپنے اس شلوک میں ''مُوتُو قَبْلَ اَنْ تَمُوتُو'' کی تشریح بھی کی ہے اور شرک کی

مذمّت بھی وغیرہ ؎

پانَے واسکھ ۱ تہٕ پانہٕ مالہ واسکھ ۲ پانس نِشہ لبھ نہٕ سُہ دور
زِندَے مُرِکھ تہٕ تمہ زندگی لَبھ اوچوٗن دِئے معرفتُک سوٗدور ۱۹۴
دُیی یوٗد کا سَکھ تُمی سُند آسکھ سُہ چھے اِنَّ علیمٌ بِذاتِ الصَدُور

(اگر تم چاہو گے تو تم خود جان لو گے کہ وہ (خدا) تم سے دور نہیں ہے۔ اگر تم زندہ (یعنی اللہ کا بندہ بنتے ہوئے) مرو گے تو تم حیاتِ جاودانی پاؤ گے، پھر تمہیں معرفت کا سمندر پلایا جائے گا اگر اپنے دل سے شرک (دوئی) دور کرو گے تو تم اُسی کا بن جاؤ گے، وہ تو حقیقتاً سینوں کا حال جاننے والا ہے)

(۱) واسنا = خواہش کرنا (۲) واسنا = علم، جاننا

لل کے کلام میں ہمیں وہ تسلیم ورضا، کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے نظر آتی ہے۔ وہ وحدت الوجود پر یقین رکھتی ہے لیکن اس میں وہ شرک کی حد تک غلو نہیں کرتی ہے۔ وہ صحو کی تعلیم پر عمل پیرا ہے اور سکر سے مغلوب نہیں ہے، اُسے اپنی بندگی، کم مائیگی، انکساری کے ساتھ ساتھ رب کے معبود اور قادر مطلق ہونے کا جیتا جاگتا احساس اور یقین بھی ہے۔ تصوّف میں ''پاسِ انفاس'' کا ایک مخصوص عمل ہے۔ لل قرآنی آیات کی مدد سے اس کی اہمیت یوں بیان کرتی ہے

نفس دِتی ہے اورے میٛنتھ گوٚہ کھے ژینتھ کرکھ نہٕ فوت
دَم دیؤ ہَس لعل زن زینتھ نتہٕ چھے کُلُّ نَفْسٍ ذایقَۃُ الموت ۱۹۵

(نفس (سانس) تو وہیں (خدا کے ہاں) سے تمہیں گن کے عطا ہوئے ہیں، اگر تم ان کی اہمیت جان لو گے تو تم کوئی سانس ضایع (یا فوت) نہ کرو گے۔ اپنی سانسوں کے سمندر میں ڈبکی لگا کر حق (اللہ) کو پانے کی سعی کرو، تم (کامیابی) کے لعل حاصل کرو گے۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہیں ہر نفس فنا ہونا پڑے گا (تمہارا ہر نفس فنا کے گھاٹ اُتر جائے گا)

آیہ کریمہ کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، لیکن لل نے نفس کو سانس کے مطلب میں استعمال کیا ہے، صوفی لوگ سانس کو بہت اہم جانتے ہیں اگر کوئی سانس ذکر الٰہی کے بغیر گذر جائے وہ ضایع ہو گیا اس کا حساب لیا جائے گا۔

تصوّف میں صبر کی اہمیت بہت ہے اور اس کی عظمت بھی مُسلَّم ہے۔ تسلیم و رضا کی راہ میں صبر ہی زادِ سفر ہے۔ اس میں ہزاروں تلخیاں سہنا پڑتی ہیں، لیکن اس کا انعام نہایت ہی لذیذ ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ "صبر تلخ است ولیکن بَرِ شیرین دارد" حدیث مبارکہ ہے "اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الفَرج" صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ لل دید نے اپنی زبان میں اس حدیث مبارکہ کی تشریح یوں کی ہے۔

صبر چھُ زیور مَرِژ بتہٕ نُونہٕ   کھیٚنہٕ چھُ ٹیوٗٹھ بتہٕ کھیٚیِس کُس
صبر ہا مالہِ چھے سونہٕ سُنٛد دُورِے   مولہٕ چھے تھوٚدتے ہیٚنہٕ ییٚس کُس ۱۹۶

(صبر تو زیرہ، کالی مرچ اور نمک (کے مانند) ہے، کھانے میں بہت کڑوا ہے، اِسے کون کھائے گا۔ یعنی صبر کون برداشت کرے گا۔ لیکن صبر تو سونے کا جھمکا ہے، اس کی قیمت تو بہت اونچی ہے، اِسے کون خریدے گا۔ یعنی برداشت کرنے والے ہی اسے حاصل کر سکیں گے)

لل دید پر اسلامی تعلیمات اور عقاید کے اثرات کی وضاحت کی بحث کو سمیٹتے ہوئے میں لل کے اس اہم شلوک کو اپنی بحث کی تائید اور ثبوت کے طور پر پیش کروں گا، جس میں لل نے کلمہ شریف پر اپنے ایمان اور ایقان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ "اسی کلمہ مُقدّس کی برکت سے میں ترقی کی اعلیٰ منزلوں تک پہنچ گئی ہوں"

کُھِے پوٗرُم کُھِے سوٗرُم کُھِے ہیٚوٗم پَنُن پان
کُھِے ہَنہِ ہَنہِ موٗین توٗرُم تَوٕ لل واتِس لامکان ۱۹۷

(میں نے کلمہ شریف ہی کو پڑھا اور اُسے اپنا ساتھی بنایا، کلمہ شریف کے سمندر میں، میں مستغرق ہوئی۔ اس طرح کلمہ میں روئیں روئیں میں جذب ہو گیا، اس کے بعد ہی لل لامکان پہنچ سکی)

لل دید حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ، ان کے سفیر سیّد حسین سمنانیؒ اور دیگر سادات سے مسلسل فیضیاب ہوتی رہی۔ اسلامی تعلیمات، عقاید اور تصوّف کا اُس پر گہرا اور مثبت اثر پڑا۔ یہ اَثر اس کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ وہ کشمیری زبان کی پہلی باقاعدہ اہم

شاعرہ ہونے کے علاوہ اہم ترین صوفی بھی تھی۔ وہ ہندو گھر میں پیدا ہوئی تھی، اُسی ماحول میں پروان چڑھی، لیکن تلاشِ حق نے اُسے حضرت سیّد علی ہمدانیؒ کے پاس پہنچایا، اُس نے اُن سے بے انتہا فیض حاصل کیا۔ اسی لئے اس کے کلام سے وضاحت کے ساتھ مثالیں پیش کی گئیں۔ اس سے اسلامی ثقافتی انقلاب کی ہمہ گیریت اور گہرے اثرات پر منتج ہونے کی وافر اور اطمینان بخش شہادت ملتی ہے۔

نوٹ:

لل دید کے مسلمان ہونے میں ایک زندہ ثبوت اس کی قبر ہے جو قصبہ بجبہارا کشمیر (ضلع اسلام آباد) میں موجود جامع مسجد کے شمالی دروازے سے ملحق سردخانے (غسل اور وضو خانے) کے آخر پر بائیں طرف اور حضرت سیّد محمد قریشیؒ کے مقبرے کے درمیان، لل کی وفات سے آج تک موجود ہے۔ اس حقیقت کو جھٹلانے کیلئے قصے کہانیاں گڑھی گئیں۔ جیسے کہ بھگت کبیر کے بارے میں بنائی گئی ہیں لل دید کے یہاں دفن ہونے کی تصدیق کتب تواریخ کے علاوہ بہت سے روحانی بزرگوں نے کی ہے جن میں محترمہ زُون دیدیؒ (مرحومہ) ساکن گنڈر (پلوامہ) محترم مرحوم گل محمد ریشی صاحب ساکنہ منڈہول (ویٖنُو) اسلام آباد کشمیر، مرحوم محترم فقیر عَبدُ السَّلام گنائی (کاکہ پورہ پلوامہ) مرحوم، محترم فقیر محمد احسن شاہ صاحبؒ (سابق پرنسپل جونیر کالج) ساکن پامپور۔ کشمیر وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

اسکے علاوہ حضرت شیخ العالمؒ نے لل کی وفات پر جو مرثیہ کہا وہ بھی ایک زندہ ثبوت ہے۔ لل کے مسلمان ہونے پر، حضرت شیخ اس مرثیہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ اُسے بھی لل کا سا درجہ اور عرفان حاصل ہو جائے۔ ایک مسلمان اور وہ بھی حضرت شیخ العالمؒ جیسا برگزیدہ روحانی بزرگ کا یہ دُعا مانگنا اس لئے اہم ہے کہ اگر لل ہندو ہوتی، تو حضرت شیخ کبھی اللہ سے نہیں مانگتے کہ اُسے ایک ہندو کا درجہ عطا ہو جائے۔ یہ تو بُنیادی یقین و اعتقاد اور ایمانیات کے خلاف ہے۔ آج بھی کوئی بھی مسلمان چاہے وہ کتنا ہی گیا گزرا ہو، یہ دُعا نہیں مانگ سکتا ہے کہ اُسے گاندھی جی کا درجہ عطا ہو۔ سیکولر ٹائپ کا پروپیگنڈا، الگ بات ہے، اس کیلئے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف بے ضمیری کی ضرورت ہے۔

حضرت شیخ اور اسلامی ثقافتی انقلاب

کشمیر میں اسلامی ثقافتی انقلاب کی ہمہ گیر اشاعت، ابلاغ، مقبولیت اور عام فہم بنا کے عوام الناس تک پہنچانے میں حضرت شیخ نُورالدّین نُورانی المعروف علمدارِ کشمیر، نور کے ایک عظیم مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مینار میر سیّد علی ہمدانیؒ کے فرزند میر سید مُحمد ہمدانیؒ نے نصب کیا، نور کے اس مینار کو شاطر مُحرفین اور نام نہاد مورخین کے علاوہ کشمیری زبان کے مردار خور ادیبوں اور شاعروں نے اپنے مکروہ عزائم سے بھرے ہوئے پھونکوں سے مکدّر کرنے اور بجھانے کی ہر سطح پر ہر ممکن کوششیں کیں ہیں۔ قرآن کی زبان میں یُرِیدُونَ لِیُطفِئُوا نُورَ اللّٰہِ بِاَفوَاھِھِم، وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُورِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الکافِرُوْن۔ (سورہ صف) ایسے ہی کور باطن ظلمت پرستوں کے فاسد ارادوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

لل دید کے ساتھ بھی اِن لوگوں نے یہی سلوک جاری رکھا ہے۔ یہ نام نہاد مُورخین اور ریسرچ سکالر لل کی زندگی کے ساتھ اب ایسی کہانیاں، قصے اور روایات جوڑ رہے ہیں جن کا کہیں تاریخی وجود ہی نہیں ہے۔ لل کو اپنی شعوری زندگی کے آغاز میں جب وہ ہندومت اور برہمن واد سے بغاوت کر بیٹھی، ہندوؤں نے نہ صرف نظر انداز کیا، بلکہ دھتکارا، پاگلوں کی طرح سنگسار کیا، گالیاں دیں برے ناموں سے پکارا ۱۹۸۱ء، اور کسی بھی ہم عصر ہندو مورّخ نے لل کا معمولی ذکر تک نہیں کیا ہے۔ پھر سینکڑوں برس گذرنے کے بعد اس کے ساتھ کشمیری پنڈتوں نے اپنا من پسند کلام منسُوب کیا، جتنا اس کا کلام عوام میں (مسلم عوام میں) رائج تھا، اس میں جان بوجھ کر حسب منشا تحریفیں کر کے اسے فلسفہ کی صورت میں پیش کرنے لگے۔ اس طرح اس کی شخصیت، زندگی اور اس کے فکر ونظر اور رُجحان میں اسلام کے

ذریعہ رونما ہوئی واضح تبدیلیوں اور اس کی روحانی ترقی کے مدارج پر انہی شاطر محرفین اور نام نہاد مورخین نے ہزاروں پردے ڈال رکھے ہیں۔ لل کو ترِکا فلسفہ کی پیروی اور پرچار کب بنایا گیا۔ لیکن کسی نے بھی اس بات کا کوئی واضح اور ٹھوس ثبوت پیش کرنے کی معمولی سی زحمت بھی برداشت نہیں کی ہے کہ کشمیر میں ترِکا فلسفہ کا کیا اثر خود عام ہندو سماج پر پڑا، جو ورن آشرم کی چکیاں حد بندیوں میں بٹا ہوا تھا (اور آج بھی ہے) اور پر پیچ رسوم ورواج کی جکڑ بندیوں میں نامعلوم زمانے سے جکڑا ہوا سکرات الموت میں گرفتار آخری سانس لے رہا تھا جب کشمیر میں حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ نے اسلام کی ہمہ گیر تبلیغ کی تحریک شروع کی جس کے اثر کے تحت سارا ہندو سماج (سوائے چند مفاد پرست برہمنوں اور ظلمت پرست سرمایہ داروں کے) اسلام کی نجات اور فلاح بخش آغوش میں آیا۔ اگر ترِکا فلسفہ بھی اسلام ہی کے جیسے اصولوں اور تعلیمات پر مبنی تھا، تو ہندو سماج اس سے متاثر کیوں نہیں تھا، اگر متاثر تھا، تو ہندوؤں کی اجتماعی تبدیلیٔ مذہب کے بعد بچے کھچے ہندو سماج میں ترِکا فلسفہ کا اثر ونفوذ کس حد تک ہوا تھا اور کس حد تک باقی رہا یہ آج بھی اظہر من الشمس ہے یہ سماج بیسویں صدی میں بھی اُنہی توہمات اور خرافات میں گرفتار ہے حقیقت میں ترِکا فلسفہ صرف ایک ذہنی ورزش تھی اسی لئے صرف کتابوں کی زینت بنا رہا۔ عمل اور واقعات کی دنیا سے اسے کوئی واسطہ نہیں تھا، اُس کی بنیاد پر کشمیر میں کوئی بھی سماج قائم نہیں ہوا نہ ہو سکتا تھا۔ اِسے دراصل اسلام کے بڑھتے ہوئے انقلاب پر روک لگانے کی غرض سے استعمال کرنے کی کوشش کہا جا سکتا ہے جس طرح ہندوستان میں بھکتی مت کو اسلام کے انقلابی عمل کا توڑ کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ لیکن اس مت کے پیش کرنے والوں کے ہندو پیروؤں پر اس کا کیا مثبت اثر پڑا ہے۔ اس کے خوفناک نتائج آج بھی اُن کی جنگ جویانہ احیا پرستی اور اس کے تحت منظم اقلیت کُشی کی صورت میں ہمارے مشاہدے میں روزانہ آتے رہتے ہیں۔ کہنے کو تو ہزاروں باتیں اور فلسفے ہو سکتے ہیں، لیکن عملی دُنیا میں اُن کا جب وجود ہی نہ ہو تو ثابت کیا، کیا جا سکتا ہے۔

لل دیدی کے بعد ان شاطر مُورخین نے حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ اور اُن کے کلام کو اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنایا۔ اُن کے اصلی کلام کو جان بوجھ کر توڑ مروڑ کر کے عوام میں رواج

دینے اور خود اُن پر بھی تر کا فلسفہ ٹھونسنے کی کوشش کی گئی۔ طاغوت اور ظلمت کے پرستاروں کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی ہے کہ اظہر من الشمس حقائق کو اگر جھٹلایا نہیں جا سکے، تو انہیں توڑ مروڑ کر اور ان میں من پسند تحریف کے بعد اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ان حقائق کی اہمیت اور افادیت مشتبہ اور بے مقصد ہو جائے اور پھر مرورِ ایام کے ساتھ وہ حقائق ذہنوں سے اُتر کر پس منظر میں چلے جائیں۔ ان لوگوں نے حضرت شیخ کو اپنی تحریروں میں یوں پیش کیا ہے

"THE HINDUS (ie. Kashmiri Pandits) BELIEVE THAT HE WAS NOMINALLY A MUSSALMAN AND IN REALITY A SANYASI OF HIGH ORDER. THEY CALLED HIM SAHAZANAND......" 199

یعنی "کشمیری ہندوؤں کا یقین ہے کہ وہ (حضرت شیخ) برائے نام مسلمان تھا، اور اصل میں ایک پہنچا ہوا سنیاسی تھا، وہ اُسے سہز آنند کہتے تھے......"

دوسری جگہ یہی مؤرخ (جس کو مورخین کے شاطر طبقے کا خاص نمایندہ کہا جا سکتا ہے) صریحاً کذب اور غلط بیانی سے کام لے کر سادات کرام کی تبلیغی مساعی پر ذم کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے:

" SOON AFTER THE DEATH OF SHEIKH NOOR-ud-DIN HIS CHIEF DISCIPLES FOUNDED A RELIGIOUS ORDER KNOWN AS RISHIS OR BABAS IN THE VALLEY. WHILE THE SAYYIDS AND OTHER MUSLIM MISSIONARIES FROM TURKISTAN AND IRAN WERE ENGAGED IN PREACHING THE DOCTRINES OF QURAN IN THEIR ORTHODOX FORM, THE RISHIS WERE ABSORBED IN POPULARISING THE CREED OF RELIGIOUS HUMANISM UNDER THE VENEER OF ISLAM"200.

(نورالدین ریشی کی وفات کے بعد ہی اُس کے اہم مریدوں نے نے ایک مذہبی فرقہ کی بنیاد ڈال دی۔ جسے ریشی یا بابا فرقہ کہتے ہیں۔ جبکہ ترکستان اور ایران سے آئے ہوئے سادات اور مبلغ قرآنی تعلیمات کی اپنی روایتی اور

قدامت پسند تبلیغ میں مشغول تھے۔ ریشی لوگ اسلام کے پردے میں مذہبی انسان پرستی کے مسلک کو ہر دل عزیز بنانے میں جٹ گئے)

گویا مبلغین و علماء اور حضرت شیخ دو الگ الگ اور متضاد تحریکیں بیک وقت چلا رہے تھے۔ ایسی تحریروں کا مقصد صرف یہی ہے کہ سادات کو کشمیر میں اسلام کی اشاعت کے منظر سے ہٹا کر ریشیوں کے سر ہندومت منڈھ دیا جائے۔ لیکن ان شاطر اور مفاد پرست لوگوں کی امیدیں اور کوششیں بے مقصد ثابت ہو گئی ہیں۔ مسلمان سادات اور ریشی حضرات کے تبلیغی کارناموں کو اچھی طرح سے جانتے ہیں اور آج تک کسی بھی مخلص اور ایماندار نے حضرت شیخ کو ہندو نہیں سمجھا، نہ ہی سادات پر نکتہ چینی یا حرف گیری کی ہے۔ کچھ حضرات بنیادی ماخذ نہ جاننے کی وجہ سے اگر تحقیقات کے نام پر رطب و یابس تحریر کرتے ہیں تو اِس میں اُن کی اپنی مجبوریاں اور کم علمی اور ذہنی فرومائیگی کا زیادہ عمل دخل ہے۔ ہمارے لئے وہ درخورِ اعتنا نہیں ہیں۔ انہوں نے سادات کو یہ کہہ کر شدھی کرنے کی کوشش کی ہے کہ سادات نے یہاں ہندو عورتوں سے بڑے پیمانے پر شادیاں کیں اور اُن کے اثر میں آکر مندروں کا طواف کرتے تھے[201]۔

اس طویل تمہید کے بعد ہم حضرت شیخ نورالدین ریشی کی زندگی، اُن کے فکر و عمل اور اُن کی شاعری پر حضرت امیر کبیرؒ کے لائے ہوئے اسلامی ثقافتی انقلاب کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کریں گے، جس سے خود غرض مورخین اور نام نہاد محققین کے سارے مفروضے اور دعوے ریت کی دیوار ثابت ہو جائیں گے۔ حضرت شیخ نورالدین کی حیات مبارکہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جس میں کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں ہے۔ اُن کے والد گرامی قدر جو کشتواڑ کے معزز خاندان کے ایک معزز فرد تھے، حضرت سیّد حسین سمنانیؒ (سفیر حضرت امیرؒ) کے فیض سے دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ حضرت شیخ نے حضرت میر سیّد محمد ہمدانی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کبروی سلسلہ میں باقاعدہ داخل ہو گئے۔

اور حضرت سیّدؒ نے انہیں خط ارشاد کی صورت میں خلافت نامہ عطا کر کے، اُس سلسلہ کے رموز و اسرار اور تعلیمات سے آگاہ کیا۔ جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔ اس کے

بعد حضرت شیخ نے دین کی اشاعت اور تبلیغ کو اپنی بقیہ زندگی کا مشن بنایا۔ وہ نہ صرف اسلام کی بنیادی تعلیمات کی تبلیغ کرتے رہے، بلکہ انہوں نے اسلامی فقہ کی جزئیات سے بھی لوگوں کو آگاہی دینے کے لئے دور دراز مقامات کا مسلسل سفر بھی اپنے اوپر لازمی قرار دیا۔ اس کے لئے انہوں نے کشمیری زبان اور شاعری کا بھرپور اور سودمند استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام کو مسلمانوں نے اپنے سینوں اور اپنی تحریروں میں خاطر خواہ کامیابی کی حد تک محفوظ رکھا (نہ کہ ہندوؤں نے شاردا رسم خط میں جیسا کہ پریم ناتھ بزاز نے بیان کیا ہے۔ دیکھئے حوالہ نمبر......) اور جس طرح حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی شریف کو "ہست قرآن در زبانِ پہلوی" کہا گیا ہے اسی طرح حضرت شیخ کے کلام کو "کاشُر قرآن" (کشمیری زبان میں قرآن) کہا گیا ہے اور یہ بہت حد تک صحیح ہے۔

اسلام کی بُنیاد، وحدت الٰہ، وحدت رسالت، آخرت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، اعمال صالحہ اور انفاق فی سبیل اللہ پر ہے۔ قرآن حکیم اور پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کی توجہ بار بار ان اصولوں پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی طرف پھیرتا ہے، جب ہم حضرت شیخ نورالدین کے تمام کلام اور تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں اسلام کے ان ہی تابناک اور زرّیں اصولوں کی روح جاری و ساری نظر آتی ہے۔ حضرت شیخ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات اور عقاید کے ساتھ ساتھ فقہی جزئی مسائل کے بیان اور اُن کے حل تشریح سمیت، سب باتیں نہایت خلوص، دل سوزی، حکمت اور احسن طریقے سے پیش کیں ہیں۔ حضرت شیخ کا کلام اس طرح کشمیریوں کیلئے اسلام شناسی، اور قرآن اور حدیث فہمی میں زبردست مددگار ثابت ہوا ہے۔ حقیقت میں، اُن کا کلام قرآن اور احادیث ہی پر مبنی ہے۔ حضرت شیخ کے کلام سے جوانہی حقائق اور ان کی وضاحت سے بھرا ہوا ہے۔ ہم مختلف عنوانات کے تحت جستہ جستہ مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں۔

توحید:

اسلام کے معنی سلامتی اور تسلیم و رضا کے ہیں، قرآن مومنوں سے اُدخلُوفی السِلم کافّة کا مطالبہ کرتا ہے یعنی اسلام میں پورے کے پورے (مکمل طور پر) داخل ہو جاؤ۔

مطلب یہ ہے کہ ہر طرح سے یکسو ہو کر، ایک اللہ کا بندہ بن جانا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا اور نا قابل عفو گناہ، شرک ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرانا۔ کشمیر کی سرزمین میں جو کفر و شرک سے بھری پڑی تھی حضرت سید علی ہمدانی اور اُن کے رُفقاء نے توحید کا جو مبارک پودا لگایا، وہ حضرت شیخ نورالدین کے عہد میں تناور اور سرسبز و شاداب درخت بن کے برگ و بار لایا اور وہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَافِي السَّمَاءِ کی حقیقی مثال بن گیا۔

توحید کی وضاحت کو حضرت شیخ نے یوں پیش کیا ہے۔

اوِل أَلِف گُنے اللہ — أخر بہٕ سُے زوال نہٕ تَس
"بے" گوو مُحَمد رسول اللہ — قِیامُو شفاعت کرِ اُمتَس ۲۰۲

(اوّل الف ہے یعنی ایک ہی اللہ، آخر میں بھی وہی ہے اور اُسے زوال نہیں ہے۔
ب کا مطلب ہے مُحمد رَسُول اللہ، قیامت کے دن وہ اُمت کی شفاعت فرمائیں گے)

"خُدا اے تعالا اوس تہٕ آسی" — سُہ بیٚتہٕ آرت کانٛسہ نہٕ

(خدائے تعالا ہی تھا، اور وہی ہوگا بھی وہ کسی کا محتاج نہیں ہے) اور "اوّل سُے اُخر سُے" (اوّل و آخر وہی ہے) هُوالاوَّلُ والآخِرُ وَهُوَالحیَّ الَّذی لایَموت)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی وہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

کُنہ رے بوزکھ کُنہ نو روزکھ — أَڑ کُنزرن کوتاہ دِیُت جلاو
عقل تہٕ فکر تور کوٚت سوزکھ — کُر ملہٕ چھ ہیٚوک سُہ دریاو ۲۰۳

(توحید یعنی خدا کی یکتائی کو سمجھو گے تو تمہاری اپنی ہستی ختم ہو جائے گی، اسی توحید نے ساری کائنات کو اتنی جلا بخشی ہے اسے سمجھنے کے لئے عقل، فلسفہ و فکر (ظاہری علم) کسی کام کے نہیں، یہ دریا (توحید کا) آج تک کون پی سکا ہے؟)

هُوَالظَّاهِرُ وَهُوَالبَاطِن، هُوَالحَاضِرُوَهُوَالمَوْجُود کی ترجمانی اس طرح کی گئی ہے۔

سُے چھے یَتی سُے چھے تَتی — سُے چھے پزِ یتھ جایہ رٔٹتھ دُکان
سُے چھے پیاد تے سُے چھے رٔتھی — سُے چھے سوٗرے گُپتھ پان ۲۰۴

(وُہی یہاں۔ عالم اسباب میں ہے وُہی وہاں، عالم آخرت میں ہے، وہ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہے وہی زمین پر بھی ہے اور عالم بالا میں بھی، وہی اللہ ہر جگہ پوشیدہ بھی ہے)

اَللّٰهُ لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَلَهُ اَلاَسْمَاءُ الحُسْنٰی......وَلِلّٰهِ الاَسْمَاء الحُسنٰی فَادعوه بِهَا اللّٰه.

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتِ السَّبعُ وَالاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَاِنَّ مِّنْ شَیٌ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمدِهٖ (بنی اسرائیل۔۴۴)

اِن آیات کی ترجمانی حضرتِ شیخ نورالدین نے اپنے اس شلوک میں کی ہے

لَکُے خُودا ناوٚچھُس لَچھاہ ذِکرِ رُس کاتھ کچھاہ مو
عُمرِ یِنْدُن لَکُے پچھاہ رِزقہٖ رُس کاتھ مچھاہ مو ۲۰۵

(خدا تو ایک ہی ہے، اس کے لاکھوں نام ہیں۔ اس کا ذکر کرنے کے بغیر کوئی تنکا بھی نہیں رہتا ہے) ہر گیاہے کہ از زمیں رُوید۔ وَحدہٗ لاشریک لہٗ گوید) اپنی عمر کو ایک پندھواڑہ (معمولی) سمجھ، (لیکن یقین رکھ) کہ رزق کے بغیر معمولی کیڑے مکوڑے بھی نہیں رہتے ہیں)

حضرت شیخ اللہ کی عظمت اور اپنی عاجز و درماندہ بندگی کا اظہار اس شلوک میں فرماتے ہیں ؎

صاحِبہٖ! بَلند ژٕنے رُس کُہہ نَے تگِہ ہم کرِہے ژٕنے اطاعات
ژٕیَس دِکھ تَس نتھ ہکِہ کُہہ نَے کیا کرِبس گرتہٖ کیا کربس ساتھ ۲۰۶
ژٕیَس دِکھ تَس نتھ ہکِہ کُہہ نَے کیا کربس قاَبلیت تہٖ کیا کربس ذاتھ

شلوک کا پہلا مصرعہ اس آیۃ کریمہ کی ترجمانی ہے فَتَعَالَی اللّٰهُ مَلِکُ الحق لا اِلٰه اِلَّا هُوَرَبُّ العَرشِ الکریم اور دوسرا مصرعہ "سُبحانَکَ مَاعَبَدنَاکَ حَقَّ عِبادَتِکَ" کی بہترین تشریح کرتا ہے۔

(ترجمہ:) اے کائنات کے مالک! تجھ سے برتر اور عظیم کوئی نہیں، مجھ سے تیری کماحقہٗ بندگی

اور اطاعت ادا نہیں ہو سکتی ہے۔ جسے تو عطا کرتا ہے اس سے کون چھین سکتا ہے اُسے (نحس اور سعید) ساعتیں اور گھڑیاں کیا کر سکتی ہیں۔ جس سے تو چھین لے گا اُسے کون (واپس) دے سکتا ہے، اُسے اپنی قابلیت اور اعلیٰ ذات کسی کام نہیں آئے گی)

حضرت شیخ کو "نقلی مسلمان" کہنے والے نام نہاد مورخین نے دیدہ و دانستہ اُن کے اسلام پرور کلام سے اغماض برتا ہے۔ حضرت شیخ بھگت کبیر کی طرح اللہ کو، ہری، رام اور گرو نہیں کہتے ہیں۔ وہ اللہ کو واحد اور شرک سے پاک اور مُنَزّہ مانتے ہیں ؎

تَتہ کیاہ گرِمول تہٖ ماۄجی یٚیتہ روزُن کٔداُجی پیہے
دَیہ کاستم شِرکچہ زاُجی ارزِمیٚتک باُج ئکہِ توت یہِ یِے ۲۰۷

(قبر اور محشر میں جہاں تنہا رہنا پڑے گا، وہاں باپ اور ماں کوئی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔ اے میرے مہربان رب! میرے دل سے شرک کی ظلمتوں کو دور کر دے اور اعمالِ صالحہ کو میرا ہم سفر بنا دے آخرت کی طرف)

ایک اللہ کو خالق و مالک ماننے کے بعد، اسلام کا دوسرا اہم ستون، رسالت ہے، رسالت محمدی کا دل سے اقرار کرنا ایک مومن اور مسلم کے لئے اُتنا ہی ضروری ہے، جتنا اللہ کی ذاتِ واحد پر ایمان لانا ہے۔ حضرت شیخ نور الدین ریشی، رسالت محمدی کی اہمیت اور پیغمبرؐ برحق کی رسالت پر خلوص دل سے ایمان لانے کی بار بار تلقین کرتے ہیں۔ وہ کلمۂ طیبہ کی عظمت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎ "علمی مٔک آگر کلِمک معنیٰ"

یعنی کلمۂ طیبہ (کے معنیٰ) علوم کے سمندر ہیں۔ اور "علم چھے بوٚڈ تے کلِمہٖ ئکہِ سرتو۔ محمد صأبنہ پکھ وَتہٖ دِے ۲۰۸" "علم تو بہت ہی بڑا ہے، لیکن اِسے کلمۂ طیبہ کی کسوٹی پر پرکھو اور حضرت محمد صاحب کے بتائے ہوئے راستہ پر چل" اور

راتس دوہَس کلِمے پٚوٚرم اوُسُس ساس تہٖ سَپُنُس سون ۲۰۹

(میں نے رات اور دن کلمہ طیبہ کا (خلوص ایمان کے ساتھ) وِرد رکھا، میں تو راکھ کا ڈھیر تھا، لیکن (کلمہ طیبہ کی برکت سے) میں کُندن بن گیا)

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اُس کا قُرب، عشق اور اطاعت رسولؐ کے بغیر ناممکن ہے

حقیقت میں حضرت رسول اکرم کی اطاعت ہی، اطاعت الٰہی ہے۔قرآن حکیم کا ناطق حکم ہے۔
وَمَن یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ، حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ نے حُبِّ الٰہی میں مست اور عشقِ رسول سے سرشار عاشق، حضرات ساداتِ کرام کی صورت میں دیکھے تھے جو اسلام کے عملی اور زندہ نمونہ اور تفسیر تھے وہ گفتار اور کردار میں اللہ کی بُرہان اور رسول کا فرمان تھے۔ انہی سادات کی تعریف کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں ؎

پاکبازن یمن ابدالن خوش کلِمن بوزکھ مَعنے
گوش روٹکھ پٹھ سنگاٹھن یمَن لالن مول کُس زانے ۲۱۰

(ان پاکباز ابدالوں کی نیک باتوں کے معنی خوب سمجھ لو۔ یہ دور دراز علاقوں میں اسی لئے پہنچ گئے کہ حق کی تبلیغ کریں۔ ان بے بہا لعل و جواہر کی قیمت جاننا مشکل ہے)

انہی سادات کرام کی پیروی کرتے ہوئے حضرت ریشیؒ بھی رسولؐ برحق کے شیفتہ اور عاشق اور قرآن کریم کے شیدائی بن گئے۔ کشمیری زبان کو اسی عظیم شخصیت نے حمد، مناجات اور نعت نبیؐ اور مدحِ چہار یارِ باصفا سے پاکیزگی بخش کر اسلام سے آشنا کیا۔ حضرت شیخ جناب میر سیّد علی ہمدانی اور میر محمد ہمدانی کی پیروی کرتے ہوئے نبیؐ برحق کو ختم الرُّسل اور پیغمبر آخرالزمان مانتے ہیں اور آنے والے ہر دور کو دورِ حضورِ رسالت مآب قرار دیتے ہیں ؎

پأرُک پأرُک لگو زَتِس پیغمبرسؐ یَسندِس دورس رحمت چھےٚ جأری ۲۱۱

(قربان ہو جاؤ اس پیغمبر کی ذاتِ مقدس پر جس کے دور میں رحمت جاری ہے)

یہ شعر وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رحمۃً لِلعٰلمین کا برجستہ ترجمہ ہے۔ اس میں حضرت شیخ نے آنے والے تمام دوروں کو حضور کا دور کہا ہے۔ یعنی اُن کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔ دوسرا شعر یوں ہے ؎

کالہ ییلہِ ہکھ لگہِ روزِ محشرس تَس کُن اُمیدوار آسن سأری ۲۱۲

(کل جب محشر کے روز سب لوگ جمع کئے جائیں گے۔ تو سب ہی لوگ اُنہیں کی طرف (اللہ کے حضور میں شفاعت کی سفارش کیلئے) امیدوار ہوں گے)

پأرُک پأرُک محمدؐ صأب نِس شانس یُس امتَس ہیٚیہ پأنس ستی ۲۱۳

(حضرت محمدؐ صاحب کی شان پر قربان ہو جاؤ جو اُمّت کو اپنے ساتھ (جنت میں) لے لیں گے)

حضرت رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی اور اطاعت کی تاکید کرتے ہوئے شیخ نورانیؒ فرماتے ہیں ؎

یم نہٕ خُدائے تہٕ رسولؐ سَرن تم سمسارس زبن تہٕ کنڈِے ۲۱۴

(جو لوگ خدا اور رسولؐ کی اطاعت نہیں کریں گے، دُنیا میں ان کی زندگی بے مقصد اور نامراد ہے)

اطاعت خلفائے راشدینؓ:

حضرت شیخ نورانیؒ رسالت محمدیؐ پر ایمان اور یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ خلافت راشدہ کو بھی برحق تسلیم کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دین و دُنیا کے سارے مسائل اور مشکلات انہی کی پیروی سے حل ہو جاتے ہیں۔

محمدؐ تہٕ ژوریار برحق گُنزرُکھ تمَن نِشہ اَنٛدِ نٔے سأری نیاے ۲۱۵

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے چاروں خلفاء کو برحق جان لو انہیں کی پیروی میں تمہارے سارے مسئلے اور مشکلات حل ہو جائیں گے)

آگے اسی شلوک کے دوسرے شعر میں حضرت شیخ علیہ الرحمتہ نے یوں فرمایا ہے۔

جان پان پٔنن تمَن پتھ بٔزرکھ سوے چھےٚ تور کٕژ بٔڈرٕ ہکاے ۲۱۶

(اُن کی پیروی میں) اپنا جسم و جان، تن من اور دھن قربان کر آخرت میں وہی تمہارے لئے گراں بہا توشہ ہے یعنی متاعِ آخرت ہے)

تَصَوُّرِ آخرت:

اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے بعد ایمان بالآخرت بھی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ ایک مومن کیلئے دائمی اور ابدی زندگی کا مقام آخرت ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں مختلف مثالوں، استعاروں اور کنایوں سے عالمِ آخرت کا نقشہ اس طرح سے بیان ہوا ہے کہ موت کے بعد کا عالم جیتی جاگتی حقیقت بن کے مومن کے مشاہدہ میں آجاتا ہے۔ حضرت

میر سیّد علی ہمدانیؒ نے اپنی تصنیفات (مکتوبات اور رسائل وغیرہ) میں مومنین کی صفات بیان کر کے فرمایا ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔ شیخ نورالدین نورانیؒ نے حضرات میر سیّد علی اور میر محمد ہمدانیؒ کی تربیت کے زیرِ اثر قرآنِ حکیم کو دل کی گہرائیوں میں اُتارا تھا، وہ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے وعظ و تبلیغ کے بہت سے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ سب سے آسان عام فہم اور قابلِ حفظ طریقہ شاعری کا تھا، دیکھئے وہ آخرت کے تصوّر کو کس طرح سے بیان کرتے ہیں۔

تِتہِ کیاہ کرَکھ روزِ محشرس — نیتہ خاصن تہِ عامن آسہِ تلواس
مول پلزِنہِ گو برس تہ گنہِ کارس — صبر روزِنہِ صابرن تم تہِ کھمن تژ اس ۲۱۷

(محشر کے دن کیا کروگے؟ جہاں خاص و عام خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ باپ اپنے لاڈلے بیٹے کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا، اس روز صبر کرنے والے نیکوکار بندے بھی صبر بھول کر لرزہ براندام ہوں گے)

حضرت شیخ نے اپنے اس شلوک میں قرآن مجید کی اِس آیت کریمہ کی ترجمانی فرمائی ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرءُ مِنْ اَخِيهِ. وَاُمِّهٖ وَاَبِيهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيهِ (قرآن. عَبَس. پارۂ عم)

دُنیا کو مَزرِعته الآخِرة (الدُّنیامَزرِعةُ الآخرة) کہا گیا ہے، حضرت شیخ نے اس کی فہمائش یوں کی ہے

آدن یہ کرَکھ بہِ لوِنہِ تگی — آدنہِ کرَکھ بہِ لگی ستی
یم پھلی وَدکھ چھنتر کیاہ ، ژگی — تم تِتہِ اُبرِتس لونگھ ستی
رِگبہِ بل ترٛاُوتھ دیہِ بل نگی — لوِ نُند تہِ ڈوٗٹھ لگی پانس ستی ۲۱۸

(جوانی میں جو بھی نیکی ہو سکے کرلو، پھر (وقت کے بعد) نہیں کر سکو گے۔ پہلے ہی ہوش میں آ کر جو بھی نیکیاں کروگے وہی تمہارا زادِ سفر اور توشۂ آخرت بن جائیں گی (جس قسم کے بھی اچھے بیج یہاں بوؤ گے) مطلب جس قسم کی نیکیاں یہاں کروگے، آخرت میں اُن کے

بدلے میں کئی گنا معاوضہ ملے گا۔ جب تم یہ دنیا چھوڑ کر آخرت کی طرف جاؤ گے اسی وقت تمہاری کی ہوئی نیکیاں اور برائیاں تمہارے ساتھ ہی جائیں گی۔ (یعنی یہاں پر کئے ہوئے گناہ اور کمائی ہوئی نیکیاں تمہارے ساتھ ہوں گی)۔

آخرت کے اسلامی عقیدہ کی صحیح تصویر حضرت شیخ نے اپنے مختلف شلوکوں میں جس طرح پیش کی ہے وہ انہی کا کمال ہے، ساری کشمیری شاعری میں اس سلسلے حضرت شیخ بالکل منفرد ہیں۔ چند مثالیں پیش ہیں۔

صاحب دوہہِ اکہ دوراٰہکرے — یَتھ سمسارس کرِ لُرِ پار
سَتن آسمانن بہن نودَرے — نوٗن زَمیئن تِلہِ یک بار
غائبَس تہِ زیرس حاٰضر کرے — دِیہِ نُندِبن جَنت تہِ ڈُھمن نار ۲۱۹

(کائنات کا مالک ایک ایسا دن بھی لائے گا جب وہ ساری کائنات کو زیر و زبر کرے گا، ساتوں آسمانوں کے آپس میں فاصلے برقرار نہیں رہیں گے اور نو (ساری) زمینوں کو آناً فاناً اُٹھا دے گا، ساری مخلوق (غائب اور زمین میں دفن شدہ) کو حاضر کرے گا، نیکوکاروں کو جنت عطا ہوگی اور بدکار جہنّم میں جھونکے جائیں گے)

آخرت کے ساتھ موت کا جو تعلق ہے وہ عقیدۂ آخرت کا ایک اہم جز ہے۔ موت کے ساتھ ہی انسان آخرت کے دائمی سفر کا راہی بن جاتا ہے۔ گویا کہ موت ایک جہاز ہے جس پر سوار ہو کے انسان اپنے آخری سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ اس سفر کی بھی اپنی منزلیں ہیں، جن میں قبر ایک اہم پڑاؤ ہے حضرت شیخ نورانی نے اپنے مخصوص طریقے سے اِن کی وضاحت فرمائی ہے

زُو ! ژِ بوزتو کنہِ وٗان ! — یہ ہوٗمرِی ئنز خبر بِشنوان چھے
کاٗلی ہُنڈِس زَن نِئے ہج وان — یہ گاسہِ کاٗنٛز دُنی ہیچ بزمہ وان چھے ۲۲۰

(اے میری جان! تمہارے کان میں جو مدھم گھنٹی کی سی آواز آتی ہے وہ اس بات کی آگاہی دیتی ہے کہ تمہیں ایک دن مرنا ہے کل تمہیں دُنیا سے اس طرح سے لے جائیں گے جس طرح بھیڑ کو ذبح خانے میں لیتے ہیں پھر یہ بے وقعت متاعِ دُنیا (جو بھیڑ کے لئے گھاس

کی طرح ہے) تمہیں فریب کیوں دیتی ہے؟)

موت کیا ہے، اور اس سے کیوں مفر نہیں ہے، اس کو مثال کے ذریعہ یوں بیان کیا گیا ہے

موت چھُ سِہہ تَے کوَتوَڙلی زے — کھیلِہ مِڑِ کڈی ژاُرِتھ کھُ
موتچ شربتھ چِنہٕ رُس نہٕ بگر زِے — سُلہِ رٕکتھٕ نہٕ گیاس مُرِتھ کتھ ۲۲۱

(دُنیا کو جنگل سمجھ لو اور) موت کی مثال شیر کی سی ہے اس سے تم کہاں بھاگ سکتے ہو؟ یہ تمہیں ریوڑ میں سے بھیڑ کی طرح چُن کر اٹھا کر لے جائے گا۔ موت کا شربت پینے کے بغیر کوئی علاج نہیں ہے، افسوس! میں بہت پہلے ہی مر گیا ہوتا (تا کہ برے اعمال کا بوجھ نہ بڑھ جاتا)

کیا کُری زِ مرنَس مُرِ ٕتنِن وکانن — گودکمن جانن چھانگر کُرِتھ
پونٕ زن ژٕمتھ گے نوبن بانن — گرٕ وأنٕی زن وانن پھالو دِتھ ۲۲۲

(موت اور موت کے بہانوں کا کوئی علاج نہیں ہے موت نے کیا ہی صورتوں کا شیرازہ منتشر کر کے رکھا! وہ صورتیں گویا پانی کی طرح مٹی کے نئے برتنوں میں جذب ہو گئیں...... یا دکانداراپنی (سجائی ہوئی) دکانیں بڑھا گئے)

ان پڑھ اور عام لوگوں کو موت کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

حضرتِ مُحمّدؐ دَیہ سُند پیارُو — دَمہٕ دَمہٕ جبرائیلؑ یارٔتس!
تمی یِلہِ سَکھر کُر ، توٗت پارو — دَپھتہٕ بابیہ دُنٕی یاہ سورچھُ کُس! ۲۲۳

(حضرت محمدؐ اللہ کے محبوب تھے اور جبریل امینؑ ہر وقت اُس کے قریب دوست تھے۔ جب ایسا عالی مرتبت پیغمبر خود آخرت کے سفر پر روانہ ہوا تو اے میرے بھائی! پھر اس دُنیا میں ہمیشہ کس کو رہنا ہے؟'

آخرت کے ابدی سفر پر روانہ ہونے کے وقت (موت) کے فوراً بعد پہلی منزل قبر ہے۔ حضرت شیخ نے قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کو مدنظر رکھتے ہوئے قبر، اور قبر کے عذاب اور راحت کو دل نشین اسلوب بیان اور سلیس زبان میں مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے

دوہہٕ اکِہ لمہٕ لَم لَگِہ یَتھ جانس — أندٕ أندٕ یار بأے روزنَے ٕکتی ۲۲۴

(ایک دن اے بندے! تمہاری جان پر سکرات الموت طاری ہوگی، تمہارے اردگرد تمہارے کتنے ہی دوست اور بھائی رہیں گے)

سٕمتھ سأری وال نَے سٕزانس — ڈٕکٕ ڈٕکٕ بارَو دِنے ٕکتی ۲۲۵

(سب لوگ جمع ہو کے تمہیں غسل دینے کیلئے لائیں گے اور رو رو کے کتنے ہی چلا ئیں گے (تمہاری جدائی میں)

کفناہ وَلنے ہٕندرِس پانس — ٹُند تہٕ ڈوٗٹھ لگی پانس سٕتی ۲۲۶

تمہارے ٹھنڈے (مردہ جسم کو کفن میں لپیٹ کر رکھ دیں گے (پھر) تمہارے ساتھ فقط تمہاری کی ہوئی نیکیاں اور گناہ ہوں گے)

نِتھ اَدِ تزاوِ نَے اندمأ دانس — سُمتھ پٹھ میوٗڑمل نَے ٕکتی ۲۲۷

(پھر تمہیں لے جا کر قبرستان میں دفنائیں گے اور سب لوگ تمہارے اوپر مٹی ڈالیں گے)

ڈیشتھ کل گو مُٹھے نادانس — اَتھ شاپہِ وِیر گے ژٕمتھ ٕکتی ۲۲۸

(یہ عبرتناک منظر دیکھ کر بھی تو آخرت کی فکر کرنا کیوں بھول گیا اے نادان! اس جگہ تو بڑے بڑے بہادُر سوما بھی سہم کر رہ گئے ہیں)

تَتہِ کیٛا گرو ژھٕٹِہ تہٕ گٹے — یِتہٕ سنگ وانج تہٕ پھٹے ہو
خبرِ روس قبر پانہٕ نالہٕ مَتہ رَٹے — مارن ، کوٗنژھ تَتہ رٹے مو ۲۲۹

(وہاں طوفان اور اندھیرے میں کیا کریں گے جہاں پتھر جیسے دل بھی پھوٹ جائیں گے۔ بے خبری کے عالم میں ہمیں قبر اپنی مضبوط گرفت میں پکڑے گی، جب ہم پر مار پڑ رہی ہو (اس وقت) وہاں ہماری سفارش کوئی نہیں کرے گا)

یہی مضمون مختلف پیرایہ میں ایک طویل نظم کے ان شعروں میں بیان ہوا ہے

سون گرِ چھے لٔد مأ دأنس — توٗت ستہ کوٗنژھ لگِہ نَتہٕ
تَتہِ پٹرن گُز سےٕ جانس — ہَے زٕوِ پالس پبتہٕ! ۲۳۰

(ہمارا گھر تو دور اک میدان (قبرستان) میں ہے جہاں ہمارا رفیق کوئی نہیں ہوگا
وہاں تو صرف اکیلی جان کو ہی سب کچھ سہنا ہے۔اے میری جان ذرا ہوش میں آجا!)

قبر اور قبر میں فرق ہے، حضرت شیخ نے اس طرح اسے واضح کیا ہے

کینٛژون قبر چھے پوش زن شیرے کینٛژون قبر چھے سیاہ چاہ
کینٛہہ گٔو صاحبو! چانِے ویرے کینٛہہ گٔے زیرے اکِہ گُمراہ ۲۳۱

کچھ لوگوں کے لئے قبر پھولوں کا تاج ہے، یعنی قبر اُن کیلئے گلستان ہے اور کچھ لوگوں کیلئے تو قبر سیاہ چاہ ثابت ہوگی۔اے میرے مالک! کچھ لوگوں نے تیری یاد میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا (تیری یاد کرتے کرتے ہی پگھل گئے) کچھ (سوجھ بوجھ اور علم کے ہوتے ہوئے بھی) ظاہر میں ایک ذرا سے اشارے ہی سے گمراہ ہوگئے (کسی بات پر غرور پیدا ہوگیا اور راہِ راست سے بھٹک گئے)

قبر میں جن حالات کا ایک گناہگار انسان کو سامنا کرنا پڑے گا اُن کو یوں بیان کیا گیا ہے

نکیر تہٕ منکر جوابس وٕسن پرٛبَتھ ژٔسن تہنٛد وٕسنہٕ ستی ۲۳۲

(جب نکیر اور منکر قبر میں (مردے کے پاس) اس کے ایمان اور اعمال کی پُرسش کرنے اُتریں گے۔اُس وقت خوف سے پہاڑ بھی دھنس جائیں گے۔

شوبہٕ لِس پانٛس مارن تہٕ دٕسن باٛژتہٕ پوٚتھر ماوٕسن ستی! ۲۳۳

(اس خوبصورت بدن کو جب وہ ماریں گے۔اس وقت زن و فرزند وہاں کوئی مدد نہیں کریں گے)

کُنٛی سے ژٔنس تہٕ آوٕسن لٕسن پاٛے نہٕ مرِس کیتی ۲۳۴

(وہاں تو اکیلے ہی سامنا کرنا ہے۔بچنے کی صورت ہو تو ہو، ورنہ یہ جسم (وجان) ہی جان لے گا)

بٔکرِ پیٹھہٕ ییلہٕ کفن کاسن سَرَپھ تہٕ گُنسہٕ ماوٕسن ستی ۲۳۵

(جب چہرے سے کفن کو اٹھایا جائے گا، سانپ اور اژدہے ہر طرف سے قبر میں

اتریں گے)

موت ایک اٹل حقیقت ہے، اس سے کوئی بھی مخلوق نہیں بچ سکتی ہے اور موت کے بعد انسان کو قبر میں دفن ہونا ہے، اپنے اعمال کے محاسبے کا سامنا کرنا ہے، چاہے کوئی بھی ہو

یَس اوٚر یُمن ناد وٕہِے تَسے سور عالم وٕدِ تہٕ لٕبِے مو
یُس ڈاین گزن تل بُتلہٕ وٕہِے سوے نبی تہٕ آسہٕ کھسے مو ۲۳۶

(جسے اوپر سے موت کا بلاوا آیا، اگر ساری دنیا بھی اُسے روئے وہ پھر بھی نہیں بچ سکتا ہے جسے ڈھائی گز زمین کے نیچے (قبر میں) اُتارا گیا، وہ اگر نبی بھی ہوگا، اُوپر نہیں آسکتا ہے)[1]

توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کے بعد ایک مومن کو اپنے عمل سے اپنے ایمان کا ثبوت اپنی روزمرہ کی زندگی میں پیش کرنا ضروری ہے، اس کے لئے اُسے روزانہ نماز پنج گانہ کی ادائیگی، رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا، صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں حج ادا کرنا اور صاحب نصاب ہوتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنا، ضروری اور لازمی فرض ہے۔نماز کو ان میں اولیّت حاصل ہے یہ کفر اور اسلام کے درمیان حدِ تمیز ہے۔نماز ہی مومن کی شناخت ہے اور اس کا ذکر قرآنِ کریم میں بار بار آیا ہے، آں حضورؐ نے نماز (صلوٰۃ) کو "مِعراجُ المومنین" فرمایا ہے۔کشمیر میں سادات کرام نے درس و تبلیغ سے مقامی لوگوں میں سے دین اسلام کے مُبلّغ تیار کئے۔ان میں سرفہرست تو حضرت علمدارِ کشمیر ہیں جنہوں نے حضرت سیّد محمد ہمدانی کے فیض و برکت سے قرآن و حدیث اور سلوک و معرفت کی مکمل روحانی تربیت حاصل کر لی تھی اور پھر انہی کے ارشاد کے تحت اطراف و اکناف میں گھوم کر اسلام کی تبلیغ کی۔اسی مسلسل تبلیغی اور تربیتی جہاد کی خدمات جلیلہ کی بناء پر انہیں مجاہد اعظم اور سیّدُ الواعظین کشمیر کا خطاب دیا گیا ہے۔

اپنے کلام میں حضرت شیخ نورانیؒ نے نماز کی اہمیت کو بار بار اُجاگر کیا ہے۔اس کے بروقت ادا کرنے کی تاکید تکرار کے ساتھ کی ہے اور اس کے علاوہ نفل نمازوں کو قُربِ الٰہی کا ذریعہ بتایا ہے۔

نمازِ پڑٕیہہ تہٕ پاٛنٛتھن وٕسی نماز دودس کھسی ہر

[1] قبر پرستوں کیلئے یہ تازیانۂ تنبیہ ہے۔

نمازِ اُلگ تۂ پُلگ لسی   نمازِ جنتس وسی بر ۲۳۷

(نماز سے تمہاری جسمانی اور روحانی بیماریاں دور ہوں گی اور تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔نماز سے تمہاری دُنیا اور تمہاری آخرت آباد ہوگی اور نماز سے جنت کے دروازے کھول دیئے دائیں گے)

نماز کے بارے میں فارسی زبان کا ایک مشہور شعر ہے جو دراصل قرآن وحدیث کی ترجمانی ہے

روزِ محشر کہ جاں گداز بُود   اوّلیں پُرسشِ نماز بُود ۲۳۸

حضرت شیخ نورانی نے دو مختلف شلوکوں میں یہ مضمون یوں بیان فرمایا ہے

موماز دَنَن تۂ دیٚارن   خوے کرژون یارن ستی
یَتِہ ہو نمازِ پُڑھ مارن   یِیٚتہ دپان لگہِ ہأ بتی ۲۳۹

(دنیا کے مال اور دولت کا غلام نہیں بنو، حضورِ اکرمؐ کے چاروں یاروںؓ کی پیروی کرو وہاں (محشر میں) نماز کے لئے پوچھا جائے گا جہاں خوف کے مارے سب کانپ رہے ہوں گے)

یِمَن کیٚا گرَکھ دِیٚارن   یِم ہو روزَن یِیتی
نمازِ پُژھِ ہو مارن   پاپھ زینتھ کتی ۲۴۰
نظرا کر تو اند مزارن   سأری زِ ، ژمَوتتی ۲۴۱

(اس دنیا کی دولت کو جمع کر کے کیا کرو گے یہ تو یہیں دھری رہے گی۔وہاں محشر میں نماز کے بارے میں پرسش ہوگی اور گناہوں کے بارے میں بھی کہ کتنے کمائے ہوں گے۔ذرا ایک نظر قبرستانوں کی طرف بھی کر! ہم سب لوگ انہی میں پیوست ہو جائیں گے)

حضرت شیخ نے پنجگانہ نمازوں کا الگ الگ ذکر اور تاکید اپنے کلام میں اس طرح بیان فرمائی ہے۔نمازِ فجر کا بیان

صبح پھول تَے راتھ گیہ آدا   اَیتہ کیٚا بیٚو ٹھکھ رادا دِتھ
بانگ تۂ صلواۃ تورُک نادا   یَتِہ رِکہو آکھو وادا دِتھ

فرض تۂ سُنّت کر ملِہ آدا   رِنۂ یوٗ جنتس نادا دِتھ ۲۴۲

(رات ختم ہونے کو ہے اور صبح کی پو پھوٹ رہی ہے، تُم ابھی تک بستر ے پر دراز ہو اذان اور نماز تو اللہ کی طرف سے ایک بلاوا ہے، وہاں (روزِ اول) تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا وعدہ کیا ہے؟ (جب رب نے کہا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُم تو تُم نے بَلٰی کہہ کے اُن کی فرماں برداری اور عبادت کرنے کا وعدہ کیا تھا) صبح کی نماز فرض اور سنت ادا کر لے، پھر تمہیں جنت میں دعوت دے کر لے جائیں گے)

نمازظہر:

ژِ ماز نمازِ پیٚشیٚنَس   شِنۂ کھوتۂ آسَکھ پژیٚونُو ۲۴۳

(نمازِ ظہر ادا کرنے کا خاص خیال رکھو، برف سے زیادہ صاف اور نورانی بن جاؤ گے)

نمازعصر.

خاص چھے نمازِ عصر ، دِگارس   یَتِہ گٹِہ کارس تیٚی درکار ۲۴۴

(عصر کی نماز تو بہت اہم ہے، یہ تمہیں وہاں (قبر اور محشر کے) اندھیرے میں مددگار ہوگی)

نمازمغرب:

شامچہ نمازِ شمع زن زوتکھ   لوتکھ پاپہٕ تۂ پوری نہٕ نار
نُزرِچ خبر بیٚلہِ دوہہ دوہہ شوتکھ   آسکھ پیٚادٕ تۂ سپنکھ سوار
کژیہ ہندِ گوبرَے عرشس واتکھ   صحبت تھوی پانۂ جبّار ۲۴۵

(شام (مغرب) کی نماز ادا کرنے سے شمع کی طرح چمک اٹھو گے، تمہارے گناہوں کا بوجھ کم ہوگا اور جہنم کی آگ تم پر اثر نہیں کرے گی۔نماز کی ادائیگی سے جب تم روزِ نجات کی خبر سنو گے تو تمہیں اعلیٰ مراتب پر فائز کیا جائے گا۔صرف نیکوکاری سے تم عرش تک پہنچو گے، پھر اللہ تمہیں اپنی رفاقت نصیب کرے گا)

نمازعشاء:

خُفتن ئہ چھنہٕ لوکن خبر — نَتہٕ خفتن ہیکہٕ ہَن پاٗلتھ دوہے
یُتھنہٕ شیطان کڈی مسجدِ نبر — یُتھنہٕ تبر ژھنی تاٗلتھ دوہے ۲۴۶

(نمازعشاء کی اہمیت لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔ ورنہ اس کے ادا کرنے کا خاص اہتمام کرتے۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں مسجد سے دور رکھے، ایسا نہ ہو کہ وہ روز تمہارے سر پر (غفلت اور ذلت کی) کلہاڑی مارتا رہے۔ یعنی نماز مسجد میں با جماعت ادا کرنے کا خاص خیال رکھو)

ہر ایک نماز کو اپنے مقررہ وقت پر ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس سے نہ صرف ایک مسلمان ضابطے اور حدود کا پابند بن جاتا ہے بلکہ وہ نماز کو عمداً قضا کرنے کے گناہ سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ وہ باجماعت نماز ادا کرنے کا پابند بن جاتا ہے اور لہو و لعب میں زندگی کے قیمتی وقت کے ضیاع سے بھی بچ جاتا ہے۔ حضرت شیخ نورانیؒ نے پابندی سے وقت پر نماز کی ادائیگی پر بار بار زور دیا ہے۔

وقتٕچ نماز چھے تخٕس رنٕد — وقتٕچ نماز چھے بندگی
بے وقت نماز چھے مُرکھو خنٕد — بے وقت نماز چھے شرمندگی ۲۴۷

(وقت پر نماز کی ادائیگی دل کے آئینے کو جلا بخشتی ہے اور مقررہ وقت پر ہی نماز گذارنا صحیح بندگی ہے۔ بے وقت کی نماز مخول اور مذاق ہے اے نادان! اور بے وقت پر نماز گذارنا بندے کے لئے باعث شرمندگی اور رسوائی ہے)

لوٗبس تہٕ مٔبس دِیُتھ رضا — کرڈٔلس پتھ ژنے وُڈتہٕ ہاے
پانٔژھ وقت نمازٕ گرِتھ قضا — توٗک سزا دِیِی خُداے ۲۴۸

(تم تو لالچ اور خواہشاتِ نفس کا غلام بن گئے ہو، اسی لئے تمہاری زندگی غم و اندوہ سے بھری ہوئی ہے تم نے پانچ وقت کی نمازیں قضا کی ہیں (نہیں پڑھی ہیں) اللہ تمہیں ضرور اس کی سزا دے گا)۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ نفل عبادات، ذکر و اوراد اور خلوت کی عبادات کی

فرض یوٗد گذارکھ شوٗب رٕکھ آسی — فرضے سَج لسی پان!
کلِمہٕ تمجید یوٗد وونڈس آسی — تَمہٕ سٕتہٕ ژٔلہ ہینٕی شیطان
ذکر تہٕ اوراد یوٗد وظیفہ آسی! — ہکہٕ کٔس گرِتھ ژنے سٕتہٕ مان
کرٕیہ کھوتہٕ ژور یوٗد انصاف آسی — توٕ سٕتی گٔژی ایمان! ۲۴۹

(پابندی کے ساتھ فرض نماز (صبح کی نماز بھی اس کے معنی ہیں) ادا کرو گے تو تمہاری شان بڑھے گی اور تم کامیاب زندگی گذارو گے) (اگر اپنے دل میں کلمہ تمجید کا ورد کرتے رہو گے تو اس سے شیطان تم سے دور بھاگے گا) اگر تم اللہ کے ذکر اور اوراد شریف (اورادِ فتحیہ: تالیف حضرتِ امیر کبیرؒ) کو اپنا روزمرہ وظیفہ بناؤ گے تو پھر تمہارے ساتھ کون (علوئے درجات میں) مقابلہ کر سکتا ہے؟

(اگر اپنے نیک اعمال سے بڑھ کر تم انصاف کی راہ پر چلو گے تو اُس سے تمہارے سفر آخرت کا رفیق ایمانِ کامل ہوگا)

چاشت تہٕ اشراق یوٗد گذارکھ — پٔژن گارکھ صاحب جیوٕ ۲۵۰

(اگر چاشت اور اشراق کی نمازیں پابندی سے ادا کرو گے تو اُس سے اپنے رب کے قریب ہو کر اُسے پاؤ گے)

نماز کے بعد روزہ ایک اہم فرض ہے اور اسلامی عبادات میں اِسے جو اہمیت حاصل ہے اس پر بحث کرنا لاحصل ہے۔ حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ نے اپنے کلام کے ذریعہ اس کی اہمیت اور فوائد پر بہت کچھ فرمایا ہے۔ چند شلوک ملاحظہ فرمائیں۔

توش بنہٕ نمازِ بٔیہ رمضانٔس — تی بایہ لگی پانس سٕتی ۲۵۱

(پابندی اور دل کی گہری مسرت کے ساتھ نماز ادا کر، اور ماہِ صیام کے روزے رکھ، یہی بہترین متاع تمہارے کام آئے گی)۔

روزٕ تہٕ نمازٕ طے کر — یہ ڈے کرڈٔمس ووٗنو
یوٗد جنّت گوٗھی کرٕے کر — چھے محت توٗت کِہِتھوٗنو

مُندبن ءِتِین خوے کر   ووتھ بنۂ روے کرتہِ قِبلس گنو ۲۵۲

(پورے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھ اور نماز ادا کر،   )

(اگر تم جنت چاہتے ہو تو نیک اعمال انجام دے، یہی محنت آخرت میں کام آئے گی) نیک لوگوں کی صحبت اختیار کر۔ اے اللہ کے بندے! نماز ادا کر (قبلہ رو ہو جا)

حضرت شیخ نورالدین نے زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کو مختلف طریقوں سے واضح کیا ہے زکوٰۃ اسلامی معاشرے کیلئے ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتی ہے۔ اگر صاحب نصاب لوگ پوری دیانتداری اور تقویٰ شعاری کے ساتھ زکوٰۃ ادا کریں گے تو اسلامی معاشرے میں معمولی عرصے میں محتاجی اور غربت کا خاتمہ ہوگا۔ جو لوگ زکوٰۃ ادا کرنے میں تساہل کریں گے یا دل کی تنگی محسوس کریں گے وہ اللہ کے ہاں دردناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔

پھوٗلے وَوَکھ داہ پھٗلی یوونے   دولت برتل نہٕ یِونی ذات

خُدأے دِیتے ژنے کونژھ گنے   زکوٰۃ دِنہٕ چھونی گیات ۲۵۳

(اگر ایک دانہ بوو گے تو اس سے دس دانے حاصل ہوں گے۔ دولت کسی کے دروازے پر بار بار نہیں آتی ہے۔ اللہ نے آپ کو کئی گنا عطا کیا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے اس میں کیا کمی آئے گی)

اسلأمُک کامٕن دوہ دبن بَرتے   عِلِم گَرِ کٔلِمہٕ چھے زالے تژاو

روزٕ، نماز، حج، زکواۃ وارٕ ژٕ گرتے   یُس گَرِ گوٗنگُل سُے گَرِ کزاو ۲۵۴

(اسلام کے بتائے ہوئے کام رات اور دن، ہمیشہ لگن کے ساتھ انجام دیتے رہ! تمہارے گھر میں (دل اور سینہ میں) کلمۂ طیبہ ہے جو سب سے بڑھ کر علم ہے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں کاہلی نہ کر۔ روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ کو پوری طرح سے ادا کر، جو بوئے گا وہی پھل پائے گا، یعنی اَلدُّنیا مَزْرِعَتُه الآخِرَة)

حضرت شیخ نے ایک اور شلوک میں حج بیت اللہ کا فرض ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔

ناوَن بَلہٕ غوسلا کر تو ؛ حجِ بَیت اللہ گذار تو جیو ۲۵۵

(نہادھو کے (غسل کر کے) حج بیت اللہ ادا کرنے کی تیار میں لگ جاؤ)

اسلام کی بنیاد قرآن حکیم کی تعلیمات پر ہے، قرآن اللہ کی مقدس کتاب ہے۔ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر معاملہ، ہر مسئلہ اور ہر مشکل یہی کتاب مقدس حل کرتی ہے۔ قرآن کریم کو اللہ کی کتاب ماننا، مسلمان کا ایمان ہے۔ اللہ نے یہ کتاب اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور آں حضورؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ اور مدینہ اور مکہ میں اللہ کے حکم سے قائم کئے ہوئے اسلامی معاشرے میں عملاً نافذ فرمایا۔

اسی لئے اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان حق پرور نے آں حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کو "کانَ خُلقه القُرآن" فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فی رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسنَةٌ۔ آں حضورؐ کی زندگی قرآنِ کریم کی عملی تفسیر تھی۔ اسی لئے حضرت شیخ نے قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بار بار تاکید کی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ رسول برحقؐ کی پیروی کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ انہوں نے جہاں قرآن کی مقدس آیات کی برمحل ترجمانی کی ہے وہیں اپنے کلام میں بہت سی احادیث مبارکہ کی وضاحت بھی کی ہے۔ جن کا ذکر اپنے مقام پر کیا جائے گا۔ حضرتِ شیخ کا شلوک ہے۔

یِمَو خُدائے تہٕ رسولؐ سوٗرُؤ   تِی تیمی یول سُہ ژاو گژندِے ۲۵۶

(جنہوں نے خدا اور رسولؐ پر ایمان لایا اُن کے فرمودات پر عمل کیا وہی نجات پانے والوں میں شامل ہو گئے)

جو لوگ اپنی عمر لہو و لعب میں ضایع کرتے ہیں اور قرآن و احادیث کی تعلیمات پر عمل کرنے میں تساہل برتتے ہیں، ان کے بارے میں انہوں نے فرمایا ہے۔

آدنک پَرٕن آم دوپھرِ پَلَس   نادان پوٗگس تھزِ کارِے

یژھ گرٕم نہٕ آیَن، حدیثَن مَسلَس   زَلَس منزگوس مُوٗھ زَن تارِے ۲۵۷

(وقت پر جو نصیحت مجھے کی جاتی تھی، اُسے میں نے اس طرح سے نظر انداز کیا جیسے ایک بڑے چٹان پر حقیر کنکر مارا جائے اور میں بیوقوف اکڑ کر چلتا بنا، میں نے قرآن کی آیات، احادیث مبارکہ اور ضروری مسائل کی طرف توجہ نہیں دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں مچھلی کی طرح

پانی میں رہتے ہوئے بھی (پیاس بجھانے کیلئے) پریشان اور سرگردان رہا)

اور پھر حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ:

دور یوٗد روزکھ فَرضَس تہٕ خبرے   اَدٕ حساب آسی نہٕ قیامُہ تام ۲۵۸

(اگر خدا کے حکم (قرآن) اور خبر (احادیث) پر مضبوطی سے ثابت قدم رہو گے تو قیامت تک "حساب اور احتساب کے خوف سے آزاد ہو جاؤ گے)

غرض حضرت شیخؒ نے بار بار قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَو انزلنا ھذا القُرآنَ عَلیٰ جَبَلٍ لَرَایتَہٗ خَاشِعَۃً مُتَصَدِعًا مِن خَشِیَۃِ اللّٰہ)

جناب شیخ نورالدین نورانیؒ نے اپنی روح پرور زبان میں اس آیۃ شریفہ کی ترجمانی اس طرح فرمائی ہے

قُرآن پران کونو موٗدکھ   قرآن پران گوٚے نوسوٗر
قُرآن پران زندٕ کیتھٕ روٗدکھ   قرآن پران دود مَنصوٗر ۲۵۹

(قرآن پڑھتے پڑھتے) اپنی بے علمی اور گناہوں اور اللہ کے قہر کو مدنظر رکھتے ہوئے) تم مرے کیوں نہیں) قرآن کی تلاوت کرتے کرتے تو تمہیں (خدا کی یاد اور بندگی میں) راکھ بن جانا چاہئے قرآن پڑھتے پڑھتے (یعنی اس میں غور وفکر کرنے کے عبد) تم زندہ کیسے رہے: قرآن پڑھنے اور سمجھنے کے بعد تو منصور (حلاج) جل کر راکھ ہو گیا)

وہ تدبر اور غور وفکر کے ساتھ قرآن پڑھنے کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَلایَتَدبَّرُوْنَ القُرآن اَم عَلیٰ قُلوبِھِم اَقفالُھَا (وہ قرآن میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے ہیں۔ کیا اُن کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں)

قُرآن پَران بے غم کیتھٕ روٗدکھ   یامتھ پھوٗرے اکہٕ ہوٗت ژوٗر ۲۶۰

(قرآن پڑھتے ہوئے تم (اللہ اور آخرت کی فکر سے) بے غم رہے کیسے؟ یہاں تک کہ دنیا کا مال ودولت جمع کرنے کی تگ ودو میں تمہارے دل میں (ایمان کو لوٹنے کیلئے) چور۔ شیطان گھس گیا)

لیکن جنہوں نے قرآن کو کماحقہٗ پڑھا فَالیَضحکُوا قلیلاً والیبکوا کثیراً کی جیتی

جاگتی تصویر بن گئے۔ حضرت میر سیّد علی ہمدانی کی ہدایات کے تحت ساداتِ کرام نے قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے اپنے ہاتھوں سے قرآن، ہی پارے اور پنج سورے کتابت کر کر کے گھر گھر پہنچا دیئے تھے۔

اسی کی طرف حضرت شیخ نورالدینؒ اپنے ایک شلوک میں اشارہ کرتے ہیں۔

گَن تھوٗتھرِ کنن بنیہٕ پنج سوٗرن   دوہہٕ اکہ نِنیہٕ حوٗرن منز ۲۶۱

(قرآن کی آیات اور پنج سورتوں کو دھیان سے سن لے، انہی کی برکت سے ایک دن تمہیں جنت کی حوروں کی مصاحبت عطا ہو گی)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت بتایا ہے، حضرت شیخ نے اس آیۃ کریمہ: وَنُنَزِّلُ مِنَ القُرآنِ مَاھُوَشِفَاءٌ وَرَحُمَۃٌ لِلمُومِنِین، کی ترجمانی یوں کی ہے

دوہے وُچھ زبرٕ حضرتِ قُرآنس   توٕ دِلُک دودہا ںلی
توٕ تھُر لگی شیطانَس   کرٛود موٗمُسَلمانَس پزے ۲۶۲

(تلاوتِ قرآن کو اپنا روزانہ معمول بنا، اس سے تمہارے دل کی بیماری دور ہو گی، اسی کی برکت سے شیطان شکست کھا کے بھاگ جائے گا، سنو پیارے! مسلمان کے حرص ولالچ کا غلام بننا شایاں نہیں) قرآنِ کریم کی باقاعدہ تلاوت کرنے والے سے شیطان ڈرتا ہے ۔

اَتھ کھور گنڈی تمی بَد شیطانَس   ییمی لَے کُر قُرآنس ستہٕ ۲۶۳

(جو قرآن سے اپنا تعلق جوڑتا ہے اُس نے شیطان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے)

اَلحَمدُ، قُلْ ھُوَاللّٰہ ، اَلتَّحیاتُ   پالکھ تہٕ چھے قرآنس یوتوٕ
نتہٕ اِبلیسن پرٛیان کوتوٕ   گوس پٹرن سگ تہٕ موٗلَن دزٕ وتو ۲۶۴

(اگر سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص اور التحیات، ہی پر مداومت کے ساتھ عمل کرو گے تو ان کا پڑھنا اور سمجھنا قرآن کے برابر ہے۔ (یعنی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرا اگر صرف اتنا ہی یاد ہو) ورنہ ابلیس نے تو بہت علم حاصل کیا تھا، لیکن بداعمالی اور نافرمانی کی وجہ سے اس کی بنیاد ہی اُکھڑ گئی)

قرآن کی عظمت اور اہمیت کو شیخ نورانیؒ نے بار بار واضح فرمایا ہے۔ اسی کے ساتھ

ساتھ انہوں نے احادیث مبارکہ کو سلیس کشمیری زبان میں پیش کیا ہے۔

ایسے اکثر شلوک زبان زدعام وخاص ہیں، مثلاً

سُہ چھُنہ وُچھان قیلَس تہٕ قالَس　　سُہ چھُ وچھان دِلہٕ کِس حالس کُن ۲۶۵

(اللہ قیل وقال کی طرف نہیں دیکھتا ہے، بلکہ وہ دل کے حال کو جانتا ہے) یہ اس حدیث مبارکہ کی ترجمانی ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَایَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِ کُمْ وَاَجسادِ کُم وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلیٰ قُلُوبِکُم وَاَعْمَالِکُم۔

حدیث شریف ہے "الصحبتُ مُؤثرؔا۔ اِس کی وضاحت یوں کی گئی ہے

زاڈے پُش دِوٚلؤ او ذاتو　　کھیَس نہٕ گرٚگُن تہٕ گاوٚ

سُہ یێلہِ شُہس شیرِ ووتو　　سُہ اَو ذاتو درینٹھ گَتہ آو ۲۶۶

(ایک معمولی پودا جسے گھوڑا، بیل اور گائے بھی نہیں کھاتے ہیں۔ لیکن جب گلدستہ باندھنے کے کام میں لایا جاتا ہے، وہ پھولوں (گلدستہ) کے ساتھ شاہی دربار میں پہنچ جاتا ہے پھر وہ پودا معمولی کیسے رہا؟)

ایک اور جگہ واضح طور پر اس حدیث مبارکہ کی تشریف کی ہے اور مثالوں سے "صحبت صالح" کے فائدے اور "صحبت طالح" کے نقصانات بیان فرمائے ہیں۔

نُندبن یَتھمن سٟز کران زٕ کر زِے　　زن دِزے شاہ وُلگِہ کنٟز

ڈِٹھمن یَتھمن سٟز کران ژٕ کر زِے　　زانِہہ اُژٕ زِنہٕ تَمنِن بانن مٟنز ۲۶۷

(نیکوکار اور متقی لوگوں کی صحبت اختیار کر لے۔ اُن کی صحبت تمہیں جلا بخشے گی (جس طرح "شاہؤ لگ" (ایک خاص قسم کی کشمیری دھان جس کے چاول خوشبودار ہوتے ہیں) اوکھلی میں کوٹے جانے کے بعد، صاف وشفاف خوشبودار چاول بن جاتی ہے۔ بدکار اور گمراہ لوگوں کی صحبت سے دور بھاگو، اُن کی صحبت سے ڈرو، کبھی کالک لگے برتنوں میں نہ بیٹھنا۔ بدکاروں کی صحبت تمہارے دل کو سیاہ کردے گی)

حدیث مبارکہ ہے "الکَاسِبُ حبیب اللہ" اس کی تشریح حضرتِ شیخ نے اس طرح فرمائی ہے

گسب یِم گرٚن تہٕ نماز گٚذارن　　نُندی تِم یتھ سمسارس زاے

چھٚکھ لاگنے بُدِتھ پالنٕے کرن　　پُتھ پیٚگھ بُڈ رٕہکاے ۲۶۸

تارِ ترٚن تہٕ نارِ اُبرٚن　　تُوے فیض دِیگھ پانٕہ خداے

(اس دنیا میں نیک بخت وہی لوگ ہیں جو کسب و ہنر سیکھتے ہیں اور نماز کے پابند ہیں۔ یہ دنیا کی کھیتی اور اس کا پھل انہیں کیلئے ہے۔ اور (حلال خوری کا) انہیں اچھا معاوضہ دیا جائے گا۔ وہی پُلِ صراط کو پار کریں گے اور جہنم کی آگ سے بچ جائیں گے۔ انہیں کسب و ہنر سے حاصل کئے ہوئے حلال رزق پر مطمئن رہنے کے بدلے میں اللہ فیضیاب کرے گا)

حدیث مبارکہ ہے "لَارُھبَانِیةَ فِی الاِسْلَام" اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے

وَنن پٕژرٕ تہٕ واندر آسَن　　گگر گوپھن برٚن واس

یِم پانٕژن وقتن اکمل آسَن　　نِشہ باٗژن آسَن تِمے چھِ خاص ۲۶۹

(جنگلوں میں تو بندر رہتے ہیں اور چوہے گپھاؤں اور غاروں میں۔ یہ انسان کا کام نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور غاروں میں الگ تھلگ زندگی گذارے، جو لوگ پانچوں وقت کی نماز پوری پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اپنے اہل وعیال میں زندگی گذارتے ہیں وہی اکمل (کامل ترین صوفی اور فقیر) اور اللہ کے خاص بندے ہیں)

حدیث پاک "اَلدُّنیامَزرَعَۃُ الآخرۃ" کی حضرت شیخ کی کی ہوئی تشریح گذشتہ صفحات میں ایک جگہ تحریر ہو چکی ہے۔ لیکن یہاں ایک شلوک کا صرف ایک مصرعہ پیش خدمت ہے جو کشمیری زبان میں ضرب المثل بن چکا ہے

یێمہ یُتھ ووو، تِمہ تیٚتھ لونو ۲۷۰

(جو جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹے گا) حضرت شیخ کی دوسری بڑی نظم کا تکرار کا مصرعہ بھی اسی حدیث پاک کی ترجمانی ہے اور وہ بھی ضرب المثل بن چکا ہے۔

"یُس گرِ گونٚگل سُے گرِ کزاو" ۲۷۱

(جو کھیتی کرے گا وہی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ انسان اس لئے مختلف قبیلوں میں بانٹے گئے ہیں تا کہ وہ

ایک دوسرے کو پہچانیں، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں وہی معزز و مکرم ہے جو زیادہ متقی ہو، کشمیر میں ہندو دور حکومت میں غریب ہندو اور بودھ حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ کیونکہ یہاں ذات پات کا نظام سختی سے نافذ تھا۔ جناب سیّد علی ہمدانیؒ اور اُن کے رُفقا کی کوششوں سے کشمیر کے عام لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں آ گئے۔ کشمیر ان بابرکت ایام میں یَدخُلونَ فِی دِینِ اللّٰہِ اَفْوَاجَا۔ کا روح پرور منظر پیش کر رہا تھا۔ نومسلموں کی صحیح تربیت ہر لحاظ سے ضروری تھی۔ ان میں ہندو دھرم کے ''اونچے ذات'' والے بھی شامل تھے، لیکن اُن میں یہ بات راسخ کرنی تھی کہ اسلام میں ذات پات اور اونچ نیچ کا کوئی مذہبی عقیدہ یا ''اصول'' نہیں ہے۔ حضرت شیخ نورالدین نورانی نے میر محمد ہمدانیؒ سے اسلام کی مکمل تربیت کے حصول کے بعد تبلیغ اسلام کو اپنے لئے فرض قرار دیا اور انسانیت کے لئے ذات پات کے توہین آمیز عقیدہ کی بیخ کنی کی کوشش کرتے رہے جس میں وہ کامیاب و کامران رہے۔

ذوت چھُ دپان ذاتِ چھےٚ میٲنی   تَس عقل تہٕ بود ، دٲنی مو
اُلگ ذات نَکَس کُنی   پُلگ ذات کاژسہ کُنی مو
نۆد یوے آسی اسلاٴمنی   تۆ کھوتہ ذات کانْھہ پڑنی مو ۲۷۲

(برخود غلط) ''اونچی'' ذات والا کہتا ہے کہ (اعلیٰ) میری ہی ذات ہے، لیکن وہ عقل و دانش سے قطعی طور پر بے بہرہ ہے۔ دُنیا میں پیدا ہوئے اور ہونے والے ہر انسان کی ذات تو ایک ہی ہے۔ وہ ہے ''انسان کی ذات''۔ لیکن عُقبیٰ میں ہر ایک کی ایک جیسی اور یکساں ذات نہیں ہے۔ ہاں اگر تمہاری روح میں اسلام کی خوشبو، رچی اور بسی ہوئی ہے۔ اگر تم مسلم اور مومن ہو، تو اُس سے زیادہ خوبصورت، روشن اور نورانی کوئی ذات نہیں ہے)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کے بارے میں یہی فرمایا تھا ''سلمان ابنِ اسلام''

''غیبت'' اور چغلی کھانا، ذلیل جرائم میں سے ہیں۔ اس سے انسانی معاشرے میں زبردست بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ ایک گھر، اور ایک سماج میں غیبت اور چغلی سے اندر ہی اندر گھن لگتا

ہے۔ چغل خور، باپ کو بیٹے، بھائی کو بھائی سے بدگمان کرتے ہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بچنے کی زبردست تاکید فرمائی ہے۔ اور چغل خور اور غیبت کرنے والے کے لئے زبردست وعید سنائی ہے۔ احادیث مبارک ہیں: لَاتَحَسَّسُو لَاتَجَسَّسُوْ لَاتَدَابَرو اور وَمَن یَتَبع السَمَعة یسمعُ اللّٰہ (لوگوں کی عیب جوئی نہ کرو نہ ایسی باتیں سنو نہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرو اور جو چغلی پھیلاتا ہے اللہ اس کی رسوائی عام کرتا ہے) ان کی ترجمانی حضرت شیخ کی زبان میں ملاحظہ فرمایئے۔

کَندیو مازوٗلگہٕ ہِندِس قِصَس   مُنافِقَس لَدَن بورو
دوز خِنہٕ نارٕ لاگِنَس پاکس   اَدٕ نا پاکس پھکھ ییہ ژوٗپورو ۲۷۳

(لوگوں کے پوشیدہ حالات کی ٹوہ میں کیوں لگ جائیں اور پھر داستانیں بیان کریں۔ منافق کے کاندھوں پر بہت خطرناک (عذاب) کا بوجھ لادا جائے گا۔ دوزخ کی آگ میں جب اُسے پکائیں گے تو اس کے ناپاک وجود سے ہر طرف بدبو پھیل جائے گی)

اسی طرح حضرت شیخ کے کلام میں آیاتِ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی دلنشین تشریح و ترجمانی اس کثرت سے نظر سے گذرتی ہے کہ ان کا باترجمہ پیش کرنا باعث طوالت ہوگا۔ سلسلۂ کبرویہ کا ذکر کرتے وقت ایسی مزید مثالیں پیش ہو رہی ہیں۔ لیکن یہاں حضرت شیخ کے کلام سے چند ایسے شلوک پیش کئے جا رہے ہیں، جن میں وہ عامۃ المسلمین سے تاکیداً تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ زندگی کے تمام معاملات میں اسلام کی پیروی اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل متابعت کریں اور ہندوؤں کی پیروی، اور اُن سے کسی بھی قسم کی مشابہت ترک کریں۔

ہارِندو ہیندِ بن ہنزٕ کامہ ترٲوِک تۆ   پرٲوِک تَو سأری حَقہٕ ہنزٕ وَتھ
حضرت مُحَمّدؐ مَتہٕ مُشْر راٲوِک تۆ   اَسہ بَن دوزخَس تَمَن روزِ گَتھ ۲۷۴

(اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو مسلمانو! ہندوؤں کے کام، اُن کے طور اور طریقے اور اُن کی پیروی مکمل طور پر چھوڑ دو تم سب اللہ کی راہ لگ جاؤ (صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاؤ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس، ابن کے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور اُن کی محبت کو بھی

فراموش نہ کرنا، (اُس صورت میں) ہمیں جہنم میں دھکیلا جائے گا، لیکن (رب کائنات کی طرف سے) اس بات کی (ہماری بے عملی اور گناہ گاری کی) شکایت اُن تک پہنچ جائے گی (جو ہماری رسوائی کا مزید سامان ہوگا)

چند اور شعروں میں حضرت شیخ واضح طور پر اپنی بات کہتے ہیں۔

مسلمان یم ہندیُت پالَن ۔۔۔ شکّن کیاہ کرن کیاہ کرن بوئے
یقین چھک کُفرُک مسلمأنی تھپن ۔۔۔ سینہ چھکھنہٖ صاف چھک بدخوئے
گُہہ یم لِوَن تہٖ نعمُو چھکن ۔۔۔ تم قیامُہ دوہ دوتھن سیاہ روئے [۷۵]

(مسلمان جو ہندوؤں کے طور اور طریقے، رسم و رواج پالتے ہیں شک اور تذبذب میں مبتلا ہیں۔ عملاً تو یہ کفر پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں اور ظاہر میں مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اِن کے سینوں میں (کفر و شرک) کا میل ہے، اسی لئے یہ بدخُو ہیں۔ گوبر (گائے کا) جیسی ناپاک چیز سے یہ گھر کی دیواروں اور بیٹھنے کی جگہ کی لپائی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کی حلال کی ہوئی نعمتوں کو (غلط طور پر عبادت جان کر) پھینک دیتے ہیں اور اپنے اوپر حرام کرتے ہیں (مثلاً گوشت کو) قیامت کے دِن یہ قبروں سے روسیاہ ہوکر اُٹھیں گے)

کشمیر کے ہندو گائے کے گوبر کو بھی مُقدّس جانتے ہیں، اس سے وہ اپنے مکان کے برآمدے، دہلیز، کمروں اور چولہوں پر لپائی کرتے ہیں اور گوشت خوری کو کچھ ہندو معیوب اور گناہ سمجھتے ہیں۔ انہیں ''وشنوی'' کہا جاتا ہے۔ شیخ نورالدین ریشی پر یہی نام نہاد ہندو موّرخ تہمت باندھتے ہیں کہ وہ اپنی ساری عمر میں تارِک لحم و نعم تھے۔ جبکہ انہوں نے اس کی تکذیب اور تردید کی ہے۔ حضرت شیخ کے قرآن و احادیث سے سرشار کلام سے اکثر کشمیری ہندو موّرخ اور ادیب جان بوجھ کر اور بہت سے سہل انگار مسلمان ادیب اور محقق رواروی اور سیکیولرازم کے ساتھ اپنے مفادات کی وابستگی کی بناء پر، نہ صرف چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ حضرت شیخ کے کلام کو توڑ مروڑ کر اور غلط تاویل کر کے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اُن کی تحریک کو میر سیّد علی ہمدانیؒ کی اسلامی تحریک کے مخالف کے طور پر Project کرتے ہیں۔

مآخذ و حوالہ جات

۱. دیکھئے مشمولہ نسب نامہ کشمیری سلاطین۔ مخطوطہ، ذاتی لائبریری

۲. فتح نامۂ سندھ (چچ نامہ) علی بن حامد بن ابی بکر الکوفی۔ مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ۔ پاکستان ۱۹۸۳ء ص ۱۰، ص ۲۷، ص ۲۵ وقاعات کشمیر دِ مری ص...... تاریخ حسن جلد ۲ ص...... جلد ۳......

۳. واقعات کشمیر ص...... تاریخ حسن

۴، ۵، ۶، ۷، ۸۔ رسالۂ ''انہار'' کشمیری، کشمیر یونیورسٹی سال ۱۹۸۸ء ص ۱۰۴

۹۔۱۰. بھارتیہ سنسکرت کا دکاس ص ۱۲، ص ۸۵

۱۱. خصوصاً وردھمان اور گوتم بدھ کی تحریکیں، جنہوں نے مقامی زبانوں میں پرچار کر کے سنسکرت زبان کی بالادستی کو ختم کر کے رکھ دیا، اور کہا گیا ہے ''سنسکرت ہے کوپ جل بھاشا بہتا نیر'' کبیر بھاشا کے انگ ساکھی ص ۱۷۱ اور دیکھئے
Influence of Islam onIndian culture : Dr. Tara CHand PP 103.

۱۲. ''انہار'' ص ۱۴، ۱۰۸، ۱۹۸۸ء عبدِ زین العابدین ۱۴۲۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ اندازہ ہے کہ ''بھٹ اوتار'' نے ''باناسُر کھتا'' ۱۴۴۲ء میں لکھی، لیکن اس کی جائے پیدائش و وفات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

۱۳، ۱۴. لل دید ص ۱۹۸ کلیات کلچرل اکادمی سرینگر

۱۵. اسرارالابرار........... خوارق السالکین

۱۶. کلیات شیخ العالم ص ۱۳۰

۱۷. ایضاً ص ۴۷

۱۸. Primitive culture Vol I, A.B. Tylor

۱۹. Anthropology : A.L. Carbor. PP 252

۲۰. اولین دور میں یہ حال مصر، یمن، عراق اور شام کا ہوا اور بعد میں ایران وغیرہ کا

۲۱، ۲۲. الحدیث: اُطلب العلم ولَو کان بِالصین۔

۲۳. حسانؓ بن ثابت، کعب بن زبیرؓ وغیرہ

۲۴. واقعات کشمیر...... وغیرہ

۲۵، ۲۶، ۲۷: تاریخ حسن

۲۸. لل دید ص...... یہ کوئی صحیح تاریخ نہیں ہے بلکہ محض اندازہ ہے۔

۲۹. تاریخ حسن...... واقعات کشمیر ص ۳۴، ص ۳۵

۳۰. تاریخ حسن...... لل کو حضرت امیر کبیرؒ بجبہارا میں ملا، مندر کا واقعہ اور سدھیشر سے گفتگو بج بہارا کے وجیشور مندر میں ہوئی، وفات کے بعد لل کو بجبہارا ہی میں خانقاہ سید محمد قریشیؒ کے دائیں طرف دفن کیا گیا اور بعد میں سید۔

محمد قریشیؒ کو بھی ذرا آگے وہیں پر دفن کیا گیا۔ دونوں کی قبریں آج بھی محفوظ و موجود ہیں۔ دیکھئے نورنامہ بابا نصیب الدین غازی۔ مخطوطہ مملوکہ ریسرچ لائبریری، حضرت بل سرینگر فولیو............ کیٹلاگ نمبر ۳۱ 'لل دید' صف ۲۲۴ واکھ نمبر ۱۴۳۔

۳۲. اسٹرگل فار فریڈم = پریم ناتھ بزاز ص ۸۳ لل دید کے بارے میں اولین معتبر اور مستند شہادت بابا نصیب الدین غازیؒ کا ''نورنامہ'' ہے۔

۳۳. 'پنجاب میں اُردو' پروفیسر محمود شیرانی ص ۱۴۵

۳۴. راج ترنگنی کلہن، راج ترنگنی میں ایسی شہادتیں بین السطور پڑھی جاسکتی ہیں۔

۳۵. ایضاً........... اس میں ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں۔

۳۶. ایضاً

۳۷. واقعاتِ کشمیر...... تاریخ حسن

۳۸. تاریخ حسن

۳۹. کشمیر کے کئی ایک مزاروں میں ایسے کتبے آج تک موجود ہیں۔

۴۰، ۴۱. لل دید

۴۲، ۴۳. واقعات کشمیر ص...... تاریخ حسن

۴۴. کلام شیخ العالم اسد اللہ آفاقی

۴۵. حضرت شیخ العالم کے بارے میں مطبوعہ کتاب، غلام محمد نور محمد تاجران کتب سرینگر

۴۶، ۴۷. کلامِ شیخ العالم

۴۸. بہت سے سادات نے کشمیری زبان میں کتابیں لکھیں اور ترجمے بھی کئے

۴۹. سلطان زین العابدین نے راج ترنگنی وغیرہ کا ترجمہ کرایا اور حضرت شیخ العالمؒ کے کشمیری کلام کا سنسکرت زبان میں بھی ترجمہ کرایا، جواب ناپید ہے۔

۵۰......۵۷ کلام اور ذکر اب بھی ملتا ہے گو کہ وہ بہت کم ہے۔

۵۸. لل دید

۵۹. کلام شیخ

۶۰، ۶۲. کلام شیخ

۶۳. کلام شیخ میں اس کی مثال ملتی ہے...... یا شلمہ بی بی کا حضرت شیخ کی وفات پر کہا ہوا مرثیہ جس میں ''دوج'' (ٹیپ) کا مصرعہ ہے۔

۶۴. ایضاً

۶۵. اصلی کشمیری موسیقی (غلام محمد نور محمد)

۶۶، ۶۷. ایضاً

۶۸......۸۰ کلام شیخ

۸۱. کأشر شاعری، پروفیسر غلام محی الدین حاجنی

۸۲. کلام شیخ...... مَلَے ڈلِ زِتہِ مولوی رُومیؒ...... الخ

۸۳. اب مطبوعہ بھی ہے

۸۴......۸۸ کلام شیخ (غلام محمد نور محمد)

۸۹. مخطوطہ...... ذاتی لائبریری غلام محمد شاد

۹۰، ۹۲. ایضاً

۹۳. رامائن وغیرہ

۹۴. مثلاً میرے عزیز شاگرد غلام محمد رفیق صاحب کی مثنوی ''عرفان وجود''

۹۵. مولانا رومیؒ کی مثنوی میں درج، ''حضرت موسیٰ اور شبان' کا قصہ ''نے'' اور دیگر قصے

۹۶. لل دید

۹۷، ۱۰۶. کلام شیخ (غ م ن م)

۱۰۷. شیرازہ جلد ۱۰ شمارہ ۱ سال ۱۹۷۸ء مضمون 'کأشر شاعرس زنانن ہُند حصہ ص ۶ ۔ ۲۹ جی ایم شاد

۱۰۸. وعظ مجلسہ: مخطوطاتِ ذاتی لائبریری غلام محمد شاد

۱۰۹. تاریخ حسن...... ''کشیر'' جی ایم ڈی صوفی ص

۱۱۰. ایضاً ایضاً

۱۱۱. ایضاً ایضاً

۱۱۲. زینہ راج ترنگنی: شری ور

۱۱۳. واقعاتِ کشمیر دِدّمری ص ۷۰ سلطان المجاہدین، حسن حصہ سیوم ۱۳۰

۱۱۴. وردالمریدین۔ حضرت بابا داؤد خاکیؒ

۱۱۵، ۱۱۶. 'Kashir' G.M.D Sufi PP 557-559

۱۱۷. خطِ سرو، یا خطِ کم صُلایہ خُفیہ ٹائپ کا کوئی خط پیغام رسانی میں استعمال کیا جاتا تھا۔

۱۱۸، ۱۱۹. 'Kashir' G.M.D. Sufi PP 576-577

۱۲۰. George Forster : Journey PP-22

۱۲۱. The Journal of Pakistan Asiatic SOciety Vol 1 1956 "Music in North India During Sayyed & Lodhi Dynasty" By Prof Abdul Haleem of Dacca University

۱۲۲. Legacy of Islam: Thomas Arnol PP 509

۱۲۳. Ibid PP 520

۱۲۴. کشمیری زبان اور شاعری جلد اعبدالاحد آزاد، مقدمہ علی جواد زیدی ص ۵۹، کلچرل اکاڈمی سرینگر

۱۲۵. Kashmir Under Sultans : Prof Muhibbul Hasan PP 396

۱۲۶. Ibid

۱۲۷. Ibid

۱۲۸. ہفت اقلیم، امین احمد رازی خطی نُسخہ ورق ۱۵۶ الف
۱۲۹. دیباچۂ ذخیرۃ الملوک۔ میر سید علی ہمدانی، نُسخۂ خطی، مولانا آزاد لائبریری بھوپال (مدھیہ پردیش)
۱۳۰. کمپن پتریکا، پریاگ جلد ۴۵ عدد ۲،۴ آشون شک ۱۸۸۱ ص ۸۷۔۸۹
۱۳۱. سورساگر ۶۹ بچن رسال سرتی، اور ''بھولی بن بن مُرلی ناد'' پرمانند داس ص ۳۴۹
۱۳۲. کافی راگ ''منکھ گادیں مُرلی بجاویں ری'' سورساگر ص ۲۸۸۷
۱۳۳. 'تال تری وٹ تیکار چانچر کھیل سنائیے'، کمھن داس ص ۲۷ اور 'ناچت کنور چھتار، سورساگر ص ۱۱۸۰ اور راگ کیدار، وچر چری تال سا بجے جیت سوامی ص ۱۱۸
۱۳۴. یہ سب وسطِ ایشیائی موسیقی کے مقامات میں شامل۔ دیکھئے 'بحورالامان'' از مرزا ناصر ص ۱۵ اور ملاحظہ ہو اصلی کشمیری موسیقی (غلام محمد نور محمد سرینگر) نیز دیکھئے تزکِ جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۸ ذکرِ ہندوستانی موسیقی...... نیز ملاحظہ ہو رسالۂ ''زمانہ'' کانپور ج ۲۷ نمبر ۱۶۴ ص ۹۵۔۱۹۴
۱۳۵۔۱۳۷. ایضاً اور اصلی کشمیری موسیقی
۱۳۸. An outline of the cultural History of India .
"Music" By Abdul-Latif : The Institute of Indo-Middle East cultural studies. Haidarabad. Dr. PP 334 & Hindi Sahitya Ka Itihas PP 655, 739
۱۳۹. کشمیر بہ عہد سلاطین، مُحب الحسن (اُردو ترجمہ) ص ۴۲۲
۱۴۰. Zaina Raja Tarangini Srivara PP 231
۱۴۱. Kashir " G.M.D. Sufi Vol II PP 135
۱۴۲. Ibid & Tuzuki Jehangiri Vol II PP-148
۱۴۳. Journal of Pakistan Asiatic Society Vol Ist 1956
۱۴۴. Kashmir (Journal) No : IV No VI, Vol I PP-14
۱۴۵. بہارستان کشمیر خطی نُسخہ فولیو ۲۶/الف اور تزکِ جہانگیری جلد ۲ ص ۱۴۸
۱۴۶. Kashmir Under the Sultans (Urdu) P-424
۱۴۷. Zaina Raja Tarangini: Srivara P-136
۱۴۸. ذخیرۃ الملوک: میر سید علی ہمدانی۔ دیباچہ خطی نُسخہ مولانا آزاد لائبریری بھوپال
۱۴۹. Journal of Pakistan Asiatic SOciety Vol I 1956
& Islamic Culture in Kashmir : G.M.D. Sufi, PP 224, 225
۱۵۰. کشمیر بہ عہد سلاطین: مُحب الحسن (اُردو ترجمہ) ص ۴۲۲
۱۵۱، ۱۵۲. ایضاً ص ۴۲۲، ص ۴۲۳
۱۵۳. ہمارے دور میں بھی سید مبارک شاہ فطرت، پیر نظام الدین کاملی (نظہ صاب) شمس الدین حیرت کاملی پاندانی،...... خواجہ محمد خلیل زرگر اسلام آبادی، جیسے بزرگ لوگ بھی فن موسیقی میں ماہر تھے اور اس سے شغف

رکھتے تھے۔
۱۵۴. Kashmir Vol IV No VI &Vol I No 14, PP 135-136
۱۵۵. میراثِ اسلام۔ تھامس آرنالڈ ص ۵۴
۱۵۶. ہمارا ادب ۸۱۔۱۹۸۰ء کلچرل اکاڈمی سرینگر ص ۱۱۸
۱۵۷. کلیات نسم شاہ۔ مرتبہ۔ جی ایم شاد غیر مطبوعہ
۱۵۸. ہمارا ادب۔ محولہ بالا ص ۱۸۱
۱۵۹. کشمیر (رسالہ) جلد ۱ شمارہ ۱۴ اور جلد ۴، نمبر ۴۔ عرب سے خراسان پہنچا جہاں سے اِسے کسی صوفی بزرگ نے سلطان زین العابدین کے عہد میں کشمیر لایا۔ نیز دیکھئے History of Arabian Music: Farmer PP -210
۱۶۰. ڈھنڈورا پیٹنے کو سنسکرت زبان میں ''تُرے'' کہتے ہیں اور ڈھنڈورچی (پارپہ وائل) کو تُرے، تَرے یا ٹورے کہا گیا کشمیر زبان میں۔ اب یہ ذات بن گئی ہے۔
۱۶۱. توحید اور ویدانتی وحدتِ وجود (اَدویت واد) میں بُعدالمشرقین ہے، اَدویت واد میں خدا سے زوجیت، ولدیت، ابنیت اور شوہریت جیسے رشتوں پر مشتمل معتقدات ملتے ہیں مثلاً ہری میرا پیو ہے میں ہری کی بہوریا، رام بڑے چھنک لہریا'' اور ''ہری جننی میں بالک تیرا'' کبیر گرنتھاولی ص ۹۴، ۹۵
۱۶۲، ۱۶۳. لل دید، شلوک............
۱۶۴. مثنوی مولانا روم (مرتب تلمذ حسین)
۱۶۵، ۱۶۷. لل دید شلوک ۱۶۰ وغیرہ ص ۱۶۰
۱۶۸. لل دید ص
۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱ لل دید ص ۱۳۶ کلچرل اکاڈمی
۱۷۲. Struggle For Freedom in Kashmir P. N. Bazaz PP 84,85
۱۷۳، ۱۹۷. لل دید کلچرل اکاڈمی سرینگر
۱۹۸. لل دید

لیکہٕ تہٕ تھوکہٕ پٹھ شیرِ ہیٚنزم — غیندا سپنم پتھ بزنٛتھ تاٗز
دود کیا زلنہِ یَس نو بٔنے — عمکُرِ جلیہ ہا ڈلِتھ تنے
گرٕ گرٕپھیرٕس تیَم کنے — ڈیٚوٗھم تہٕ کانٛھ پٔنہٕ کِنے

۱۹۹. Struggle for Freedom in Kashmir PP-88
۲۰۰. Ibid............ PP-90
۲۰۱. کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ تواریخ کے ایک اُستاد کی غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی تھیسس، وغیرہ
۲۰۲، ۲۷۵. کلیات شیخ العالمؒ، کلچرل اکاڈمی سرینگر

سلسلۂ کُبرویہ ہمدانیہ اور کشمیری ادب

حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ نے خود اور اُن کے معزز رُفقاء نے وادئ کشمیر، لداخ، سکردو، بلتستان اور گلگت میں نہ صرف توحید کے اسلامی نظریہ کی تبلیغ واشاعت ہی کی، بلکہ اپنے کردار اور اسلوب زندگی سے بھی حضور رسالت مآبؐ کے اُسوۂ حسنہ کی زندہ اور عملی مثال بھی پیش اور اپنی مسلسل کوششوں سے کشمیر کے لوگوں کو دین ودنیا کے فوز وفلاح سے ہمکنار کیا۔

اپنے ظاہر وباطن کو ہر حال اور ہر سانس میں ذکرِ حق سے سرشار رکھنا اور اپنے قلب و صدر کو اللہ تعالیٰ کیلئے وقف کرنا اور پھر عملی طور پر حضور پُرنورؐ کے اُسوۂ حسنہ کا نمونہ پیش کرنا، تَصَوُّف اور احسان کہلاتا ہے۔ ''تصوف کی بنیاد اسلامی اور یقیناً اسلامی ہے''[1]۔ تصوف اسلام کی عملی اور باطنی تفسیر ہے اس کی بنیاد عرفانِ خالق کائنات ہے جو تمام شرک وتجسیم سے منزہ اور پاک ہے۔ اس کا منبع ذاتِ فیض پناہ حضرت رسولؐ برحق ہے، جو اپنے فیض و برکت اور رحمت میں بعدِ ربّ کائنات بے مثال ہے اور رسول کی حیثیت میں آخری پیغمبر ہے، جس کی شریعت مکمل اور جس پر نازل شدہ کتاب ''القرآن'' ہر قسم کے شک وریب اور تحریف وتبدیلی سے پاک اور محفوظ ہے۔ تصوف کا مقصد آدم گری ہے اور اس کا ہدف وحدتِ آدم ہے، اسی لئے وحدتِ اِلٰہہ، وحدتِ رسالت اور وحدتِ آدم (اُمّت) اسلامی نظامِ حیات کی اہم بنیادیں ہیں۔ وحدتِ آدم کا تصور دوسرے تمام ادیان میں ایک خوش کن فلسفہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ہے۔ لیکن پیغمبرؐ برحق نے وحدتِ الٰہہ کی بنیاد پر وحدتِ آدم کے قرآنی نظریہ کو ایک حقیقت کے طور پر عملی جامہ پہنایا، جس کو خلفائے راشدین نے پروان چڑھایا اور بعد میں صوفیائے کرام نے اِسے اپنے قول وفعل سے شایع ہی نہیں کیا بلکہ قائم وجاری بھی کیا، حضور پرنور کا فرمان ہے کہ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اس لحاظ سے، انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ نسل، رنگ، قومیت، زبان، تہذیب وتمدُّن اور جنس کی بنیاد پر نہ کوئی اعلیٰ ہے اور نہ کوئی ادنیٰ۔

عظمت اور بلندی کیلئے صرف تقویٰ، خوف خدا، پاکیزگی اور حسن اخلاق معیار ہیں۔ اللہ کے فرمان اِنَّ اَکْرَمَکُم عِنْدَ اللّٰہِ اَتقٰکُم (قرآن) اور ''الخلقُ عَیَالُ اللّٰہ'' اور احادیث رسول مقبولؐ کُلُکُم مِن آدَمَ وَآدَمَ مِنْ تُراب (تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اور آدمی کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے) (اس لئے تم میں کوئی کسی سے برتر اور کمتر نہیں ہے) اور لَافَضْلُ لِعَرَبِی علیٰ عَجَمی وَلَالِعَجَمی علیٰ عَرَبِی وَلَالَاحمَر عَلَیٰ اَسْوَد وَلَالَاسَوَد عَلٰی اَحمَرِ اِلَّا بِالتَّقْوَیٰ او کماقال کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی تفوق و برتری حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف تقویٰ، پرہیزگاری اور خداترسی کی بنیاد پر۔ خدا کی نظروں میں معزز اور برتر ہونے کیلئے کسی زبان، کسی رنگ ونسل، قوم ووطن کی کوئی شرط اور قید نہیں) کا یہی مطلب ہے۔

اسلام کی آمد سے قبل کشمیری سماج، اونچ نیچ، ذات پات اور کفر وشرک کی لعنت میں مبتلا تھا، بت پرستی، شخصیت پرستی، برہمن واد اور پروہت پوجا نے مہیب صورت اختیار کرلی تھی۔ پنڈت کلہن کی راج ترنگنی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے اور ساداتِ کرام کی صورت میں یہاں کے لوگوں نے جب اسلامی تعلیمات کا چلتا پھرتا نمونہ دیکھا اور وحدتِ اِلٰہہ اور وحدتِ آدم کے نظریہ کو عملاً برروئے کار دیکھا تو سماج پر اِن برکتوں کے اثرات کا گہرائی کے ساتھ مترتب ہونا ایک بدیہی اور فطری نتیجہ تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان وادب بھی خارجی ہیئت اور داخلی صورت کی نئی تبدیلیوں سے روشناس ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ لل دید نے جو نئے حالات اور تبدیلیوں سے سب سے پہلے متاثر ہوئی، بت پرستی، ذات پات، چھوت چھات، برہمن واد، پروہتوں کی اجارہ داری اور ہندو سماج کے فرسودہ عقاید اور توہمات کی زبردست مخالفت کی اور توحید اسلامی کا پیش کردہ مساواتِ انسان کا نظریہ اپنایا، جس پر اُسے اپنے زوال پذیر ہندو سماج نے ہر قسم کے طنز وحقارت کا ہدف بنایا[2]۔

ساداتِ کرام مختلف علوم وفنون میں ماہر تھے، کچھ معمار تھے، کچھ نجار تھے، کچھ دباغت، کاغذسازی، جلدسازی اور کتابت میں مہارت رکھتے تھے۔ کچھ دیگر ہنر اور فنون میں ماہر تھے۔ کچھ علماء اور فقہاء تھے۔ جو کشمیر میں افتا اور قضا کے اہم عہدوں پر تعینات

ہوئے۔ بہت سے درس وتدریس اور تبلیغ کے اہم کام میں جٹ گئے۔ کچھ مدد معاش زمینیں ملنے پر کاشتکاری میں بھی لگ گئے۔ معماروں اور نجاروں نے مساجد، خانقاہیں اور مدارس تعمیر کرنے میں اپنے ہنر اور فن کو استعمال کیا[3]۔ کچھ سادات باقاعدہ سیاست وقت پر اثر انداز ہوئے[4]۔ لیکن اکثر سادات اپنی پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری کے قوی رجحان کی وجہ سے لوگوں کے رُشد وہدایت کے اہم ترین کام میں لگ گئے۔ کشمیر کی مجموعی زندگی پر ساداتِ کرام کا اثر اُن کے علم وتقویٰ، انسان دوستی اور ہمدردی آخرت پسندی، دیانت، حلال خوری، بے نفسی اور روحانی فضیلت اور برتری کی وجہ سے پڑا۔ اسی لئے عوام الناس نہ صرف اُن کا احترام کرتے تھے، بلکہ اُن کی عقیدت بھی رکھتے تھے۔ وہ نہایت ہی سادہ اور بے لوث زندگی گذارتے تھے۔ لیکن نہ وہ تارکِ دُنیا ہوکر رہبان یا سنیاسی ہوئے اور نہ عوام اور اُن کے روزمرّہ مسائل سے لاتعلق رہے۔ وہ عام لوگوں میں کسی بھی برتری کے احساس کے بغیر، زندگی گذارتے تھے۔ متاہل زندگی گذارتے تھے، لوگوں کے کاموں اور اُن کے مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی اور سرگرمی کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ حضرت میر سیّدعلی ہمدانیؒ نے واضح طور پر کہا تھا کہ ''مسلمانوں کی زندگی اسلام کے مطابق ہو اور انہیں راہبانہ اور اذیّت کوشی کی زندگی نہیں گذارنی چاہیے''[5]۔ ان کا ایمان متوازن زندگی پر تھا۔ اِن سب خصوصیات کے ساتھ بہت سے سادات کرام جلیل القدر صوفی بھی تھے۔

اسلامی تصوف کی بنیاد کشمیر میں ساداتِ کرام نے ہی ڈال دی۔ تصوف کے چار بڑے سلسلے ہیں قادری، سہروردی، کبروی اور نقشبندی، چاروں کشمیر میں رائج ہوئے اُن میں کچھ کامیاب بھی رہے۔ سہروردی سلسلہ اگرچہ کشمیر میں حضرت سیّدشرف الدین بلبل شاہؒ کے ذریعہ سب سے پہلے پہنچا لیکن یہ اُن کی وفات کے ساتھ ہی پس منظر میں چلا گیا اور پھر شاہ میری سلاطین کے آخری دور میں جب حضرت حاجی عبدالوہابؒ کے شاگرد حضرت سیّد جمال الدین بخاریؒ کشمیر آکر ملک احمد یتوؒ کی خانقاہ میں فروکش ہوگئے تو انہوں نے حضرت سلطانُ العارفین شیخ مخدوم حمزہؒ کی تربیت سہروردی سلسلہ کے مطابق فرمائی۔ اس طرح سے یہ سلسلہ کشمیر میں نئے سرے سے قائم ہوا[6]۔

نقشبندی سلسلہ سلطان سکندر کے عہد حکومت میں کشمیر میں ترکستان سے آئے ہوئے بزرگ صوفی حضرت سیّد ہلال نقشبندی کے ذریعہ متعارف ہوا۔ وہ کشمیر میں سوناواری اور اُشم نامی گاؤں میں بہت مدت تک سلسلۂ رُشد وہدایت اور فریضۂ تزکیہ نفوس انجام دیتے رہے۔ جہاں اُن کی خانقاہ آج بھی موجود ہے۔ لیکن وہ سمبل کے نزدیک نیسبل گاؤں میں دفن ہیں اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بعد میں وہ حضرت سیّد محمد مدنیؒ کے ذریعہ کبروی سلسلہ میں داخل ہوگئے تھے۔ اس کے معاً بعد ہی نقشبندی سلسلہ یہاں پس منظر میں چلا گیا۔ اور مغل شہنشاہ، شاہِ جہاں کے عہد حکومت میں حضرت سیّد خاوند محمودؒ کے ذریعہ پھر واردِ کشمیر ہو گیا[7]۔

قادری سلسلہ (بانی حضرت سیّد عبدالقادر الجیلانیؒ) کشمیر میں ذرا دیر سے پہنچا۔ اِسے حضرت سیّد اسماعیل شامیؒ نے یہاں رواج[8] دیا۔ انہوں نے ایک ترک نژاد شخص میر نازکؒ کو قادری سلسلہ کی تربیت فرمائی اور انہیں کشمیر میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ انہی حضرت میر نازکؒ کی کوششوں سے کشمیر میں قادری سلسلہ متعارف اور رائج ہوا[9]۔

کبروی سلسلۂ تصوف اور فتُوت کو کشمیر میں حضرت امیر کبیر میر سیّدعلی ہمدانی نے نہ صرف وسیع پیمانے پر متعارف کرایا، بلکہ اِسے وسیع بنیادوں پر اُستوار بھی کیا۔ اُن کی اور اُن کے خلفاء کی بلیغ کوششوں سے اس سلسلہ کو یہاں پر زبردست رواج مل گیا۔ اس سلسلۂ عالیہ کے بانی حضرت سیّد نجم الدین کبریٰ تھے۔ یہ سلسلۂ تصوف، شریعت اور طریقت کے بہترین اور خوبصورت امتزاج کا حامل ہے۔ اس پر عمل پیرا ہو کر سالک مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جاتا ہے۔

مقام فتوت سلوک میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت سیّدعلی ہمدانیؒ نے اپنے ''رسالۂ فتوتیہ'' میں اس کے تین درجے بیان فرمائے ہیں سخا، صفا اور وفا۔ فتوت کے آئین میں ارادت کی پانچ شرطیں ہیں (۱) توبہ باصدق دلی (۲) احتساب از علایق و اشغال دُنیا (۳) موافقت دل وزبان و راست گوئی (۴) اقتدائے بزرگان (۵) احتراز از خواہشاتِ نفس، بہ شرطیکہ طالب دین اسلام کا پابند ہو۔ اور مردانگی، بلوغت، پختگی، مروّت اور حیا کا مالک ہو۔ حضرت امیرؒ نے فتوت کی چار صفات بیان فرمائی ہیں:

۱. قدرت اور طاقت کے باوجود معاف کرنا
۲. غصے کے وقت بُردباری
۳. دُشمن کی خیر خواہی
۴. احتیاج کے باوجود ایثار کرنا[۱۰]

اِن اجمالی تعلیمات کی تفصیل حضرت امیرؒ نے رسالہ ''دہ قاعدہ'' دس عنوانات کے تحت دی ہے۔ دس عنوانات یہ ہیں:
(۱) توبہ (۲) زہد (۳) توکّل (۴) قناعت (۵) عزلت (۶) ذکر (۷) توجہ (۸) صبر (۹) مراقبہ اور (۱۰) رضا[۱۱]

سالک کیلئے ان تمام مقامات سے ثابت قدمی کے ساتھ گذرنے اور ان کی برکتوں، کرامتوں اور مشاہدات سے فیضیاب ہونے کے لئے مرشد کامل کی مسلسل اور مکمل رہنمائی بہت ضروری ہے۔ سالک ان مقامات سے ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ گذرنے کے بعد ہی بخل، غُصّہ، لالچ، حقد، شہوت کبر اور حسد جیسے ذمائم سے نجات پاسکتا ہے۔ حصولِ کمال کی خاطر اولیاء اللہ اور پرہیزگاروں کی تلاش کرنا، اُن کی صحبت میں بیٹھنا، مسلسل مجاہدۂ نفس کرتے رہنا، غربت اور مسافرت میں خویش و اقارب کی جدائی کا غم برداشت کرنا اور ترکِ لذات کیلئے اکثر سفر کرتے رہنا سالک کیلئے اہم شرطیں ہیں[۱۲]۔ سالک کا وطیرہ شہرت سے بھاگنا ہوتا ہے اور وہ سیروفی الاَرض کے خدائی حکم کے تحت آثار قدیمہ اور احوالِ پیشین سے عبرت اور نصیحت بھی حاصل کرتا ہے۔ کبروی سلسلہ کی اِن تعلیمات کو حضرت امیرؒ اور اُن کے قابل فخر جانشینوں نے کشمیر میں شائع اور جاری کیا۔

حضرت سیّد حسین سمنانیؒ (آمد کشمیر ۷۷۲ھ) نے حضرت امیرؒ کی خواہش ہی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پہلے لل دید اور پھر حضرتِ شیخ نور الدین ریشیؒ کے والد بزرگوار سلت سالار (یا سلر) سنز یا سمن ریشی کے ہاتھوں مسلمان ہوئے، لیکن ان کی مکمل روحانی تربیت سیّد حسین سمنانی نے کی۔ اس کے بعد حضرتِ شیخ جب تولد ہوئے اور طفولیت کو پہنچ گئے سید حسین سمنانیؒ نے ہی اُن کی ابتدائی تربیت فرمائی، حضرت سمنانی نے دراصل حضرت شیخ کے گھر کے تمام

افراد کو دائرۂ اسلام میں لایا، حضرت شیخ اپنے والد حضرت شیخ سالار دینؒ (سلت سنز۔یا سلر سنز) کا حضرتِ سمنانیؒ کے ذریعہ مسلمان ہونے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

اکھ سُت سلت سنز پڑ مانو
سُہ دَے مسلمان گتہ پوئی
تَس گور سیّد حُسن سمنائیؒ
یُس حیدر کولگامین دبن[۱۳]

(باعزت سلت سنز جو مسلمان ہوا، اس کے مرشد سیّد حسین سمنانی تھے)

لیکن کبروی سلسلۂ سلوک و تصوف کو حضرت امیرؒ کے فرزند ارجمند حضرت میر محمد ہمدانی کے ذریعہ ہی فروغ ملا جو کشمیر میں معتبر روایت کے مطابق اٹھارہ، بیس سال تک مسند رُشد و ہدایت کو زینت بخشتے رہے، انہوں نے حضرتِ شیخ نور الدین ریشی کی باقاعدہ طور پر مسلسل تربیت بھی کی، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ہے۔ اس طرح سے کشمیر کی مقامی صوفی (ریشی) تحریک کبروی سلسلۂ تصوف کی مقامی صورت اختیار کر لیتی ہے اور کبروی سلسلۂ تصوف کے اثر کے تحت کشمیر کی دو تمدن ساز شخصیتیں۔ یعنی لل دید اور حضرت شیخ مقامی ریشی تحریک کو بھول بھلیاں سے نکال کر نئی جہتیں اور وسعتیں عطا کرتے ہیں۔ جس کے آثار ہمیں سب سے پہلے لل دید کے کلام میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جن کا مختصر سا حوالہ خالی از دلچسپی نہیں ہوگا۔

لل دید حضرت سیّد حسین سمنانیؒ اور حضرت امیر کبیرؒ کی تربیت کے زیر اثر کس حد تک آگئی تھیں، اُس کا یہ شلوک اُسے بخوبی واضح کرتا ہے۔

کُلِمے پوّرُم کُلِمے سوّرُم کُلِمے کھُوم پَنُن پان
کُلِمے ہَنہ ہَنہ مویَن توّرُم ہو لل واٹُس لامکان[۱۴]

(میں نے کلمہ طیبّہ پڑھا اور دل میں اُتارا اور اپنا وجود کلمہ طیبہ کے سمندر میں غرق کیا یہ میری ایک ایک رگ اور نس نس میں سمایا، جب ہی میں لل لامکاں تک پہنچ سکی)

آواگون کے بدلے آخرت کا تصوُّر:

کول تَے مول گتھ کُیت چھے　　"توت" رِکُیت چھے شانت سو بھاو
کزیہ ہُنْد آگُر وَتِہ رِکُیت چھے　　لَتھِہ رِکُیت چھے گورُسُنْد ناد [۱۵]

(خاندان کی برتری اور سماج میں پایا ہوا درجہ، بے معنی ہے آخرت کیلئے پونجی اگر ہے تو وہ ہے ہر انسان کے ساتھ محبت اور صلح و ہمدردی کرنا، نیک اعمال تو تمہارا زادِ راہ ہیں آخرت میں تمہیں صرف ذاتِ واحد کا نام ہی سہارا ہے)

اِس شلوک میں لَل نے "توت" لفظ برت کر آخرت مطلب لیا ہے، اس کے لفظی معنی بھی وہی ہیں یعنی "وہاں" .... مرادعالَمِ آخرت۔

توحید:

پَرس ہالہِ پوٗزُم تہِ پانَس ڈُنُم　　وَنہِ کس لَلِہ چھُ مےٚ پانس راہ
وآے گوم دِلس مےٚ کیاہ کوٗرُم　　کُنے اَستھ سوٗرُم نہِ زاہ [۱۶]

(میں دوسروں کو وعظ و تلقین کرتی رہی اور اپنے آپ کو بھول گئی اور فضیحت ملی، میں لَل کس کو اپنا دکھڑا سنا سکتی ہوں، غلطی تو میری ہی ہے، دل پشیمان ہے، میں نے کتنا غلط کیا وہ (اللہ) تو واحد اور احد ہے۔ لیکن میں نے کماحقہٗ نہیں سمجھا)

اسی طرح لَل نے "اکلِ حلال"، "صدقِ مقال"، "مراقبہ"، "ترکِ شرک"، "صبر" پر قایم رہنا اور حرص و شہوت اور تکبر سے نجات، "پاسِ انفاس"، "خودشناسی" وغیرہ کی اہمیت اور راہ سلوک میں دیگر مقامات و خصوصیات کو واضح کیا ہے۔ لَل کے بہت سے ایسے شلوک بیان کئے گئے ہیں۔ یہ سب کبروی سلسلۂ تصوف کے سمندر کے آبدار موتی ہیں۔ یہ اس سلسلہ کے اثرات کی ابتداء تھی۔ جس کی آواز بازگشت ہمیں لَل کے کلام میں جا بجا سنائی دیتی ہے۔ کبروی سلسلہ کی مسلسل ترویج و اشاعت کا سہرا حضرتِ امیرؒ کے فرزند حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے سر ہے۔ جس نے لمبی مُدّت تک کے قیام کے عرصہ میں یہاں مَسندِ رُشد و ہدایت کو زینت بخشی اور تشنہ لبانِ میخانۂ ازل کو شرابِ معرفت سے سرشار کیا۔

سادات کرام اور مقامی ریشی تحریک:

ریشی سنسکرت لفظ ہے، اس کے معنی ہیں تارِک دُنیا، رُہبان، سنیاسی، جس نے دنیا

اور دنیا کے علایق کو تیاگ دیا ہو، ہندو سنیاسیوں اور ریشیوں کے زیر اثر روحانیت کے متلاشی مسلمان صوفیوں کو بھی ریشی ہی کہا جاتا تھا، اُن کا طرۂ امتیاز بھی ترک دُنیا، ترک علائق، ولذات، تفرید و تجرید اور رہبانیت کا طریقہ ہی تھا، لیکن حضرت امیر سیّد علی ہمدانیؒ اور اُن کے خلفاء نے ریشی تحریک کو صحیح اسلامی راہ پر لایا۔ انہوں نے کشمیر میں اپنی آمد سے پہلے جب حضرت سید حسین سمنانیؒ کو بطور سفیر یہاں بھیجا تو اُنہوں نے تبلیغ اور اشاعت اسلام کے امکانات کیلئے پوری وادی کی سیاحت کی۔ اسی اثناء میں وہ سلت سنز سے ملے، سلت سنز نے حضرت سمنانیؒ کی رُشد و ہدایت سے بھری ہوئی تبلیغ کے زیر اثر، اُنہی کے دست حق پرست پر تجدید بیعت کی۔ حضرت سمنانیؒ نے اُن کا اسلامی نام شیخ سالار دین رکھا، اُن کے ساتھ ساتھ، اُن کا پورا کنبہ بھی اسلام کی دولت سے مشرف ہوا، اُن کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شیخ نورالدین رکھا گیا، جنہیں پیار سے نُندِ سنز کہا جاتا تھا۔ شیخ نورالدینؒ نے حضرت سمنانیؒ کے ہاتھ پر اپنے والد مکرّم حضرت سالار دینؒ کا مسلمان ہونا خود بیان کیا ہے، جس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہی شیخ نورالدینؒ کشمیر کے ریشیوں کے امام اور سرخیل تسلیم کئے گئے [۱۷]

حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ اپنی ابتدائی زندگی میں کئی ہندو سادھوؤں اور سنیاسیوں کی زندگی اور تعلیمات سے متاثر رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے غیر اسلامی ناموں سے پکارتے تھے جن میں تجسیم کا تصور نمایاں ہے اور اُنہیں کے اثر میں حضرت شیخ اپنے والدین، اور اہل و عیال اور تمام علایق کو ترک کر کے رہبانیت پسندی میں غاروں میں رہ کے اذیّت کشی کی آخری حد تک تپسیا کرنے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو ترک کر کے خودرو سبزیاں، گھاس پات اور جنگلی پھل کھا اور خالی پانی پی کر زندگی گذارتے تھے۔ انسانوں کی بستی اور صحبت سے بھاگتے تھے۔ اُن کی زندگی کے یہ ابتدائی حالات اُن کی اس سوال و جواب والی گفتگو سے ظاہر ہوتی ہے جو اُن کی والدۂ محترمہ نے اُن کے ساتھ کی تھی۔

حضرت شیخ اسی عالم میں تھے جب حضرت میر محمد ہمدانیؒ اپنے والد جناب امیر کبیرؒ کی وصیت کے مطابق اُن کے مقدس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے بائیس سال کی عمر میں

۹۶ھ (مطابق لگ بھگ ۱۳۹۴ء) تین ہزار ساداتِ کرام اور علمائے عظام کے ساتھ سلطان سکندر کے عہد حکومت میں کشمیر تشریف لائے۔ سلطان سکندر نے اعیان سلطنت کے ساتھ اُن کا پُر تپاک استقبال کیا اور انہیں شاہی مہمان بنایا۔ حضرت امیر کبیرؒ کی ہدایت کے تحت انہیں شیخ نورالدین نورانیؒ کی تربیت فرمانا ضروری تھا۔ اس لئے وہ کچھ عرصہ کے بعد اپنے چند خاص اصحاب کی معیت میں حضرت شیخ نورالدینؒ کی ملاقات کو گئے۔ حضرت شیخ کو روحانی طور پر حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ اپنے چار خاص خلفاء بابا بام دینؒ، بابا زین الدین، بابا اللطیف، اور بابا نصر الدین کے ساتھ اُن کے استقبال کو گئے۔ جب وہ باہم ملے تو حضرت شیخ نے فرمایا:

چائِ کُس کَرِ ماناہ چھُکھ پیرَن ہُندے داناہ
ژینے پَتہِ کلہِ قور باناہ چھُکھ ابن امیرِ ہمداناہ

(حضور! آپ کی ہمسری کا دعویٰ کون کرسکتا ہے، آپ مرشدوں کے مرشد ہیں۔ آپ پر میرا سر قربان ہو یا حضرت امیر ہمدانیؒ کے فرزند!)

حضرت شیخ نے ملاقات کے وقت ہی اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''کاشرِن پیراہ آو'' (کشمیریوں کیلئے کیا ہی بہترین مرشد تشریف لائے)

۷۹۶ ھ

یہی مصرعہ حضرت میر محمد ہمدانی کی کشمیر میں تشریف آوری کی تاریخ بن گیا۔ ملاقات کے وقت ہی سے حضرت شیخ نے حضرت میر محمد ہمدانی کی خدمت میں سلسلۂ کبرویہ کی تعلیمات کے تحت حصول تربیت کی استدعا کی۔ جو قبول کی گئی۔ اس کے بعد مسلسل طور پر حضرت میر محمد ہمدانی اُن کی باقاعدہ تربیت فرماتے رہے اور انہیں اسلام کی مکمل تعلیمات اور سلسلۂ عالیہ کبرویہ کے اسرار و رموز سے بھی آگاہ فرماتے رہے۔ حضرت شیخ نے رہبانیت ترک کر کے زور و شور کے ساتھ تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام انجام دینا شروع کیا۔ وہ اب گاؤں گاؤں، اور قریہ قریہ میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کے ساتھ ساتھ فقۂ اسلامی کی تعلیم بھی عام کرنے لگے۔ اور مسلمانوں کو ہندوانہ رسوم و رواج اور عادات و خیالات کو ترک کر کے اسلامی طریقوں پر عمل

کرنے کی پُرزور تلقین کرتے رہے۔ حضرت شیخ تبلیغی مساعی میں ایک پُر جوش اور باعزم جوان کی طرح مصروف کار رہے اور اسی وجہ سے بعد میں انہیں مجاہدِ اعظم کا خطاب دیا گیا۔ حضرت شیخ کے اثر کے تحت اُن کے تمام خلفاء اور شاگردوں نے غیر اسلامی اثرات سے اپنے دامن کو جھاڑ دیا اور مکمل موحدانہ اور مومنانہ جذبے کے تحت اُدخلوفی السّلِم کافة پر عمل پیرا ہوئے اور دور دراز علاقوں میں سرگرم اشاعت و اسلام ہوگئے۔ اس انقلاب کی جھلکیاں ہمیں حضرت شیخ کے کلام میں جا بجا ملتی ہیں۔

حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی ۷۹۶ھ میں تشریف آوری کے بعد ہی سلطان سکندر نے خانقاہ معلیٰ کی تعمیر شروع کی جو ۷۹۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس کی نگرانی کا کام بھی حضرت میر محمد خود فرماتے رہے اور اب خانقاہ معلیٰ ہی رُشد و ہدایت کا مرکز بن گیا۔ یہیں سے سادات کرام اور علمائے عظام کو مختلف علاقوں میں تبلیغ اور درس و تدریس کے لئے اساتذہ کی حیثیت میں بھیجا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سلوک و معرفت کی تعلیم بھی جاری رہی۔ اس خانقاہ فیض پناہ میں حضرت میر محمد نے بہت عرصہ گذارا۔ حضرت شیخ نورالدینؒ اپنے رفقاء کے ساتھ اکثر و بیشتر یہیں پر اُن کی خدمت میں آتے رہتے۔ جب حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی خدمت میں حضرت شیخ نے باقاعدہ سلسلۂ عالیہ میں داخل ہو کر بیعت کرنے پر اصرار کے ساتھ گذارش کی تو آخر کار حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے حضرت شیخ کو بتاریخ ۱۵؍ ماہِ رجب ۸۱۴ھ خط ارشاد عطا فرما کر اُن کو کشمیر میں اپنا خاص خلیفہ مقرر فرمایا اور اُن کے عارف باللہ اور ولی کامل و اکمل ہونے پر اپنے تصدیق اور اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اس طرح حضرت شیخ (جو خود پہلے اُویسی کہتے تھے [۱۸]) باقاعدہ سلسلۂ کبرویہ میں داخل ہوتے ہیں۔ خط ارشاد کا اصل مسودہ خانقاہِ معلیٰ سرینگر کے مُقدّس خزانے میں محفوظ ہے (خط ارشاد کو اصل اور ترجمہ کے ساتھ آئندہ صفحات پر ملاحظہ کیجئے)

ساداتِ کرام اور علمائے عظام کے بعد وادیٔ کشمیر میں اسلام اور احسان و سلوک کو عام اور مقبول بنانے کا سہرا حضرت نورالدین نورانی اور اُن کے پیرو ریشی حضرات کے سر ہے۔ جنہوں نے اپنی مادری زبان کشمیری کو ابلاغ و ترسیل اور اظہارِ اسلام کا ذریعہ بنایا اور اسے قابل

اخذ وتقلید مقامی تقاضوں سے تطابق دے کر کامیابی سے ہمکنار کیا۔ جب ساداتِ کرام نے خود کشمیری زبان وادب پر عبور حاصل کیا تو وہ سارے کشمیر پر چھا گئے اور پھر انہوں نے کشمیری زبان وادب کو اپنی تصنیفات گونا گوں سے مالا مال کیا۔

حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ نے حضرت میر محمد ہمدانی کے دست فیض بخش پر سلسلۂ کبرویہ میں داخل ہو کر بیعت کرنے کے بعد مرشد کی ضرورت پر اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے پر بہت زور دیا۔ بلکہ وہ مرشد کی راہ نمائی اور تربیت کے بغیر سلوک ومعرفت کی راہ کو طے کرنا، ناممکن کہتے ہیں مرشد کی رہ نمائی کی ضرورت اور اہمیت وہ یوں بیان کرتے ہیں

گُرِ روس سپاہ چھے شُرِ روس مولو   مَلہِ روس کھؤر چھے پھلہِ روس کان ۱۹

(بغیر گھوڑے کے سپاہی اور بیٹے کے بغیر باپ (بے وقعت ہیں) ملاح کے بغیر چپّو، اور پھل کے بغیر کان (بے مقصد ہیں)

پِر روس مُرید تیر روس نؤلو   کھورِ روس نأید تورِ روس چھان ۲۰

(مرشد کے بغیر مرید ایسا ہی ہے جیسے بطخ پیروں کے بغیر یا حجام بغیر استرے اور بڑھئی بغیر بسولے کے مانند)

ضبۂ روس کٹھ تے کاہ روس بیولو   شاہ روس مُلکس ولنہ نوقصان ۲۱

(یا اس بھیڑ کی طرح جس کی اون نہیں تراشی گئی ہو، یا اُس بیج کی طرح جو نشو نما سے محروم ہو (ہاں سنو) بادشاہ کے بغیر ملک نقصان میں رہے گا)

گوٗرِ کتھ چھے نابد تہٕ نَنگ   یوٗد روژی تہٕ پڑِپی ۲۲
گُرِھتھ گور گورس منگ   تو دوندس شیہلتھ پیی ۲۳

(مرشد کے حضور میں جا کر اُس سے روح کی مٹھاس طلب کر۔ اُس سے تیرے دل کو ٹھنڈک ملے گی)

توے ژلی روزُن بنگ   خُدا تہِ اتھِہ یی ۲۴

(اُنہی کی ہدایت سے تم سے غفلت کی غنودگی دور ہو جائے گی اور اُنہی سے تم اللہ تک پہنچ سکو گے)

منگ گورس بوٗدتے باگے   نَتہٕ گوھکھ ژِ پرؤنے
یُتھنہ گنہٕ شیطان زاگے   کوٗ موٗتھے گرِ پٔنِنے ۲۵

(مرشد سے تربیت حاصل کرنے کے لئے عقل اور توفیق مانگ ورنہ (دنیا کے سمندر میں) غرقاب ہو کر نیست ونابود ہو جاؤ گے۔ خبردار! شیطان تمہاری گھات میں لگا ہوا ہے، افسوس! تم اپنا اصلی گھر (آخرت) کیوں بھول گئے؟)

یہ تین شلوک تفصیلاً اس لئے پیش کیے گئے، کیونکہ کچھ "ترقی پسند" قسم کے محقق کہتے ہیں کہ حضرت ریشی عمر بھر اُویسی طریقہ پر چلتے رہے۔ جبکہ خط ارشاد کے مطابق کبروی سلسلہ میں اُن کا حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل ہونا اور پھر اُن کا مرید ومجاز خلیفہ ہونا مسلمہ طور پر ثابت شدہ ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی مدنظر رہے:

"شیخ نورالدین کشمیری تاؤ رودِ نُصرت آیات حضرت میر مُحمّد ہمدانی بے اجازِ مُرشد ظاہری بہ ریاضت مشغول بودہ بہ مرتبۂ توحیدِ عرفان رسید، چوں عارف ربانی حضرت سید میر محمد ہمدانیؒ دریں دیارِ لطیف تشریف شریف ارزانی فرمود بہ مقتضاے فَعوِری الشَّیخ فِی قَومِہٖ کَاالنَّبِی فِی اُمَّتِہٖ نسبت مسلسل بہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم برخود لازم دانستہ بہ شرفِ قدم بوسی حضرت سیادت پناہ شُدہ مُرید گشت" ۲۶

(کشمیر میں) حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی فتح ونصرت کے ساتھ تشریف آوری تک شیخ نورالدینؒ کشمیری کسی ظاہر مرشد کی اجازت کے بغیر ہی ریاضت میں مشغول تھے اور مرتبۂ توحید عرفان تک پہنچے تھے۔ جب عارف ربانی حضرت سید میر محمد ہمدانیؒ نے اس "دیارِ لطیف" کو اپنی تشریف آوری سے نوازا تو فعوری الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہٖ (شیخ اپنی قوم (مریدانِ باصفا) میں اسی طرح ہوتا ہے جس طرح نبی اپنی امت میں) کے تقاضا کے بموجب (شیخ نورالدینؒ) حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنی نسبت (روحانی) کے قائم کرنے کو باقاعدہ سلسلہ وار لازم جان کر حضرت

سیادت پناہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کر کے اُن کے مرید ہوئے"۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ضمناً تحریر ہوا ہے۔ حضرت شیخؒ نے حضرت میر محمد ہمدانیؒ سے تربیت پانے کے بعد ہی ہندوانہ طریق رہبانیت کو یکسر ترک کر دیا۔ حضرت بابا داؤد مشکوٰتیؒ حضرت شیخ کی زندگی اور مسلک میں اِس عظیم تبدیلی کو اس طرح قلم بند کر چکے ہیں۔

"حضرت شیخ العالمؒ از غار برآمدہ طریق ریشیہ مُجدّدً دگردانید و طریق رہبانیہ و برہمنیہ واہی ساخت۔ چنانچہ طریقہ ریشیہ قبل ازیں برہمنیہ بود" ۲۷

"حضرت شیخ العالم غار سے باہر آگئے اور طریق ریشیہ میں تبدیلی کر کے اُس میں نئی زندگی ڈال دی اور رہبانیت اور برہمنی طریقہ کو رَد کیا۔ چنانچہ اس سے پہلے طریقہ ریشیہ برہمنیت پر مبنی تھا"

اب، رہبانیت میں گذاری ہوئی اپنی زندگی کے بارے حضرت شیخ کے تبدیل شدہ خیالات ملاحظہ ہوں

نصر بابہِ جنگلن کھسُن گیُم خامی   مے دوپ یہِ آسہِ بڈ عِبادت
مے وُچھ یہ اُس بڈ بدنامی   سَر اُس کرنِ گنی گتھ ۲۸

نصر بابا! جنگلوں میں زندگی گذارنا میری خامی تھی، میرا خیال تھا کہ بن باس لینا بڑی عبادت ہوگی جب میں نے بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا تو یہ بڑی بُری اور بدنامی (خودنمائی) کی بات تھی، کیونکہ اصل میں تو ایک ہی بات (حقیقت) کو جاننا اور جانچنا تھا (مَن عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کی طرف اشارہ ہے)

اس اعتراف کے بعد حضرت شیخ نے رہبانیت اور بن باس لینے کے نظریہ اور ترک دُنیا کے طریقہ کو جڑ سے اکھاڑنا شروع کیا اور اعلان کیا

وَنن پُزِی تہِ وندر آسن   گگر گوپھن برن واس!
یم پانُون وقتن اکمل آسن   نِشہ آسن بأژن تمے چھِ خاص ۲۹

(جنگلوں اور غاروں میں رہائش کرنا بندروں اور چوہوں کا کام ہے۔ جو پانچ وقتوں پر پابندی اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ زندگی

گذارتے ہیں......وہی خاصانِ خدا ہیں)

اور فرماتے ہیں ؎

گرِ گزاکس تاج لاگنس سَرس   گرِ کوٗر رسولِ خُدا این رَبّس خوش آو ۳۰

(حلال روزی حاصل کر کے) اپنے اہل و عیال کی پرورش کرنے والے "گرہستی" کے سر پر (سعادت اور نجات کا) تاج رکھا جائے گا۔ یہ کام حضرت رسولؐ خدا نے عملاً کر کے دکھایا اور رَبُّ العِزّت اُن سے راضی رہا)

دراصل حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی صحبت کیمیا تاثیر سے حضرت شیخؒ کی زندگی یکسر بدل گئی تھی۔ اِسی اثر کے تحت وہ عمر کے آخری ایام تک اشاعت و تبلیغ اسلام میں عملی جوش و خروش کے ساتھ مصروف رہے۔ حضرت شیخ اب چونکہ تصوف و احسان کے سلسلہ کبرویہ کے پیروکار تھے۔ حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ کے "رسالہ فتوتیہ" اور "رسالہ دہ قاعدہ" میں کبروی سلسلہ تصوف کی تعلیمات اور شرائط برائے سالکین مدنظر رکھئے اور پھر ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت شیخؒ نے اپنے علم و عمل میں انہیں کس طرح جذب کر لیا ہے اور پھر اپنے مریدوں اور عام مسلمین کو انہیں اختیار کر کے اُن پر عمل کرنے کیلئے کس طرح اُبھارتے ہیں۔

توبہ:

توبہ یوٗد کرکھ بۄ سرِ ترَکھ   توبہِ چھے وُنی کمن تارِ ونی ناو
توبہ روس پانو تہِ کُہی اُبرَکھ   ییتہ چھے ہرَ تہِ بُشن واو ۳۱

(اللہ کے حضور صدق دلی کے ساتھ) اگر توبہ کرو گے تو اس دُنیا کے سمندر کو سرخروئی کے ساتھ پار کر سکو گے، توبہ تمہارے لئے تمہیں پار اُتارنے کی کشتی بن جائے گا۔ اے میرے وجود! توبہ کے بغیر وہاں کس طرح ساحل نجات پر جا پہنچو گے جہاں ہر وقت زمہریر اور جحیم جیسے طوفان چلتے رہتے ہیں)

سخاوت:

پھوٗلے دَوَکھ داہ پھلی بوونَے   دولتھ برتل نہِ یونِ ذات
خُدائے دِیتے نہ گونوٗھ گونے   نیکی کرنے چھونی کیات ۳۲

اس کا ترجمہ پہلے ایک جگہ آچکا ہے۔

سُخی ین مول گُری زِ ردپہ ہنز ورَن   تھونکھ بہشتکمن دورن منز
سخادن تورگ تہِ سلاح پأرن   بتگھ مدینہ کمن بوہدورَن منز ۳۳

(سخی لوگ چاندی کے وہ قیمتی زیور ہیں (جو گلے میں باندھتے ہیں) انہیں جنت میں جگہ ملے گی۔ سخی لوگوں نے ساز و سامان سے آراستہ کر کے مدینہ کے بہادروں میں جگہ ملے گی)

رضا:

کانن تہند بن دأرک زِنہٖ سپَر   کرِتھ چھوکن پھری زبس نہٖ روے
بلایہٖ تھزرے وںدک زںکھ شکر   اَدِچھے ییتہ کیا شتِہ ادبروے ۳۴

اللہ کے تیروں (رضا) کے آگے سپر نہ رکھنا (اس سے اعراض نہ کرنا۔ اس کی تلوار کے زخموں سے کراہت نہ کرنا۔ اس کی طرف سے تکلیفوں کو شکر سمجھنا۔ اُسی صورت میں تمہیں دونوں جہانوں میں عزت ملے گی۔

یُتے بس نا ، زِ آدم کوٚرنس   سورِ رُحمو یوٚرنس سرتا پاے
خوشحال چھس زبَس تہِ مَرنس   چھس بہٖ تَسند بَندِ سُہ میون خداے ۳۵

اتنا ہی نہیں کہ اُس نے مجھے آدم بنایا بلکہ اُس نے مجھے سرتاپا اپنی رحمت سے نوازا۔ میں مرنے اور جینے میں اس کی رضا پر راضی ہوں۔ میں اس کا بندہ ہوں اور وہ میرا رب ہے۔

قناعت:

بہٖ پأرک کانگر تہِ جندس   ہیمہٖ وندس گرم ترٚ رأچھی
بہوٚتہِ بہوٚمت نعمو وندس   نون تہِ ہتھر کانز چھُم یڈ رأچھی
بہٖ کیاہ منگے ملایہٖ تہِ قندس   ہند تہِ ہاکھ چھُم چھوٚت مأچھی
بگہ مہرا ژہتم وودس   دیٖو بندس گوھم شرمہ رأچھی ۳۶

میرے لئے کانگڑی اور گدڑی کافی ہے، جو سردیوں میں میری حفاظت کرتے ہیں۔ میں بہت سی نعمتیں قربان کروں گا۔ نمک اور چاول کے بیچ سے بنی کانجی پر جو میرے پیٹ کیلئے کافی ہے۔ میں ملائی اور قند کا محتاج نہیں ہوں میرے لئے ہَندِ کاسنی اور ساگ سفید شہد کے برابر ہے۔ میرے رب! تو اپنی محبت میرے دل میں ڈال تا کہ میں آخرت کی شرمندگی سے محفوظ رہ سکوں۔

اولہٖ سَولہٖ یڈاہ برے   اُکر ہیے پأژھس منزِ عمرا سرے
دوہ راتھ سورلارِ پیٹھ سرے   ثوت گوٚت کرے نُندے مان ۳۷

جو لوگ معمولی غذا اور ایک ہی کپڑے پر گذارہ کرتے ہیں۔ دن رات (معمولی بستر پر) مٹی پر گذارتے ہیں۔ اُن کے ساتھ نُند کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

ذکر:

اللہ پرنس دورا پھری زے   زٔگتھ لادن سُرک زِنہٖ زاہ
یادس تھندس دوہ دہن بُری زے   زِندَے اُستھ مُرک زِنہٖ زاہ ۳۸

اللہ کی یاد میں سارا وقت گذار، دُنیا کی طلب کبھی نہ کر۔ اس کی یاد میں دن رات خرچ کر زندہ ہوتے ہوئے (غفلت و کوتاہی میں پڑ کر) مُردہ نہ بن جانا۔

ذِکرِ ستی رَٹُن مالے   فِکرِ ستی تارُس پَن!
نفس گنڈ ملہٖ ہالِے ہالِے   زن توژتھ موکھتہِ مالے پن ۳۹

ذکر و اذکار سے اللہ کے ساتھ جڑا رہ اور غور و فکر کرتے رہو۔ نفس کو قابو میں رکھ وہی بڑا کارنامہ ہے (جیسے موتیوں کو چھید کر اُن کی مالا بنانا)

خُدائے چھ اَکُے ناوچھُس لچھا   ذِکرِ روس کانھ بتہِ کچھا مو
عُمر وندُن اَکُے پچھا   رِزقہٖ روس اُکھ مچھا مو ۴۰

اللہ ایک ہی ہے لیکن اس کے لاکھوں نام ہیں۔ اللہ کے ذکر سے کوئی بھی (حتیٰ کہ ایک تنکا بھی) خالی نہیں ہے۔ عمر کو ایک پندھواڑہ سمجھ لو (یہ جان کر) کہ رزق ہر ایک کیلئے مقسوم ہے (کوئی مکھی بھی رزق سے محروم نہیں)

دل چھے گاڈتہِ ہوٚکھِ موتھاوُن   ذِکرِ ہُند پونٚ دِس لَسی توَ
نفس چھے لال اتھہٖ موتراوُن   صاحب چھُ معشوق توشی توِ ۴۱

دل کو مچھلی سمجھ لو اور اِسے خشک نہ رکھو۔ اِسے ذکرِ حق کا پانی دیتے رہو، زندہ رہے گا (تمہاری روح) یا، تمہارا ہر سانس لعلِ بے بہا ہے۔ اسے ضایع مت کر۔ تمہارا محبوب اللہ اسی سے تم پر راضی رہے گا۔

هێول چھے چہار ورد ذکر کرتے　　مخفی چہار ضرب چھے سو بھاو
وَنے افضل حبَس فکر کرتے　　یُس کرِ گونگل سُے کرِ کرٛاو ۴۲؎

چار ضرب کا ذکر (جَلی) خوشہ ہے، اس کا ذکر کرتے رہو۔ چار ضرب مخفی دولت ہے۔ حَبسِ نفَس کر کے ذکر کرنا افضل ہے۔ جو بوئے گا (کھیتی باڑی کرے گا) وہی کامیاب ہوگا۔

راست بازی:

پٛز دَپُن چھے نارِ دزاوسون زن　　مُورِ اَربن زَن گاشُر پِنے
اَپُز دَپُن چھے ہَتہ اَسُن زَن　　یمنہٕ پھٕلی ڈٕکہ زِتہٕ تم کِتہٕ بووے ۴۳؎

سچ بولنا آگ سے نکلے ہوئے کُندن کے برابر ہے۔ سچ اندھیروں میں روشنی کے برابر ہے۔ جھوٹا بولنا بھوت کی ہنسی ہے۔ جو دانے آدمی نہیں بوئے گا اُن کا پھل کہاں سے نکلے گا۔

یَپِتہٕ تہٕ مے ژٕرے تَتہٕ تہٕ مے ژٕرے　　مێوے　　کرتم　　گلزار
سُورے ترٛاوِتھ روٗمکھ مے ژٕرے　　مے　ژٕرے　　ہاوتم　　دیدار ۴۴؎

اے اللہ تو ہی اس دنیا اور آخرت میں میرا ساتھی ہے۔ میری مٹی کو گلزار بنا دے۔ سب کو چھوڑ کر میں نے تجھ سے اپنا تعلق جوڑا۔ تو مجھے اپنے دیدار سے مُشرّف کر۔

عجز و انکساری:

کزٕ یُس گرِ نہٕ ہُن مو، تھکی　　شرع پکی پأڅتھ تہٕ کتھ
شوٗب تَس آبہ یُس شہزے پکی　　لوٗب تہٕ طمع گاٗلتھ تہٕ کتھ
یُس کہٕزم اَستھ لیہٕزم پکی　　پٛنُن پان تھوِ وأٹھ تہٕ کتھ ۴۵؎

جو نیک عمل کر کے اس پر غرور نہ کرے اور شریعت پر پورا پورا چلے، تو یہی فخر کی بات

ہے۔ عزت اُسی کی ہے جو صحیح راستے پر چلے۔ لالچ اور طمع کو چھوڑے، تو یہ فخر کی بات ہے۔ جو دولت و اقتدار رکھتے ہوئے، تواضع کے ساتھ اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے، تو یہ فخر کی بات ہے۔

پأنس یُس مول گرِنہٕ ہارے　　تٔہ بٔنیس گرِنہٕ مأنس مان
کوزن ترٛاوِتھ سوزن گارے　　راتس دوہس دارے دیان
پرٕتہٕ پان یُس سوٗدرس تارے　　سُے یے ڈٕپی زے مُسلمان ۴۶؎

جو اپنی قیمت معمولی سمجھے اور دوسرے کے ساتھ اپنا مقابلہ نہ کرے (اپنے کو دوسرے پر نہ بڑھائے غرور کی وجہ سے) برے شخص کو چھوڑ کر نیک آدمی کو ڈھونڈے۔ رات دن غور و فکر کرے (تاکہ نیک اور بد کو پہچان سکے) جسے اپنی اور پرائے کی نجات کی فکر ہو (جو اس کی کوشش کرے) اُسی کو صحیح مسلمان کہہ سکتے ہیں)

ندامت:

دوہس گنذوٗرم نفلہٕ ہَتھا　　راتس روٗدس زاگہٕ یے
یوٗد وے کرٕہم قبولی یَتھا　　نَتہٕ ہوٗن زن پھیوٗرس آگہٕ یے ۴۷؎

دن میں، میں نے سو نفل (فاضل) نمازیں پڑھیں اور رات کو عبادت میں جاگتے ہوئے گذارا۔ اگر وہ قبول فرمائے (تو میں کامیاب ہوں) ورنہ یہ جاگنا کُتّے کے جاگنے کے برابر ہے۔

زبتھ کنیاہ کوٗرم سیاہ رویے　　پاپُن لاریوم بوٗے بَد
پاپہٕ نٕمن کامٕمن کوٗرم خویے　　سأری نیک تے بہٕ چھُس بَد ۴۸؎

پیدا ہو کے (بُرے اعمال کی وجہ سے) میں نے اپنے منہ کو کالا کیا۔ گناہوں کی بدبو سے آلودہ ہوا۔ بُرے کاموں کی مجھے لت پڑ گئی۔ سب ہی نیک ہیں لیکن میں برا ہوں۔

فقر:

فَقر چھے دوزخس وُرن ٹھوٗرُو　　فقر چھے اَنبیاہَن ہُند خوے
فَقر چھے اُلگ تہٕ پلگ ژورو　　فقر چھے مُشک تہٕ خوشبوے
فَقرس پٹھ یُس روٗد دروٗد　　تَس چھے یِتہٕ کیاتِہ آبروے ۴۹؎

فقر جہنم سے رُکاوٹ ہے۔ فقر انبیاء کا طریقہ ہے۔ فقر دونوں جہانوں کی دولت سے بڑی دولت ہے۔ فقر مُشک اور خوشبو ہے۔ فقر کے طریقہ پر جو مضبوط سے قائم رہا اُسی کیلئے دنیا اور آخرت میں عزت ہے۔

فقریَس وونڈس شروِیُؤ — سُہ زحمت تہنز رحمت ویندے
تَس کالُک نیول پگہٕ ہَک پوٚپوٚ — سُے گوِھ ترِتھ ہُبہٕ سیندے
یمو خُدائے بتہٕ رسولؐ سوٚرو — تی تیمہ پوٚل سُہ ژاو گژندے ۵۰ؐ

جس نے دل سے فقر اختیار کیا۔ وہ اللہ کی طرف سے ہر آزمائش کو رحمت جانے لگا۔ اس کے لئے کل کی خام فصل آنے والے کل کی پکّی فصل کے برابر ہے۔ وہ ہی پُل صراط سے آسانی سے گذر سکتا ہے۔ جن لوگوں نے خدا اور رسول کو اپنایا اور اُن کا حکم پالا وہی نجات پانے والوں میں شمار ہوں گے۔

خوف ورِجا:

آدنہٕ پھیرُس ڈوربن بتہٕ ڈارن — عُمر راۓوم خارن ستی!
ڈُدکبتھ نہٕ روزاس ژونوٚنی پہارن — دو لکبھ ہنم ستارن ستی
پُلِ صراطس تارِ یِیلِہ تارن! — دو میدچھم ژون یارن ستی
رِتمن رِتمن بیوٚن بیوٚن ژارن — گوِ زلنہٕ لگہٕ ماگو نہگارن ستی ۵۱ؐ

جوانی میں بے ہودہ کاموں میں ضایک کی عمر میں نے ضایع کی بُرے لوگوں کی صحبت میں۔ ہائے! میں چاروں پہر اللہ کی یاد میں کیوں نہ رہا۔ تا کہ مجھے بھی نیک لوگوں کے ساتھ شمار کیا جاتا۔ پھر بھی مجھے اُمید ہے کہ چہار یاران رضؓ باصفا کے ساتھ مجھے بھی رب پُل صراط سے پار کرے گا۔ آخرت میں نیک لوگوں کو الگ رکھیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں گناہ گاروں میں شامل نہ سمجھا جاؤں۔

مہمان نوازی:

صاحب ستہٕ یِی میٚہمانس — تُہنزِ لولَرِ کینژھا دِزِے
یِی دِکھ تی ستہٕ لگی پانس — کرژوٚد نو مسلمانس پزِے ۵۲ؐ

مہمان کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت میں کچھ خرچ کرو (مہمان کو کھلاؤ پلاؤ) جو تم فراخ دلی کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے اُسے دو گے۔ وہی آخرت میں تمہاری پُونجی ہو گی۔ مسلمان کے لئے بخل (کنجوسی) اچھی بات نہیں ہے۔

نفس کی اہمیت:

نفس موٚدِپھ بدے — نفس ستہٕ سودا چھے
نفسہٕ رٹُن ملہٕ حدے — نفس پرزِنتھ خُدا چھے ۵۳ؐ

اپنے نفس کو (اپنے آپ کو) بُرا مت سمجھو اور نہ کہو کیونکہ اسی نفس کے ساتھ تمہارا کاروبار ہے لیکن اس نفس کو حد میں رکھو اور اِسے پہچانو، تو پھر خدا کو پہچانو گے۔

(لَیْسَ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَزِلَّ نَفْسَہٗ۔ مومن کو مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے حدِ اعتدال کو مدنظر رکھنا محمود ہے۔ وہ حد یہ ہے کہ وہ قدر اور مراتب کے لحاظ سے ہر شخص کے ساتھ معاملہ کرے)

صبر:

ژوک، موٚدُر ٹیوٚٹھ بتہٕ زہر — خونِ جگر تیمہ اوہر کھیوٚو
تیمہ یوٚت ہبڑے ژبڈے بتہٕ قہر — سُہ تتھ شہر گژِھتھ پیوٚو ۵۴ؐ

(دنیا کے رہ کے) جس نے کھٹا، میٹھا، کڑوا، زہر جیسا برداشت کر کے گویا اپنے جگر کا خون پیا جس نے جتنے صبر کے ساتھ زمانے کی سختیاں (قہر) برداشت کیں وہی کامیابی کے شہر میں پہنچ گیا۔

وحدتِ آدم:

حضرت آدمؑ بابہٕ مولو — اَمہٕ حواؑ، تتی آوو
اِدکتھ دَپن ڈونب ژژالو — کوٚلس ہم کول کیاہبڈو و ۵۵ؐ

حضرت آدمؑ تمام بنی نوع انسان کا جد ہے اور تمام انسانوں کی ماں حضرت حوّاؑ پھر لوگ کچھ لوگوں کو نیچ ذات کیوں کہتے ہیں۔ سب ایک ہی ذات کے ہیں۔ ایک دوسرے کو بُرا یا نیچ ذات کا کیوں سمجھیں۔

مراقبہ:

منس کھے کاس زن اُینس   تَوزنس گوھی زاُنی زان
تھَلِہ تھَلِہ کیاہ چھے ٹُرِ پانس   مرِنس برونٹھ مرِے چھے گیان ۵۶

اپنے دل کے میل کو دور کر اُسی سے تم حق کو پہچان سکو گے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ (مال و دولت) آل و اولاد کو کیا پوجتے ہو۔ مرنے سے پہلے مرنے کے لئے سرانجام کرو، ہی معرفت ہے۔ مُوتُوقَبْلَ اَنْ تَمُوتُو۔

ژھوُنم گُنگم ژھورُم تہٕ گورُم   پژ کَو وِنہٕ اَہورُم مَے
دُہلٕ دَبَس نفس مورُم !   گار، اَہورُم تہٕ سوٚرُم دَے ۵۷

میں نے (غور و فکر کر کے) محسوس کیا، پایا، ڈھونڈا اور چاہا (رب کو) تلاش کر کرتے میں نے زہر کی تلخیوں کو بھی برداشت کیا۔ دن کے لہو و لعب کو ترک کر کے میں نے نفس امارہ کو مارا۔

صحبتِ صالحین:

ٹُندبن ہتمن سنز کران رٔژ زے   زن دِزے شاہ وُلِگہ کنز !
ڈِٹھبن سنز کران ژٔر زِے   زانہٕ اُژر زِنہٕ ہتمنن بانن منز ۵۸

نیک لوگوں کی صحبت حاصل کرو (تم اُس سے) جیسے شاہ وُلگ (دھان کی اعلیٰ اور خوشبودار قسم) کو اوکھلی میں صاف و شفاف چاول بنا سکو گے۔ برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ کبھی کالک لگے برتنوں میں مت بیٹھنا۔

حضرت شیخ نیکوکاروں اور صالحین کی نشاندہی بھی کر چکے ہیں اور فرماتے ہیں۔

ٹُندبن ہتمن خوے کُرِ زے   رِتی بندٕ روے قِبلَس کُنُے ۵۹

نیوکاروں کی صحبت اپناؤ۔ نیکوکار (مُتّقی) لوگوں کا منہ قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ (وہ نماز گذار ہوتے ہیں)

حضرت شیخ نورالدین نے متذکرہ بالا اشعار سے کُبروی تعلیمات کی وضاحت اظہر من الشمس ہو جاتی ہیں اور بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کس طرح ان تعلیمات کو

اپنی روح میں جذب کر لیا تھا، یہ بات اس شلوک سے اور واضح ہو جاتی ہے ؎

گوہرِ خبرَیس وأژے رُحَس   تَس دو زخہٕ تلہٕ کاُسکھ ہُرِے
ییمِ دوند گوٚنڈ بوچھِ، رِند رِتہٕ مُہَس   ئے بندٕ ژاو ہہَس ہُرِے ۶۰

مُرشد کی تعلیم جس کی روح میں اتر گئی۔ وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہو گیا جس نے کم خوری، کم خوابی اپنا کر لالچ کو قابو میں رکھا۔ اُسی نے شیر کو قابو میں کیا۔

اب ذخیرۃ الملوک، دہ قاعدہ، رسالۂ فتوتیہ اور حضرت امیرؒ کے دیگر رسائل کو اُٹھا کر دیکھئے حضرت امیرؒ نے نفس پرستی، بخل، لالچ، حسد، غرور و کبر، غصہ، غیبت، ریاکاری، شہوت پرستی، دنیا پرست اور عالموں، صوفیوں اور زاہدوں کی اپنی تصنیفات میں نہایت ہی مناسب انداز میں مذمت فرمائی ہے اور مسلمانوں کو بار بار تاکید کی ہے کہ وہ اِن تمام بری صفتوں سے بچیں۔ دیگر سلاسل کی طرح سلسلۂ کبرویہ عالیہ میں بھی تعمیر سیرت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ حضرت امیرؒ نے اپنی خاص توجہ اور تربیت سے پاکیزہ سیرت اور مضبوط کردار سادات اور علماء اور اصفیاء کی ایک جماعت منظم کی تھی، جنہوں نے وادئ کشمیر میں رُشد و ہدایت کی شمعیں فروزاں کر دیں۔ حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے حضرت شیخ العالمؒ کی تربیت فرما کر، کشمیر کی رہبانیت زدہ ریشی تحریک کو اقامت دین متین کے لئے عملی میدان میں کودنے کی مضبوط تربیت و تعلیم سے آراستہ و پیراستہ فرمایا۔ اقامت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کے علم کو حضرت شیخ نے خود اٹھایا، دین کی اشاعت میں زبردست جدوجُہد کو کوششیں فرمائیں۔ جس کی وجہ سے عامۃ المسلمین کی طرف سے اُن کو علمدار کشمیر اور خواص کی طرف سے مجاہد اعظم کہا گیا۔ حضرت امیرؒ کی پیروی میں انہوں نے مسلمان کو اپنی سیرت کی تعمیر خالص اسلامی بنیادوں پر، کرنے کی بار بار تلقین کی اور ساتھ ہی ذمائم اور بری خصلتوں سے دور رہنے کی پُر اثر تعلیم بھی دی۔ اُن کے کلام میں ایسی لاتعداد مثالیں ملتی ہیں۔ یہاں اُن کے چند شلوک پیش کیے جاتے ہیں ؎

نفس پرستی کی مذمت:

نفسے مَن مَہٕراوی   میٹھِ تہٕ زیٹھِ پُوھے
تَوے اُلگ تہٕ پُلگ راوی   گُنہٕ نَتہٕ گوٚ مالہ پُوھے ۶۱

نفس پرستی تمہاری روح کو گمراہ کرے گی۔ دنیاوی لذّتوں میں پھنسا کر اُسی سے
تمہاری دین ودُنیا تباہ ہوگی۔ کسی نہ کسی لالچ میں لاکر

نفسی کوڈُس اُڑُ اُٹی   نفسی کوُرس پشیمان ......!
نفس چھے مدہوس ہانکل ژٹی   نفس تیمر حدِ روٹ ووت لامکان ٦٢

مجھے نفس پرستی نے رُسوا کیا اور اسی نے مجھے پشیمانی میں پھنسایا۔ نفس پُرخمار ہاتھی ہے۔ یہ تم کو حد سے باہر نکال لے گا (نافرمانی پر اکسائے گا) جس نے نفس کو قابو میں رکھا وہی منزل مقصود پر پہنچا۔

نفس چھے وَنک اگہِ زولو   نیربس نہِ پٹ، کوُٹ، منزولو
تیمی ژوٹ اُنتھ گجہ زولو   تمر شرعِ محمدؐ پولو ٦٣

نفس جنگلی لکڑی کا گندہ ناتراش ہے۔ یہ کسی کام نہیں آئے گا۔ جس نے اسے کاٹ کاٹ کر جلایا (قابو میں رکھا) اُسی نے شرع محمدی کی پیروی کی۔

کبر وغرور ونخوت کی مذمت:

کڑو دَے سؤد راوی پانس   کڑؤ دَے کڑے تہِ کارن دزے
کڑودَے ژؤرینی خزانس   کڑؤد مو مُسلمانس پَڑے ٦٤

غرور سے تمہارا سارا فائدہ ضایع ہوگا۔ غرور سے سارے کام بگڑ جاتے ہیں۔ غرور بڑے خزانے کا ڈاکو ہے۔ مسلمان کیلئے غرور کرنا مناسب نہیں۔

أندرِ کڑؤد تراوَکھ نَتہِ   نبرِ کرؤل کندے
اَنتہِ مل کاسکھ نَتہِ   چھوڑ ودتھہِ بیٹھ کندے ٦٥

اندر سے (دل میں) غرور کرنا نہ چھوڑو گے۔ باہر کو (جسم کو) صاف ستھرا پھر کیا فائدہ ہے۔ دل کے میل کو دور نہ کرو گے تو پھر یہ خالی اُٹھک بیٹھک (نماز) کس واسطے۔

ریاکاری کی مذمت:

آدنہِ گُرتھ پاپن کڑشی   بُڈتھ دیتھ ریشی ناو
تسبیح گئی گُنس ہشی   یہ چاؤنِ نماز کشی ہاو ٦٦

نوجوانی کو گناہوں میں گذاری۔ بڑھاپے میں ریشی بن گئے ہو۔ یہ تمہاری تسبیح اژدہا بن جائے گی اور یہ تمہاری نماز بیکار ہوگی۔

گندِ پانس مودِم زندے   اَمِہ صابِنہ صأنی نہِ پیے
اُکر تسبیح تہِ عاصہ تہِ جندِ ے   اَمِہ پھندِ سہ نواتھہِ پیے ٦٧

گندے جسم (جسم میں نیکی کرنے کا کوئی جذبہ نہ ہو) کو صاف وشفاف بنا کے رکھتے ہو۔ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ مکروریا کے ساتھ تسبیح پھیرنا، عصا اور گڈری استعمال کرنا۔ اس جعل سازی سے اللہ کو کسی نے نہیں پایا۔

عاصہِ تہِ دُرمہِ چھے جُوزمُتو   پرِشہ تہِ بُغضہِ چھے بوَرمُت پان
دوہہِ بُتھ چھے اوہر مُتو   کوزن اَتھِ لگی ایمان؟ ٦٨

عصا اور گڈری کو تم نے سجایا ہے۔ لیکن دل میں بغض اور حسد رکھے ہوئے ہو۔ شکل و صورت سجا کے رکھ دی ہے۔ اس سے ایمان ہاتھ نہیں آئے گا۔

شہوت پرستی اور بُری نظر کی مذمّت:

نظر کُرک زِنہِ پردِس زنانس   توَستو اُلگ تہِ پلگ دزے
توِ چھہہ لگی ایمانس!   کڑؤد مو مسلمانس پڑے ٦٩

پرائی عورت کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھو۔ اس سے تمہاری دنیا اور عقبیٰ تباہی ہوگی۔ اُس سے تمہارا ایمان ضایع ہوگا۔ مسلمان کیلئے غرور مناسب نہیں۔

حرص وطمع کا انجام:

دوہے سون تہِ روپھے نیوُنم   دوہے لؤکھِ رؤدِم بندِ گیے
دوہے سؤم، کپٹم تہِ میوُنم   پتو ژیوُنم پیَیم شرمندِ گیے ٧٠

ہر روز میں نے مال ودولت کمایا اور ہر روز لوگ میری خدمت میں لگے رہے۔ ہر بار میں نے نئے نئے جوڑے پہنے۔ آخر میں نے جان لیا کہ دنیا پرستی بُری بات تھی، اب شرمندہ ہوں۔

ہانبدِ بوزتو کنہِ وان   یہ ہو مُرک ئُنہِ شِیوان چھے

کاڈٕلی ہُنڈِس زن بِنَے پِچُھ وان   یہ گاسہٕ کاڈٕ وُنی پیچ بریمہٕ وان چھے اے

اے اللہ کے بندے! کان میں آنے والی آواز سن۔ یہ تمہارے لئے موت کا پیغام ہے۔ (کل (موت کے دن) تمہیں بھیڑ کی طرح قصائی کی دُکان پر (موت کی منزل) میں لے جائیں گے۔ دُنیا کی یہ فانی دولت تمہیں گمراہ کر رہی ہے۔

غیبت کی مذمت:

یُس یُتھ ئہ تیُتھ پانس   ژٕے نادانس رودٕے کیاہ
اَمہِ غائبو چھوہ لگی ایمانس   پلنہٕ کھوتہٕ خاص دبٕہٕ‌ن بنیا کھاہ ۲ے

جو جیسا ہے اپنے لئے ہے تم نادان کا کیا نقصان ہوا۔ غیبت کرنے سے تمہارا، ایمان ضایع ہوگا۔ اپنے سے دوسرے کو ہی اچھا جان لو۔

حرام کمائی کی مذمت:

پرٕدٕہن مَرٕہن یم زاگن تو   اُندرٕ مُلَے نیرٕکھ نہٕ دٕرٕہ
تم کیٕد۔یَتھ سمسارَس زٕہن تو   ژیشوٕرتھ کھوے یم ژینتہٕ دو ۳ے

جو دوسروں کی دولت ہڑپنا چاہتے ہیں۔ ان کو آخر میں کچھ بھی نہ ملے گا۔ وہ اس دنیا میں بے کار زندہ رہتے ہیں۔ تم اس پر غور کرو کہ حاصل ہوا کیا۔

آدنہ   پرٕلین   زوٕگم   چھٕہٕمُت   لوٕگم   پہلوان
ژٕندٕن پٕزٕ اَمہٕ اِرٕ کھنٕول سوٕگم   مارٕخور   پَتہٕ   لوٕگم   شیطان
دَہ یاٗژٕ رٕہٕچھتہٕ ستٕر کاٗنہہ نہٕ لوٕگم   تِی وٕتھ کوٗرٕم تہٕ موٗرٕم پان ۴ے

جوانی میں، میں نے دوسروں کے مال کو لوٹا اور میں بہت بڑا پہلوان بنتا پھرا۔ میں نے چندن کے درخت کو کاٹ کر (ارکھنول) زہریلے درخت کو سینچا، شیطان خونخوار نے مجھے پھسلایا۔ گھر کے دسیوں افراد کو پال پوس کے میرے ساتھ (موت کے وقت) کوئی نہیں آیا۔ وہی غلط بات کر کے میں نے آپ کو مار ڈالا۔

حلال خوری کے فائدے:

اصل یم پَنہٕ نے ڈٕہے کٕھسن تو   لٕکٕہٕ ہندِس زانن حرام چھٕہ

پَتہ   زہاٗنی   پٕزٕ زٕوٕہن   تو   ژین تورتھ کھوے یم ژینتہٕ دو ۵ے

جو جایز طور پر اپنی کمائی کھائیں گے۔ اپنی زبان سے سچ بولیں گے۔ اور لوگوں کی کمائی کھانا حرام جانیں گے۔ تو سمجھو کہ اُن کی عمر کامیاب رہی۔

بے عمل عالم کو تنبیہ:

عٕلٕی ماہ پٕزٕ رود، ودفہ کے ہَوے   ژٕھلس چھٕہٕزاگاں اُکس اکھ
کوٕچھو کمانہٕ اُکر چھی خاصے   یَتہٕ نوموکہ لوٕسلسہٕ منزٕ اکھ ۶ے

تم نے نعمتیں حاصل کرنے کے لالچ میں علم پڑھا۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم خاص لوگ ہیں۔ اب تم ایک دوسرے کے ساتھ فریب کرتے ہو۔ وہاں محشر کے میدان میں ہزاروں میں سے ایک بھی مشکل ہی سے جہنم کی سزا سے بچ پائے گا۔

مَلَو ڈٕیٕنٹھَے نہٕ عٕلٕی مُل ناوٕ   مَلَو چھلکُھ تہٕ چھوٕ کٕکُھ
مَلَو لٕزٕاوٕرتھ مَلہ ناو ۷ے   مَلَو تِتہٕ، بونہٕ برٕتل ڈولکُھ

اے مُلّا تم نے اپنے آپ کو سجایا ہے۔ اے مُلّا! اللہ کے دربار میں پہنچنے سے پہلے ہی تم گمراہ ہو گئے۔ لیکن علم نام کی کوئی چیز تم میں نہیں ہے۔ وہاں اللہ کے دربار میں تم حقیر ترین جگہ پر پڑے رہو گے۔ تم نے تو ''مُلّا'' ہونے کے نام کو ذلیل و رسوا کیا۔ مُلّا بڑے عالم کو کہتے ہیں۔

عٕلِم پٕرٕتھ زونکھ اُسٕ گٕے وَتٕھی   تم وَتٕھی گوگٕل یٕٹھی گ
یم ماتم ہٕتھ اندوٕن بیٹھی   تم تل اَستھ پیٹھی گٕے ۸ے

مُلّا لوگوں نے علم پڑھ کے سمجھا کہ ہم خاص لوگ بن گئے۔ لیکن اُن کے سارے اعمال ضایع ہو گئے ہیں۔ جو لوگ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے کرتے تنہائیوں میں توبہ کرنے میں لگ گئے وہ پست لوگ تھے، لیکن وہ عزت مند بن گئے اللہ کے ہاں۔

عٕلی مُک بور لوٕدِکھ خرٕن   کرن کیاہ بندگی صاحِبہٕ ہے
حسدٕ نفاقہٕ پٕرٕکتھ بٕرن   تم حوالہٕ کٕرِکھ شیطانہٕ ہے ۹ے

نفس پرست مُلّاؤں کا علم، گدھوں پر بوجھ جیسا ہے۔ وہ اللہ کی بندگی کیا کر سکیں گے۔ ان کا دل حسد اور نفاق سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سب شیطان کی گرفت اور قبضے میں ہیں۔

بے عمل صوفی اور ریشی کو تنبیہ:

أزکہ ریٚشہِ چھی کیلکہِ ریشی یِمَن کھنبس گُنے غم
کھبتھ تہٕ یِمَن خُدائے مَشی ریٚشہِ ہَے یِم تہٕ ژُدرٕکم ۸۰

آج کل کے ریشی نفس پرست ریشی ہیں۔ انہیں صرف کھانے پینے کا غم ہے۔ یہ سب کھا کے بھی جو خدا کو بھول جائیں گے۔ پھر اگر یہی لوگ ریشی ہیں تو ڈاکو کن کو کہیں گے۔

حضرت شیخ کا کلام روحانی اور اخلاقی تعلیمات کے جواہروں سے بھرا ہے۔ دُنیا پرستی کی مذمت کرتے ہوئے وہ مسلمانوں کو کسب اور دیگر کاروباری کام اختیار کر کے رزق حلال حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ بھیک مانگنے اور طفیلی خصلت سے دور رہنے، سخاوت، ایثار، ہمدردی، مروت، شفقت اور رواداری برتنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ علم کے حصول کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنے پر بھی زور دیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو بار بار اور خصوصیت کے ساتھ خبردار کرتے ہیں کہ وہ ہندوانہ، طور طریقوں اور رسوم و رواج کو کُلّی طور پر ترک کریں۔ وہ انہیں آگاہ کرتے ہیں کہ وہ ہندوؤں کی طرح ذات پات کی بھول بھلّیوں میں گرفتار ہو کر ''اُمت وسط'' ہونے کا مقامِ عظیم ضائع نہ کریں ۔

رِندو ہیندِ بن ہنزِ کامہِ ترأوکہ تَو آدن پڑأوکہ تَو حقہٕ سنزٕ وَتھ
حضرتِ مُحمدؐ مَتہٕ مٔشرٕ راأوکہ تَو لَبہٕ بَن دوزخس تِمَن روزِ کتھ ۸۱

اے مسلمانو! ہندوؤں کے کام اور طریقے چھوڑ دو۔ جوانی سے ہی اللہ کا رستہ اپناؤ حضرت محمدؐ (کی تعلیم) کو فراموش نہ کرو۔ (اُن کی اُمت ہوتے ہوئے) ہمیں دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ لیکن حضرت محمد سے اس کی شکایت کی جائے گی۔

مُسلمان یُس ہیندِیُت پالی گرِاُنتھِ بدی خصم رٔنی اکھ
تیل ، ترٛاُوِتھ لُشہِ یُس زألی تس بتھِس گرٛول تہٕ اَتھن پھکھ
اکھ کھورو دٕھلکہ بیا کھ ناوِ والی پُتِھس آسہِ ژکہٕ ولِنہٕ ژکھ ۸۲

وہ مسلمان جو ہندوانہ طریقہ پر چلتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر بدی میں گرفتار ہے۔ جو تیل کو چھوڑ کر ''لُشہِ'' (ایک خاص قسم کی لکڑی جو فوراً جلتی ہے مگر جو دھواں زیادہ دیتی ہے) کو جلائے

گا اس کا منہ کالا ہوگا اور ہاتھ بدبودار ہوں گے۔ اور (منافق بن کے) ایک پاؤں کنارے دوسرا ناو میں رکھے۔ وہ رسوائی میں مبتلا ہوگا۔

یوٚد وَے اَکی وَتہِ محکم روزکھ دوٗر پَتھانن لوسکھ مو ۸۳

اگر تم ایک ہی رستہ پکڑو گے (حبل اللہ) محکم طور پر۔ تو پھر تم دور دراز منزلوں کے سفر میں بھی نہیں تھک جاؤ گے۔

وَے مودیوٚ موکھے آسہِ پھَل مو آسے ارکھلین
سَنِین سَرَن زیوٚ مو آسے گبوٚ مو آسے ولندرن ۸۴

رَب تعالیٰ۔ دیوتاؤں کی شکل میں نہیں ہوتا ہے (بتوں کی شکل میں) ''ارکھل'' (زہریلے) درختوں پر پھل نہیں اگتے ہیں۔ گہرے جھیلوں میں انسانی روح نہیں ہوتی ہے۔ گھی تو بندروں کے پاس نہیں ہوتا ہے۔

حضرت شیخ ہندوؤں سے اور ہندو عالموں اور پنڈتوں کے براہِ راست خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم سب کی نجات اسی میں ہے کہ ایک اللہ اور اُس کے آخری رسولؐ پر صدق دلی سے ایمان لے آؤ۔

پنڈت بایہ پٔنڈرٕ تو گٔنڈِتھ روٗدُکھ کھوٚرٕ کاے
دوہے دِوٚرٕ تہٕ ناگیٚ ژھنڈرٕ تو ژھٔنڈِتھ لجی نہٕ فکر تہٕ داے
خدائے تہٕ رسولؐ بُند تو دپھتو کُہہ چھے اُبرَن پائے ۸۵

ارے پنڈت بھائی! تم تو ہمیشہ غلط رستے پر ہی اٹک گئے ہو۔ ہمیشہ تو پتھروں اور جھیلوں کی پوجا میں لگے رہے ہو۔ کبھی تم غور و فکر سے کام نہیں لیا۔ اللہ اور رسولؐ برحق کی تعلیم تو تم پہنچ گئی (تم غافل رہے) یہی تو تمہارے لئے نجات کا راستہ ہے۔

جاہل سجادہ نشین اور بے وقوف مُلّاؤں کے ساتھ ساتھ ''ترقی پسندی'' کے چند سیکولر ایجنٹ اپنے ہندو آقاؤں کی خوشنودی کیلئے حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ اور دیگر ریشی حضرات پر یہ تہمت اور افترا باندھتے ہیں کہ انہوں نے گوشت خوری سے اجتناب اور دائمی پرہیز اختیار کر کے، لوگوں کو صرف سبزی خوری کی تلقین کی ہے۔ اس طرح سے یہ سجادہ نشین اور مُلّا لوگ

حضرت شیخؒ اور اُن کے خلفاء کو ''تارکِ لذات'' ''تارک دُنیا'' اور ''تارِک اہل وعیال'' بنا کر عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جبکہ اِن حضرات قدس کی عملی زندگیاں اور تعلیمات اِن چیزوں کی نفی کرتی ہیں۔ حضرت شیخؒ نے حضرت میر محمد ہمدانی کی بیعت کرنے کے بعد اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کا بیڑا اُٹھایا، اور ہندوانہ رسوم ورواج اور طور طریقوں کو ختم کرنے کی مسلسل کوششیں کیں، جو بالآخر بار آور ثابت ہوگئیں۔ گوشت خوری سے پرہیز کرنے والوں کو وہ اس طرح تنبیہ کرتے ہیں ۔

گُہہ لِوُنس تہٕ ہِرُمت چَنس — دود کھُبنس اوم ہکھو زوئے
ماز ڈیشتھ لوٗب کیاز ہنبس — ہبند بن ہُند شوٗ ژ ردِژ بینٹھ گِتہ اوٗ دُ ے ۸۶

گائے کے گوبر سے لپائی کرنا اور اُس کا پیشاب پینا، پھر دودھ اور دہی بھی کھانا۔ لیکن اس کے گوشت کھانے سے پرہیز کرنا۔ واہ! ہندوؤں کی صفائی کا کیا کہنا!

حضرت شیخؒ اور اُن کے مایۂ ناز خلفاء نے دراصل اُسی فلسفۂ تصوف اور نظریہ احسان و سلوک کو اپنی پاک زندگیوں پر حاوی کیا جو انہوں نے حضرتِ میر ہمدانیؒ کی روحانی تربیت اور فیضان نظر سے حاصل کیا تھا، سلسلۂ کبرویہٕ ہمدانیہ افراط وتفریط سے منزہ اور پاک رہا ہے، یہ اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات پر مبنی ہے اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو حضرتِ میر سیّد علی ہمدانی کی گراں قدر تصنیف ذخیرۃ الملوک بہترین معاون ہو سکتی ہے اور اگر اس کا اجمال مدنظر رکھنا ہو تو ''دہ قاعدہ''، ''رسالۂ فتوتیہ'' اور ''حضرت امیرؒ کے دیگر مختصر رسائل کو دیکھئے''۔ حضرت شیخ نورالدین اس تربیت گاہِ ہمدانیہ کے تربیت یافتہ صوفی باصفا تھے۔ انہوں نے حضرت امیرؒ اور حضرت میر محمدؒ کی تعلیمات کے فروغ کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ اس ایک شلوک میں انہوں نے سلسلۂ کبرویہٕ کی تعلیمات کا خلاصہ اس طرح سمویا ہے اور جامعیت کے ساتھ تصوف کے مغز کو پیش کیا ہے۔

عِلم چھے صندوقس سون زن بَرُن — سَوس سوداگن پَوِ
سوداٗمُو چھے پوٗز اَز ماوُن — ایمان ژونگ چھے رَچھن داوِ
نماز چھے زمینہ پھل زَن وَوُن — ادب چھے نُند چِی توِ

دل چھے گاڈ ہوکھ موتراوُن — ذِکرِ ہُند پوٗنی دِس لسی توِ
نفس چھے لال اتھہِ موتراوُن — صاحب چھُ معشوق توشی توِ ۸۷

علم حاصل کرنا صندوق میں سونا (دولت) رکھنے کے برابر ہے۔ جو علم پر عمل کرے اُسے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ یہی سودا تو تمہاری اصل پونجی ہے۔ اِسے آزما کے دیکھو تو۔ ایمان بھی حاصل ہو تو وہ تو چراغ ہے رہنما ہے، اسے آندھیوں سے بچاؤ۔ نماز ادا کرنا زمین میں پھل بونے کے برابر ہے۔ ادب حاصل کرنا بڑی نیکی ہے۔ اسی سے پھل پختہ ہوگا۔ دل مچھلی کی طرح ہے۔ اسے خشکی میں نہ رکھ۔ ذکر حق کے پانی سے اس کو زندہ رکھو۔ تمہارا ہر ہر سانس لعل بے بہا ہے اِسے ضایع نہ کر۔ اللہ سے عشق کرو وہ تمہیں یاد رکھے گا تم سے راضی ہوگا۔

حضرت شیخ العالمؒ تشبیہات، استعارات، کنایے اور ضرب الامثال تخلیق کرنے میں اولیت کا مقام رکھتے ہیں۔ وہ ضرب الامثال کے خالق ہیں۔ انہی چیزوں سے وہ اپنے کلام کو جاندار بنا کر اس کے دائمی ابلاغ وترسیل کا انتظام بھی کر گئے ہیں۔ دراصل یہ سب فیضان نظر ہی ہے۔ اس میں کسی مکتب کی کرامت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ حضرت شیخؒ مسلمانی کو ''حرم کی سیڑھیوں'' سے تشبیہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو کوئی اِن پر سے شعور وایمان کے ساتھ گذرا وہی کامیاب ہے ۔

مُسلمانی چھے حرمہٕ پأوی — یوٗد کونژھ رَچھس شِل تہٕ مان
اُلگ ژٕژھ رِتھہ پلگ راوی — ایمان کژاوی پشیمان ! ۸۸

مسلمانی حرم (خانہ کعبہ) کی سیڑھی ہے۔ جو اس پر شعور وایمان کے ساتھ گذرا وہی معزز اور بڑا ہے۔ دنیا پرست بن کر آخرت مت گنواؤ۔ تمہارا ضمیر پشیمانی اور شرمندگی کا شکار ہوگا۔

حوالہ جات: سلسلۂ کبرویہ ہمدانیہ اور کشمیری ادب

۱. میراث اسلام نکلسن ص ۲۹۳ اور آئینۂ معرفت ص ۵۸
۲. لل دید ص ۲۳۴۔ص ۲۸۲
۳. کشمیر بہ عہدِ سلاطین (مُحبّ الحسن) ص ۳۴۸، ص ۳۴۹، ص ۳۵۳
۴. مثلاً بیہقی سادات
۵. ذخیرۃ الملوک ورق ص ۱۶۵ ب، ورق ۱۶۷ ب، نسخہ خطی، مملوکہ ذاتی
۶. تاریخ حسن جلد سیوم (اُردو ترجمہ موسوم بہ تذکرۂ اولیائے کشمیر) ص ۵۶، ص ۵۷
۷. ایضاً ص ۵۹
۸. ایضاً ص ۵۴
۹. ایضاً ص ۱۱، ۱۷
۱۰. وِتھ آگر (رسالہ) مراز ادبی سنگم بج بہارا۔ حضرت امیر سیدؒ کی تصنیفات (جی ایم شاد)
۱۱. رسالۂ دہ قاعدہ (حضرت امیر کبیرؒ) مطبوعہ ۱۹۰۹ء
۱۲. عوارف المعارف (اردو) ص ۱۶۴۔۱۶۷
۱۳. کلیاتِ شیخ العالمؒ
۱۴. لل دید (کلچرل اکاڈمی) ص ۲۹۴ (اس میں دوسرا مصرعہ اصل میں یوں ہے: "کُلی گَے کُوم پَٹن پان"
یعنی میں نے اپنے وجود کو کلمۂ طیبہ میں غرق کردیا۔
۱۵، ۱۶. ایضاً ص ۲۸۰، ص ۲۸۷
۱۷. تاریخ حسن جلد سیوم ص ۱۱۳، ۱۲۶
۱۸. حضرت شیخ نورالدین ریشی کے ترکِ رُہبانیت وطریق ہندوانہ کے بارے میں بابا داؤد مشکوٰتی لکھتے ہیں:
"حضرت شیخ العالمؒ از غار بیروں آمدہ و طریق رشیہ مُجدّد گردانید وطریق رہبانیہ و برہمنیہ واہی ساخت۔
چنانچہ طریقہ رشیہ قبل ازیں برہمنیہ وسیہ بود" اسرار الابرار فولیو ۳۰
نیز دیکھئے "خوارق السالکین المعروف بہ تاریخ ہادی ص ۱۳۴، اور دیکھئے کلیات شیخ العالمؒ ص ۳۳
۱۹، ۲۵. کلیاتِ شیخ العالمؒ
۲۶. تاریخ ہادی محولۂ بالا ص ۱۳۴
۲۷. اسرار الابرار بابا داؤد مشکاتی فولیو ص ۳۰
۲۸. آئینۂ حق (کلام شیخ نورالدین ولیؒ) اسد اللہ آفاقی ۱۹۵۸ء ص ۲۱۸
۲۹، ۳۰. ایضاً ص ۱۶۷
۳۱ تا ۸۸. کلیاتِ شیخ العالمؒ کلچرل اکاڈمی سرینگر

چہل اسرار......ایک مطالعہ

حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ[1] جلیل القدر ولی اللہ، عظیم داعیٔ اسلام، کبیروی سلسلۂ[2] سلوک وعرفان کے بزرگ صوفی مرُشد اور سیاحِ عالم تھے۔ انہوں نے جہاں بینی کو جہاں بانی پر ترجیح دی، صاحب 'ہُفت اقلیم' امین رازی کے بہ قول، حضرت امیرؒ نے اپنی طویل سیاحت کے دوران چودہ سو اولیائے کرام اور علمائے عظام کی ملاقات اور صحبت کا شرف حاصل کیا، اُن کے علم وعرفان سے بہرہ یاب ہوئے اور اُن سے بیشمار فیوض و برکات بھی حاصل کئے۔ مسند آرائے رشد و ہدایت ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت امیر اعلیٰ پایہ کے عالم اور مُصنّف بھی تھے۔ آپ نے تقریباً دوسو چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں ہیں جو امور سیاست اور دستور جہانبانی کے علاوہ، تبلیغ وموعظہ، رُشد وہدایت، فقر وتصوف اور عرفان وسلوک کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے تصوف کی چند اہم کتب کی تشریح اور تفسیر بھی لکھی ہے، جن میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی تصنیف "فصوص الحکم[3]" اور ابو حفص الفارضؒ مصریؒ[4] کا قصیدۂ میمیہ قابل ذکر ہیں۔

(۱) حضرت امیر کی ولادت دوشنبہ ۱۲ر رجب ۷۱۴ھ مطابق ۱۳۱۴ء اور وفات "۷۸۶ھ" مطابق سن ۱۳۸۴ء کو ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے، معرفت وسلوک کی تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدولہ سمنانی سے، اُن کے بعد شیخ ابوالبرکات تقی الدین سے اور اُن کے بعد شیخ شرف الدین مزدقانی سے حاصل کی۔ اُنہیں کے حکم سے دنیا کی سیر وسیاحت بھی کی۔

(۲) کبروی سلسلۂ تصوف کو حضرت شیخ نجم الدین کبرویؒ خوارزمی (وفات ۶۱۸ھ) نے قائم فرمایا۔

(۳) ابن عربی، ولادت ۱۱۱۵ء وفات ۱۲۴۰ء

(۴) شرف الدین عمر ابن الفارض مصری ولادت ۱۱۳۸ء وفات ۱۲۳۵ء

حضرت امیرؒ اعلیٰ پایہ کے نثار، شاعر اور انشا پرداز تھے۔ اس کی شہادت ہمیں ''ذخیرۃ الملوک''، شرح فصوص الحکم، وقصیدہ میمیہ (مشارب الاذواق) چہل اسرار، مکتوبات، بحر طویل میں مناجاتیں اور اُن کی دیگر تصانیف اور رسائل سے ملتی ہے۔ عربی اور فارسی زبان پر انہیں غیر معمولی قدرت اور عبور حاصل تھا، حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانوں کو بھی اپنے سینے میں محفوظ کر چکے تھے۔ اُن کی کرامتِ استحضار اور قوتِ حافظہ اُن کی تصانیف میں ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اُن کی نظم و نثر کو ابتداء ہی سے قبول عام حاصل رہا ہے۔ عوام اور خواص نے آپ کی تصانیف کی بیشمار نقلیں اور مسودے تیار کروا کے نہ صرف انہیں حرز جاں بنایا بلکہ بے پناہ جذبہ عقیدت واحترام کے ساتھ اطراف و اکناف عالم میں اُن کی اشاعت کا کام بھی انجام دیتے رہے۔ اسی لئے اُن کی اکثر تصانیف مرور ایام کی بے رحم دست بُرد سے محفوظ رہیں۔

حضرت امیرؒ کو نثر نگاری کے علاوہ شعر گوئی پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ وہ نہایت ہی مشّاق اور سخن فہم، نکتہ رس اور دقیقہ سنج شاعر تھے۔ اگر انہوں نے شعر وشاعری کی طرف زیادہ توجہ دی ہوتی تو وہ بہت سے مسلّمہ اور صاحب طرز سخن وراساتذہ سے بہت آگے ہوتے۔ انہوں نے شاعری کو اپنے اُن روحانی تجربوں کے بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جو وہ نثر میں بیان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اندازہ یہی ہے کہ نثر میں اُن کے اظہار کو انہوں نے مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ اگر وہ تصوف کے اسرار ورموز، خصوصاً توحیدِ وجودی اور توحید شہودی کے نظریات نثر میں بیان کرتے تو پھر نئی قسم کی فصوص الحکم، یا طواسین جیسی کتابیں وجود میں آجاتیں۔ فصوص الحکم اور قصیدۂ میمیہ ابن الفارض کی تشریح اور تفسیر انہوں نے نثر ہی میں تحریر فرمائی، لیکن معرفت وسلوک کے اسرار ورموز کے بیان مجمل کے لئے انہوں نے شعر گوئی کا ہی سہارا لیا۔ کیونکہ اِن باتوں کے لئے شعر وشاعری کا میدان ہی موزوں، مناسب اور پسندیدہ رہا ہے۔

حضرت امیرؒ جامع جمیع علوم وفنون تھے۔ وہ قرآن وحدیث، فقہ، اور دیگر علوم متداولہ کے مسلمہ عالم اور اُستاد تھے۔ اسی لئے اُن کے کلام میں فصاحت وبلاغت کے ساتھ

ساتھ، علمی تبحر، فلسفیانہ دقّتِ نظر، عالمانہ متانت وسنجیدگی، عاشقانہ خلوص ومحبت، بے انتہا وسیع المشربی، بے ریا ایثار اور احترام آدمیت کی اہم خصوصیات بھی موجود ہیں۔ انکی شاعری میں فنی نزاکتیں اور باریکیاں بھی بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ وہ کبار صوفیاء میں سے تھے۔ فقر و توکل اور استغنا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ وہ عارفِ اسرار صمدانی اور واقف رموز یزدانی تھے۔ اسی لئے اُن کے کلام میں عرفان وسلوک کا بے کراں سمندر موجزن ہے۔ غرض شعری اور فنی محاسن کے علاوہ اُن کے کلام میں ''ورائے شاعری چیزے دگر ہست'' کا عالم بھی نظر آتا ہے۔ حضرت مرشد رومیؒ کی زبان میں حضرت امیرؒ کی شاعری میں جگہ جگہ ''یارِ قند معانی'' ملتے ہیں۔ صوفیاء نے اپنے روحانی اثر اور اخلاقی قوت کے زور سے انسان کو روشن خیال، حق پرست، آزادی پسند، انسان دوست، صلح کُل اور وسیع المشرب بنا دیا۔ حضرت امیرؒ کے دور میں تصوف صرف چند ذاتی عقیدوں، مذہبی مباحث، بندھے ٹکے گروہی اذکار واشغال کا نام نہیں تھا۔ تصوف ایک روحانی، سماجی اور سیاسی بالیدگی اور ترقی کی تحریک تھا، تصوف کی دُنیا میں عام لوگوں، مزدوروں، کاریگروں، محنت کشوں اور کاسبوں کیلئے محبت اور احترام تھا، اور اس میں وقت کے فرعونوں، عہدوں اور دولت واقتدار کے حریص مولویوں، زر پرست فقیہوں اور مکاری اور استحصال سے حاصل کی ہوئی دولت والوں سے شدید جذبہ کراہت واجتناب بھی موجود تھا۔ تصوف محض نظریاتی چیز نہیں تھا بلکہ اس کا اثر پوری زندگی میں جاری وساری تھا۔

چہل اسرار، حضرت امیرؒ کی چالیس غزلوں کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔ ان غزلوں میں آپ نے توحید باری تعالیٰ اور حُبّ محبوبِ کبریا کے حوالے سے توحید وجودی اور شہودی کے اسرار ومعارف اور روحانی ترقی کے رموز وحقائق کو بیان کیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان میں عبودیت کے آداب، عبد کے عَبدُہٗ کے مقام ارفع تک پہنچنے کی حقیقت اور معبود کی ازلی و ابدی شانِ کبریائی کا بھرپور اظہار بھی ملتا ہے۔ عشق الٰہی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر کا تموّج دیکھنا ہو تو چہل اسرار میں غوطہ زن ہونا چاہئے۔ اس کی غزلوں میں بیان کئے گئے مفاہیم، اُن کی معنی آفرینی اور ان میں پوشیدہ اسرار ومعارف اس وقت تک ذہن پر نہیں کھلتے ہیں جب تک کہ اُن کو مکمل غور وفکر اور یکسوئی کے ساتھ نہ سمجھا جائے۔ ان میں اختصار

اعجاز کی حد تک ہے۔ لیکن بہ ایں ہمہ اجمال، فصاحت و بلاغت کے ساتھ یہ تفصیلی سرمایہ سے بھی خالی نہیں۔

غزل اپنی خصوصیت اختصار کے ساتھ اپنے آغاز ہی سے عشق و محبت کے معاملات، وارداتِ قلبی، داخلی تجربات اور خارجی مشاہدات کیلئے مخصوص اور وقف رہی ہے۔ تصوف نے تنگنائے غزل کو بحرِ بیکراں کی لامحدود وسعتوں سے آشنا کر دیا۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے اور اِس تسلسل کی انتہا اور کارفرمائی کا اندازہ لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ غرض غزل بنی نوعِ انسان کی تمناؤں، آرزوؤں اور خوابوں کی معتبر ترین ترجمان ہے اور ہمیشہ سے عشق و محبت سے سرشار دلوں کی آواز ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں دل نہ صرف منظرِ ربانی ہے بلکہ ہشت وہ ہزار عالم کا خلاصہ ہے۔ جس میں ہر لحظہ نئی شان اور نئی آن ہے گویا کُلَّ یَوْمٍ ھُوَفِیْ شاَن کی اوّلین اور مناسب ترین تجربہ گاہ یہی دل ہے۔ سوز و گداز اور سرمستی و سرشاری، خودی اور خودداری، وارفتگی، بے خودی و خودسپردگی، دل کی کرامات اور معجزات کا بیان اور الہامی انداز میں اِن سب لوازمات کی ترجمانی کرنا، غزل کی چند خصوصیات ہیں۔ میخانۂ غزل کے دُرد کشانِ اولین میں سے حضرت سنائیؒ، حضرت خواجہ عطارؒ، حضرت عراقیؒ، حضرت سعدی شیرازیؒ، لسان الغیب حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ، حضرت مولانا رومیؒ، حضرت امیر خسروؒ، مرزا عبدالقادر بیدلؒ[1] نے حسنِ لایزال اور عشقِ لاانتہا کی کیفیات و تعلقات کو اشارات و کنایات، تشبیہ و استعارات اور رمز و ایما کی زبان میں حسن و خوبی کے ساتھ جس دل نشین انداز میں بیان کیا ہے۔ اُس نے غزل کی دُنیا اور اسکی وسعت کے امکانات کو لامحدود بنا دیا۔

حضرت سیّد علی ہمدانیؒ کی فارسی شاعری پر اوزان و بحور اور تصوف کے حوالے سے مسلمہ اساتذۂ فن کا اثر ضرور نظر آتا ہے۔ تصوف کا اس لئے کہ یہ سب صوفی شعراء میں قدرِ مشترک ہے اور اوزان و بحور تو سب شعراء کی میراث ہیں لیکن اس عمومیت کے باوجود حضرت امیرؒ کی زبان منفرد اور طرزِ بیان اچھوتا اور جداگانہ ہے۔ اگرچہ اُن کی غزلوں میں حضرت رومیؒ کی طرح جذبات کی شدت، اور مکمل سرمستی و بے خودی نہیں ہے لیکن فاریابی کی

(۱) عطار ولادت ۵۱۳ھ وفات ۶۲۷ھ، عراقی وفات ۶۸۸ھ، سعدی وفات ۶۹۱ھ، حافظ وفات [illegible]، رومی وفات ۶۷۲ھ

غزلوں کی طرح وہ سپاٹ اور جذبے سے خالی بھی نہیں ہے اور نہ ہی اُن میں مغربی (وفات 7-1406ء) کی بے رنگی ہے نہ اُنہی کی طرح مسائل تصوف کو محض شاعرانہ انداز میں منظوم کیا گیا ہے۔ حضرت امیرؒ اپنی شاعری میں زبان و طرزِ بیان، نفسِ مضمون اور کیفیات اور وارداتِ روحانی و قلبی کے بیان کرنے میں کسی کی تقلید اور روش اختیار کرتے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں ایک الگ، مگر نمایاں مخصوص عالم کا ماحول چھایا ہوا ہے جو اپنی شانِ انفرادیت کی وجہ سے ممتاز ہے۔ ان کی غزلوں میں اگر کہیں اساتذۂ سخن کی استعمال کی ہوئی چند ترکیبیں برتی بھی گئی ہوں، لیکن مجموعی طور پر انہوں نے بالکل نئی ترکیبیں، تشبیہات اور استعارات تخلیق کئے ہیں جن میں حقائق و معانی کی فراوانی بھی ہے اور وسعت و اختصار بھی ہے۔ یہ گویا ستارے ہیں جن سے انہوں نے آسمانِ غزل میں چراغاں کیا ہوا ہے۔ یا ایسے نگینے ہیں جو شعر کے تار میں بندھے ہوئے ہیں۔ چہل اسرار کی غزلوں میں کثرت کے ساتھ اضافتوں کا استعمال ہوا ہے لیکن وہ ذوقِ سلیم پر ناگوار نہیں گزرتا ہے۔ ان غزلوں میں جلال بھی ہے، جمال بھی اور حسنِ ازل کے ساتھ عشقِ لازوال کی تپش اور وارفتگی بھی اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

غزل میں مجاز و حقیقت ایک دوسرے سے اکثر بغل گیر نظر آتے ہیں۔ لیکن حضرت امیرؒ کے کلام میں مجاز اور ہوس، دونوں یکسر غائب اور معدوم ہیں۔ اُن کے یہاں صرف حقیقت ہے۔ اسی لئے اُن کے کلام میں سفلہ خیالات، اور ہوس کاری کا خس و خاشاک کہیں بھی نظر نہیں آتا ہے۔ یہ اُن کی دروں بینی کے جذبے کے طاقتور ہونے کا پتہ دیتا ہے، جذبہ جبلتوں کو اُبھارتا ہے اور تصورات و خیالات کو وحدت عطا کرتا ہے۔ حضرت امیرؒ کی غزلوں میں جذبے کا اظہار اور وحدتِ تصور اپنی پوری طاقت کے ساتھ جلوہ گر ہے اسی سے ان میں رفعتِ فکر اور بلندئ تخیل بھی پورے وقار و متانت کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت امیرؒ نے تصوف کی روایات کو تغزل کی روح سے ہم آہنگ کیا، کشمیر کی ادبی دُنیا میں اِس روایت کی اوّلین بنیاد حضرت امیرؒ نے ہی رکھ دی ہے۔

اُن کی شاعری کے کئی دلچسپ پہلو ہماری توجہ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اس میں نظریۂ

توحید وجودی اور توحید شہودی کا قرآن السعدین بھی نظر آتا ہے۔ مناجات کا منفرد انداز بھی اس میں ہے نعت و مدح پیغمبرؐ میں اچھوتی جدّت بھی۔ دُنیائے دل کی خوبصورت ترجمانی، قناعت فقر و استغنا، عرفانِ نفس اور عشق پر زور کے ساتھ ساتھ اس میں وسیع المشربی کی تلقین بھی ملتی ہے۔ کتاب کی تنگ دامانی کی وجہ سے یہاں نہ ہی نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی وضاحت اور تشریح کی گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی موقعہ، دراصل حضرت امیرؒ نے اخلاق پر زیادہ زور دیا ہے اس لحاظ سے تصوف کے نظریاتی مباحث کے بجائے اُن کی توجہ تصوف کے عملی پہلو پر زیادہ رہی ہے۔ بہ ایں ہمہ اُن کی شاعری میں وحدت وجودی/شہودی نظریہ کے پہلو نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس میں ''ہمہ اوست'' کی صدائے بازگشت بھی سنائی دیتی ہے اور ''ہمہ از وست'' کا غلغلہ بھی۔ لیکن مجموعی طور پر وہ صاحبانِ صحو سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ''ہمہ اوست'' کے اسرار و رموز بیان کرتے وقت حضرتِ امیرؒ ''جمع الجمع'' کی حالت سے سکر و مدہوشی کے عالم میں داخل نہیں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر اُن کی شاعری میں بہت کم اشعار ملتے ہیں۔

''ہمہ اوست'' اور توحید وجودی کے نظریہ کی ترجمانی اس طرح کی گئی ہے۔

قبلۂ دل آفتاب روی اوست   کعبۂ جاں خاک راہِ کوی اوست
چوں ز زُلفش گشت عالم مشکبوی   دوستیِ ایں و آن بر بوی اوست
کفر و دین و نور و ظلمت در جہاں   از رخِ ماہ و وشب گیسوی اوست
ہر گلی کورُست در باغ وجود   آبِ حیوانِ ہمہ از جوی اوست[1]

●

کاتبِ غیرت کشید خطِ حروفِ حدوث   شحنۂ غیرت بشُست صورتِ بود و نبود
از نفحاتِ قدم حضرت اسماء کشود   وز نسمات کرم صورتِ اشیاء نمود
خاک سر کوئی او شاہ و گدا و امیر   آئینہ روئے اُو کون و مکان و وجود
قطرہ بدریا شُدہ مطلق بے جا شدہ   بحرِ مُحیط قدم قید شُدہ در حدود[2]

(۱۔۲) چہل اسرار

چشم و چراغ ہمہ عالم منم   نورِ دل و معنیِ آدم منم
دردِ دِل آرید و دوائی برید   ریش نمائید کہ مرہم منم[1]

●

روزگاریست کہ ہم طالبم وہم مطلوب
طرفہ حالیست کہ ہم دردم و ہم درمانم[2]

●

نہ من بے او نہ اُو بے من، مَن اُو را دور چوں گویم
کہ در دین یکی گویاں دو گفتن ناروا دیدم[3]

●

برخود غلَطَم کہ خود را چہ نامم؟   معشوقم و عشقم و عاشقم کُدامم؟
ہم عشقم و عاشقم و ہم معشوقم   ہم ساقی وہم بادہ وہم خود جامم
ہم نوشم وہم نیشم ہم حنظل وہم شہدم   سرپوش وہم دیگم ہم پختہ وہم خامم[4]

●

گر جہانی چوں علائی ہر دم آنجا شُد فنا   قطرہ در دریا فتاد و باز شُد آبی بہ آب[5]

●

چوں حجاب ماسوا از دیدۂ دل دور شُد   شبنم از صحرائے کثرت سوئی دریا می کشد[6]

●

درمحیطی فگندہ ام زورق   کہ دو عالم در وست مستغرق
نے ززورق تواں شناخت محیط   نے محیط از وجود آں زورق
آب شد زورق و ز سیر آسود   این است معنی مشکل و مغلق
بہ تفاوت مبیں کہ اصل وجود   نہ شود مختلف بہ ہیچ نسق

(۱۔۲۔۳۔۴) (بیاض قلمی مملوکہ مضمون نویس)   (۵۔۶) چہل اسرار

کفر و اسلام بدعت وسنت — اختلافی است درمیانِ فرق[1]

•

چو قطرہ غرقِ دریا شد بہ کُلّی — ہمہ دریاست آنجا کیف وکم نیست[2]

•

گفت وگوئے انا بحالت کشف — ہرکہ گوید از و خطا نبُود
حاصل اندر زمانِ استغراق — شاہد روح جُز خدا نبُود

•

درعشق نماز بے رکوع است وسجود — یکسان است درمومن وترساوجہود
چون قبلہ بجز جمالِ معشوق نبود — عشق آمد ومحو کردہر قبلہ کہ بود[3]

•

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں حضرت امیرؒ کی شاعری میں توحید شہودی اور ہمہ از وست نظریہ کی بھی بھرپور، بلکہ غالب طور پر ترجمانی ملتی ہے۔ اور مجموعی طور پر اُن کی تصنیفات میں اسی نظریہ کی ترجمانی اور عکاسی نظر آتی ہے۔ اگرچہ ''قصیدۂ کنزالاسرار'' میں حضرت امیر نے وحدت الوجود کے نظریہ کی اُس حالت کی ترجمانی کی ہے جسے حالت سُکر کہتے ہیں لیکن حضرت امیرؒ صوفیائے کرام کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، جو مجموعی طور پر ہمیشہ صاحبِ صُحوِ ہی رہے۔ چہل اسرار میں بھی وہ خصوصی طور پر توحید شہودی کے علم بردار اور پُرجوش ترجمان نظر آتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

مہر، مہاوست ای دل تودم از وصلش مزن — سایہ را خورشید جُستن کے بود راہِ صواب[4]
لے گرفتارانِ عشقت فارغ از مال ومنال — والہانِ حضرتت را از خود و جنت ملال
طوطیانِ طارم علوی بر آوُردہ زجان — نعرہائے ''ماعرفناک'' لے قدیم ذوالجلال
پرتوے ازعکس رویت تافتہ برروئے خاک — خاک ازاں پوشیدہ چندیں خلعت حسن وجمال
ہرکہ برخاکِ درت رہ یافت عزت یافت اُو — کز بیانِ وصف اُوفرسودہ شُد سرِّ مقال

(۱۔۲)چہل اسرار، (۳)کلام حضرت امیر(بیاض قلمی) (۴)چہل اسرار

ذُردی دردِ تو داروئے دِلِ ہر باخبر — زیورِ ذکرتو زیب حال ہر صاحب کمال[1]

•

اربابِ ذوق درغم تو آرمیدہ اند — وزشادیٔ نعیم دوعالم رمیدہ اند
در مجلس شہود نشستہ ملوک دار — ذوقے زجامِ اُنس ومحبت چشیدہ اند[2]
حجاب تُست ایں ہستی موہوم — کہ ہرگز نور باظلمت بہم نیست[3]

•

قُفل ایں درشُد علائی وکلید آں نیاز — گرنیازی داری ایں جابر سریر ناز شو[4]

•

قدسیاں کوس اطیعو اللہ برجاں کو بند — از دِل و نفس سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا شِنوند
برندائے کرمش کردہ رواں ہامسرور — چوں ز آثارِ وفاشکر مُوَفًّا شِنوند[5]

•

سیر عنقائے جلالش می نہ گنجد بہ دوکون — طمع جلوۂ اوبیں تو زہرے جائی
قطرۂ بے سرو پارا، زِ کجا آں مقدار — کہ درونِ دل خود جائے کند دریائی
از خط و خالِ تو ہر بے خبری راچہ خبر — بہ سُہا، رہ نبرد دیدۂ ہر بینائے[6]

•

سیر ہمائے عشقش والا بود ہمیشہ — ظِلِّ جلالِ حُکمش برپا بوُد ہمیشہ[7]

•

اس غزل میں نظریہ ''ہمہ ازوست'' کی واضح ترجمانی ملتی ہے،

عاشقان عکسِ رُخت از ہمہ اشیابینند — سِرّ سودائی تو از سینہ ہویدا بینند
آتش کزغم تورخت دل و جاں سوزد — از فروغِ شرَرَش نور تجلی بینند
از وجوہ سَرُِتھم خطِ اسماء خوانند — پس بہ تحقیق ہمہ عین مُسَمّیٰ بینند
ہر چہ ہست آں ہمہ آئینہ ذاتت دانند — رویٔ مقصود درآن آئینہ پیدا بینند[8]

•

(۱۔۸)چہل اسرار

آں کہ بر ہر ورقی عکس جمالِ تُو ندید　　غرقِ آبی است کہ یک قطرۂ لذّت نہ چشید
ہر کہ بیرون ز خود اندر طلبت سعی نکرد　　از پیِ آب چُو ماہی ہمہ عُمر تپید
خوابِ جہل از حرمِ قُرب مرا دور فگند　　ورنہ نزدیک تراز دوست کسی ہیچ ندید
مَستِ عشق اند بیادی کہ ازاں کوی وزید　　ہمہ پروردۂ لطف اند چہ پیروچہ مُرید
چوں تو آں راہمہ بینی ہمہ دانی بہ یقین　　یافتی گنج حقیقت کہ بر آں نیست مزید
تابِش عکس رُخش چوں زِپس پردہ بتافت　　شبنمِ جانِ علائیؔ سوی خورشید کشید[۱]

●

ان دونوں قسم کے شعروں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ایک غزل کے ان چند اشعار کو مدِّنظر رکھئے۔اس میں حضرت امیرؒ نے توحیدِ شہودی کے نظریہ کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ اسی کی روشنی میں ہم اُن کے نظریوں کی وضاحت کریں گے۔

زعکسِ روئے تو یابند مقبولاں ہدایت ہا　　زخاکِ کوئے تو یابند مسعوداں ہدایت ہا
تو آن انفاسِ رحمانی کہ جاں ہا از دَمت یابند　　تو آن دریائے غفرانی کہ می شوی خجالت ہا
قباحت ہائے فعلِ ما کہ سگ زاں عار میدارند　　بغیر از پردۂ عفوت کہ پوشد ایں قباحت ہا
عنایت ہائے بے علّت کہ باہر مفلسی داری　　تَسلّی مید ہد دل را اُمید آن عنایت ہا
حمایت ہائے فضل آورد جاں را از عدم بیروں　　دگر رہ چشم می دارد ز فضلت آن حمایت ہا
ہمائے لطف اگر یکدم نظر برجانم اندازد　　سر ہر موئے من یابد ازاں دولت کرامت ہا
زِ حُسنت ہر کسے ہردم حدیثے دیگر آغازد　　رخت گرجلوہ می سازد نماند این حکایت ہا[۲]

یہ غزل دراصل اُن کے نظریۂ توحید کی نمائندہ تشریح وتفسیر ہے۔حضرتِ امیرؒ کا مجموعی نظریہ یہ ہے کہ وہ واجب اور ممکن کی ماہیّت کو ایک اور عبد اور معبود کو ایک دوسرے کا عین نہیں سمجھتے ہیں۔وہ خدا کو کلّی طبیعی کی طرح اپنے افراد میں موجود نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ یہ سراسر زندقہ ہے۔وجودی اور شہودی نظریوں میں جو ظاہری لفظی اور دیگر اختلافات نظر آتے ہیں۔ اُنہیں وہ نزاعِ لفظی سمجھ کر نظرانداز کرتے ہیں۔اُن کی توضیح کے نزدیک دونوں کا ماحصل دل

(۱-۲)　:چہل اسرار

کو ماسوی اللہ کے تصور و خیال سے آزادی دینا ہے۔اور ربّ کائنات سے توکّل اختیار کرنا۔ کیونکہ توحید وجودی کی غرض وغایت یہ ہے کہ شہود میں جلوہ گر ہو اور اس میں غیر نظر نہ آئے اور یہ حالت مشاہدہ میں آجائے یعنی دل میں اور زبان پر توحید خالص ہو،اسی طرح توحید شہودی کا ملتجا بھی یہی ہے کہ وجود میں بھی غیر کا مشاہدہ نہ ہو، وحدت الشہود کا ماحصل یہی ہے کہ وجود ہمہ موجودات کو ایک وجودِ مطلق کے نور میں گم کردیا جائے۔اور کثرتِ اعتبار یہ شہود میں خلل انداز نہ ہو۔اور اُن کا وجود نظر نہ آئے۔اس حقیقت کو کُنہہ تک رسائی کے لئے حضرت امیرؒ عرفانِ نفس پر زور دیتے ہیں۔علم حقیقی تک پہنچنے کے لئے اپنے نفس کا عرفان ضروری ہے۔**مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ**۔یقین کے مراحل طے کرنے کے بعد انسان کا بلند ترین مقام،مقامِ عبدیت ہے۔عبد کا مرتبۂ الوہیت سے متحد ہونا محض خیال ہے کیونکہ یہ محال ہے، یہ حالت عدم کے مماثل ہے اور وجود سے محروم کردینا ہے،عبدیت بلند ترین مرتبہ ہے خود حضرتِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدیت کو رسالت پر فوقیت دی ہے اور پہلے اپنے عبد ہونے کا اقرار فرمایا: **لا اِلٰہ الا اللّٰہ واشھدُ انَّ مُحمّد عبدہٗ وَرسولہٗ**۔خدا معبود ہے اور انسان عبد،خدا اور عالم میں عینیت کا کوئی امکان نہیں وہ انسان کے فہم وادراک اور قوائے عقلیہ اور کشفیہ سے بالاتر ہے۔

حضرت امیرؒ کا سارا کلام نظم ونثر مکمل بندگیٔ رب کے ساتھ ساتھ پیرویٔ شریعت مصطفویؐ کا آئینہ دار ہے۔وہ تصوف کا استنباط قرآن وحدیث اور اُسوۂ پیغمبرؐ برحق سے کرتے ہیں۔اس معاملے میں وہ حضرت جُنیدؒ کے اس قول پر عمل پیرا ہیں کہ" یہ راہ (سلوک و معرفت) وہی پاسکتا ہے،جس کے سیدھے ہاتھ میں قرآن پاک ہے اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے[۱]" حضرت امیرؒ شریعت وسنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم جانتے ہیں۔اپنے ہر ایک کام،تصنیف و تالیف اور پوری زندگی میں قرآن وحدیث کے نظریہ توحید واخلاق کو راہ نما بنایا۔اپنی زندگی اہل وعیال اور عوام کے ساتھ گذاری،دنیا کو ترک کیا،مگر اسی دنیا میں رہ کر،وہ خلوت پسند بھی

۱　تصوف اک تعارف، جی ایم شاد

تھے مگر انجمن اور جلوت میں۔ وہ حکم سیروفی الارض کے تحت مسلسل سفر بھی کرتے رہے اور وطن
در سفر کی صعوبتوں سے مشاہدۂ آیاتِ بینات کی فرحت افزا الذت سے محظوظ بھی ہوتے
رہے۔ عشق وحب رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی روح سرشار تھی، اسی سرشاری میں ڈوبی
ہوئی اُن کی نعتیں قاری کو بھی مست و بے خود بنا دیتی ہیں۔ روایتی انداز میں حضرتِ امیرؒ کی
کہی ہوئی کوئی نعت میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ اُن کی نعتوں کا انداز بالکل نرالا ہے۔
ظاہر میں اُن کی نعت پر، نعت کا گماں نہیں ہوتا ہے۔ لیکن ذرا سی توجہ دیجئے تو آپ نعت کی
مقدس وادی میں پہنچ کر عندلیب حرم کی زمزمہ سنجی سے لطف اندوز ہوں گے۔

تو کانِ گوہر کانی و گوہرِ نُونی!   چہ کاف ونون کہ زکاف ونونِ بیرونی
سپہرِ مطلع انوار و آفتابِ جلال   بگردِ نقطۂ ذاتِ تُو کردہ گردونی
ظہورِ سر کمالاتِ سرمدی از تُست   اگرچہ خازنِ اسرار را تو مخزونی
قبابِ غیرتِ او پردۂ جمال تُو شُد   توئی کہ در صدفِ علم دُرِ مکنونی
لِوائے عِزّ تو بر سِدرۂ قِدم زَدہ اند   عزیز در صفِ اہل صفا نہ اکنونی
مُحیط گنبدِ اسرار را توئی مرکز   صفائے صخرۂ اسرار تو استونی[۱]
اے رَوحِ رُوح پروروائے رَیحِ روح نام   بوئے حیات از قفست می وزَد مُدام
ہر صبحدم ز مجلس روحانیانِ قُدس   باتشنگانِ شوق دِہی شربت غرام
برخاکِ کوئے دوست گذشتی مگر سحر   کز لُطف جانفزائے ہمہ راحتی و کام
گردر سُرادقاتِ جلالش رسی دَمی   زیں جانِ مستمند رسانی یکی پیام
کان مفلس شکستۂ مہجور آن جنابؑ   برخاکِ راہ حیرت و میگویدت سلام
عمری است تازِ سُدّۂ قربت فتادہ است   بادیو نفس در قفس طمع بندکام
نی پای سیرنی رہِ مقصودنی قرار   نی صبرونی اُمید، مگر رافت کرام
درگاہِ جُود راچہ زیاں کردہ می شود   کارِ دو کون گر کُنی از یک نظر تمام

دریائی فضل موجِ کرم می زند، بران
مرکب، علائیا، مگر آنجا کُنی قیام[۲]

۱۔۲ چہل اسرار

اے شُدہ نورِ خدا از مہ روی تو پدید   خورم آنکس کہ دریں عید مہ روئی تو دید
بہ خرابات فنا محو شود درلمعات   از مئے عشق تُو یک جرعہ ہر آنکس کہ چشید
توتیا خاک شود در نظر ہمّت اُو   آنکہ درد دیدہ ز خاکِ درِ تُو سُرمہ کشید
چوں مہہ نو شود انگشت نمادر ہر جا   پشت ہر کس کہ ببوسیدنِ پائی تو خمید
شدہ از طالع فرخندہ سر افرازِ جہان   آنکہ از صدقِ ارادت برکابِ تو دوید

بہ علائی نظری کُن زِ سرِ صدق و صفا
کہ بہ جائی نرسد بے نظر پیر مُرید[۱]

گشتہ تا محو تجلّائے جمالش جانم   دیدہ ام حسن و جمالی کہ دَر و حیرانم
تا شُد از صفحۂ دل محو نقوشِ کونین   خط رُخسارِ تو ہر لحظہ دروی خوانم[۲]

فنی خوبیاں:

چہل اسرار کی فنی خوبیوں کا کچھ ذکر ابتدا میں کیا گیا ہے۔ بیچ میں غزلوں کی معنویت کی بحث آ گئی، تغزل کی چاشنی کے ساتھ ساتھ ان غزلوں میں، بے ساختگی، برجستگی، چستی فکر تخیل کی بلندی اور فارسی اور عربی زبان پر حضرت امیرؒ کی اُستادانہ دسترس، نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ حضرت امیرؒ نے غنائیت اور تاثیر سے بھرپور بحروں کا انتخاب کیا ہے۔ جس سے ان کی غزلوں میں مزید دلکشی اور جاذبیت پیدا ہوگئی ہے۔ مثال کے طور پر اس غزل کو لیجئے اسے دیکھ کر ملا محتشم کاشی کا مرثیہ ہفت بند یاد آتا ہے۔ جو فارسی شعری اور رِثائی ادب میں نہایت ہی مشہور ہے[۱]

رندان جاں فشاں چوقدم برفنا زنند   برخوانِ دردِ ہجر صُلائے اَنازنند
از آبِ دیدہ، غسل کنندو بہ طوعِ دل   از دردِ عشقَ نالۂ فاغفرلنا زنند
چوں شُستہ اندلوحِ دل ازظلمتِ حدوث   دردرسِ غیب نعرۂ فاکتُب لنازنند
از شرِ دیو طبع کنند التجا بہ دوست   تیر نیاز برہدفِ عافنا زنند
مستانِ جام شوق کہ درمجلس شہود   دراستزادِ آں دم اتمم لنا زنند

۱۔۲ چہل اسرار

از مدینِ وفا چوبہ قدس صفا رسند　　برصخرہَ قبول کرم ربّنازنند
درسرّ سیرِ عالم بے منتہائے عشق　　گام نخست بر سر ایں تنکنازنند
چوں در ریاضِ اُنس شرابِ بقاچشند　　خوش تیغِ ترک بر رُخِ دارالفنازنند

بادارغِ مُفلسی چُو علائی خیام عز
برسدرہَ قناعتِ و اوجِ غنا زنند [1]

غزل روانی اورالفاظ کے پرُشکوہ دروبست، کیساتھ ساتھ نہایت ہی چابکدستی اور عربی وفارسی زبانوں پرحضرت امیرؒ کے عبور کا پتہ دیتی ہے۔عربی قافیئے فارسی زمین اورفارسی ردیفوں میں اس طرح استعمال کئے گئے ہیں جس سے غزل کی روانی، شُستگی، چستی، اور شعریت میں غزل کے نفسِ مضمون کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نہ صرف اضافہ ہوا ہے بلکہ خوبصورتی اورپرُشکوہ تقدس بھی پیدا ہوا ہے۔اسی طرح حضرت امیرؒ کی یہ غزل اپنی مختصر بحر سلاستِ زبان وبیان، فکر کی گہرائی اور گیرائی اورجذبے کی پختگی کی اچھی مثال پیش کرتی ہے۔

ازفحاتِ قِدَم حضرتِ اسماء کشود　　وزنسماتِ کرم صورتِ اشیاء نمُود
مہر مَحبّت نہاد بردل اہلِ وفا　　دارغِ ارادت کشید بررُخِ گبروجہود
خاکِ بسر کوئے اُوشاہ گدا و اَمیر　　آئینہ روئے اوکون ومکان و وجود
سابقہَ فضلِ اومظہر نوحؑ وخلیلؑ　　صاعقہَ قہر اومہلکِ عادوثمود
کاتب حکمت کشید خط حروف حدوث　　شحنہَ غیرت بہ شست صورتِ بود نبود
قطرہ بدریا شُدہ مطلقِ بے جا شدہ　　بحر محیطِ قِدم قید شدہ در حدُود
موردمگس سیرہا دید دریں پردہ ہا　　مرغ ودوحوش وطیورجملہ صنوف وجنود
مشرعِ ادبارِ ماپردہَ پندارِماست　　ہرکہ ازیں پردہ رُست گوئ سعادت ربود

دیدعلائی عیاں برورقِ کائنات
جملہَ ذرّات کون پیش رخش در سجود [2]

دیگرفنی خوبیوں کے علاوہ اس طرح غزل میں بھی حضرت امیرؒ کی دیگرغزلوں کی

(۱۔۲)چہل اسرار

طرح خوبصورت انداز میں صنعت تلمیح کو برتا گیا ہے۔تلمیح، مثال، رموز اورآیات قرآنی کی زبان میں انہوں نے روحانی، تاریخی اوراجتماعی نوعیت کے حقائق کودل نشیں انداز میں بیان کیا ہے۔صاحب ذوق وفہم اُن کا دراک بخوبی کرسکتے ہیں۔اگرچہ حضرت حضرت امیرؒ کی شاعری، ایک الگ ماحول اورمخصوص مطالب کی حامل ہے لیکن بہ قدرظرف واستعداد فارسی شعروشاعری سے ذراسا بھی شغف رکھنے والے لوگ بھی اس سے محظوظ ہوسکتے ہیں۔

لفظوں کے مناسب دروبست سے حضرت امیرؒ اچھی طرح سے اپنے مطلب اورمقصد کی ترسیل وابلاغ کرکے اسے تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔شعروشاعری میں الفاظ کا استعمال، رمزو، ایما، تمثیل وتشبیہ، استعارہ وکنایہ، تلمیح وحوالہ اورعلامتی نوعیت ہی رکھ سکتا ہے۔یہ سب لوازمات تخیل اورجذباتی عمل کی روح ہیں۔مختلف زبانوں پرمکمل دسترس اورعبور ہونیکی وجہ سے حضرت امیرؒ نے ان سب لوازمات کومناسب برجستہ اور بے ساختہ طور پر بڑی فنی مہارت اوراستادانہ چابکدستی سے تصرف میں لایا ہے۔ان میں مختلف معانی ایک ہی جگہ جمع ہوچکے ہیں۔انہی کے ذریعہ وہ خاص باتوں اورمخصوص خیالات کا اظہار بھی کرتے ہیں اور جذباتِ دروں کی مُصوّری اورعکاسی بھی۔یہ اُنکے اشعار میں معنیٰ آفرینی کے علاوہ ایک پراسرار ماورائی روحانی خاصیت پیدا کرتے ہیں۔فکرومعانی کی گہرائی اوروسعت اس پر مستزاد ہے۔

چہل اسرار کی زبان فصیح وبلیغ ہوتے ہوئے بھی نہایت دقیق، معنوی جامعیت اورعمق معانی کی حامل ہے۔صرف چالیس غزلوں میں دوسو سے زیادہ تراکیب، تشبیہات تلمیحات، استعارے کنائے اورمحاورے، نظر سے گزرتے ہیں۔ان میں مقفیٰ اور مسجع اورسہل مُمتنع کی حدتک عالی شان مصرعے اورشعر، طویل مگردلرُ بااضافتیں، دیکھ کرانسان دنگ رہ جاتا ہے۔اسی ظاہری ساز وسامان سے حضرت امیرؒ نے اپنے شعروں میں اختصار اورمعنوی جامعیت وتفصیل کا اعجاز دکھایا ہے۔سہل ممتنع کی چندمثالیں ملاحظہ ہوں۔

در محیطی فگندہ ام زورق　　کہ دو عالم دروست مستغرق
ائے علی لفظِ ماومن حُمق است　　چوں زمَا بگذری چہ ماند؟ حق! [1]

[1] چہل اسرار

گر نسیم وادی اسرار خواہی تن گداز — در تجلّی جمالِ یار خواہی جاں بباز[1]

قبلۂ دل آفتابِ روئے اوست — کعبۂ جاں خاکِ راہِ کوے اوست[2]

تو محرم نیستی محروم ازانی — رہِ نامحرماں اندر حرم نیست

اگر فانی شوی در بحرِ توحید — عیاں بینی کہ آنجا کیف وکم نیست[3]

تو کوے دوست ہمی جوئی ونمیدانی — کہ گر نظر بہ حقیقت کنی تو آں کوئی[4]

سرِ ہُمائے عشقش والا بود ہمیشہ — ظلّ جلالِ حکمش برپا بود ہمیشہ[5]

نالہ راہم دم گزین وسایہ راہمسایہ کن — جامِ غم برروئے ایشاں نوش کن در ہر زماں

آں کہ باعقل طلب کرد وہمہ عمر نیافت — وآنکہ بے خویش درآمد اُو بیک لمحہ رسید[6]

اضافتوں سے پُرطویل اور مُختصر مصرعے اپنی جاذبیت، بلاغت، وفصاحت کے ساتھ دعوتِ ملاحظہ دیتے ہیں[1]

کلید عُقدۂ ایوانِ بارگاہِ جلال[7]
سپہر مطلعِ انوار وآفتابِ جلال[8]
مُحیطِ گنبدِ اِسرار را توئی مرکز[9]
ظہور سِرِّ کمالاتِ سرمدی از تُست[10]
چراغِ مجلسِ روحانیانِ عالمِ قُدس[11]

•

کفر ودین نور وظلمت درجہاں — از رُخِ ماہ وشب گیسوئے اوست
چوں زِ زلفش گشت عالَم مشکبو — دوستی "این" و"آن" بربوئے اُوست

۱تا۱۱ چہل اسرار

تشبیہ:

آتشی کاندرمیانِ جانِ ماست — از فُروغِ نرگسِ جادوئے اوست[1]

"نرگس جادُو" کی تشبیہ تو عام ہے لیکن "فروغ نرگس جادُو" نے شعر کو کیا خوبصورت فروغ بخشا ہے۔ اسی طرح شاہ باز تو عام ہے۔ لیکن شاہ بازِ حُسن تو بالکل چیزے دیگر ہے۔
یہی حال ان تراکیب کا ہے۔ سرِّ صفائے عارف، کنوزِ غیبِ دوعالم، سرِّ خطاب، خطِ اسماء، مصرِ دل، فرعونِ ہوا۔ خس، پوشِ فکر، ضیقِ خانقاہِ صُور، راندۂ اشتیاق، ملامت گہہ عُشاق وغیرہ۔ انکے مطالب اوران کے ذریعۂ جذبہ دروں کی، پیش کی ہوئی توضیح دعوتِ غور وفکر دیتی ہے۔ ترسیل وابلاغ میں یہ کسی بھی طرح مانع وحارج نہیں ہیں۔

تلمیحات:۔

فرعون ہوا، چشم ہامانِ امل، پاکئی یوسفِ جان، حضرت اسما، خط اسماء، دل طٰہٰ، سرِ یٰسین، نقرِ افلاطون وغیرہ ان کے علاوہ قرآنی تلمیحات اکثر شعروں میں استعمال کی گئیں ہیں۔

بلاغت وفصاحت:

حضرت امیرؒ کے کلام میں فصاحت وبلاغت کا حسن بھی موجود ہے اور سلاست وروانی بھی، ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں[2]

آن دل کہ یافت یکدم از کوئے تو نشانی — سازد نثار راحت در ہر نفس جہانی
روحانیانِ علوی در رشک وغیرت افتند — چوں بی دِلی نشنید بایادِ تو زمانی
بالذّتِ خیالت خُلدِ بریں سرائے — بانامِ تو دو عالم ناں ریزۂ زخوانی
بَرقِ شعاعِ رُویت ہردیدہ برنتابد — وصفِ غمت نگردد ومقدور ہر زبانی
بوئے زخاک کویت مطلوبِ ہر ضمیرے — عکسے زنور رُویت محبوبِ ہر روانے[2]

۱ چہل اسرار
۲ چہل اسرار

زُحسنت ہر کسی ہردم حدیثے دیگر آغازد　　رُحت گر جلوہ می سازد نماند ایں حکایت ہا

عقولِ قدسیاں گُم گشت اندر یک خَمِ زُلفت　　زِمُشتِ خاکیاں آنجا چہ سنجد ایں مقالت ہا[1]

فصاحت و بلاغت کیساتھ ساتھ موسیقیت اور غنایت سے بھری ہوئی غزل کے چند شعر

راحت ار خواہی بیابا دردِ او ہمراز شو　　دولت ار جوئی برو در عشق او جانباز شو

سازِ راہ عشق سربازی و بدنامی بُوَد　　گر سرِ ایں راہ داری بر سر ایں ساز شو

جان و تن بنداست کفر و دیں حجاب اندر رہش　　جُملہ را بر ہم زن و با عشق ہم آواز شو[2]

غُبار راہ گشتم ، سُرمہ گشتم، تو تیا گشتم
بہ چندیں رنگ گشتم تا بہ چشمش آشنا گشتم
بہر صورت کہ گردیدم نبُردم راہ در کویش
نوائے بلبل و بوئے گل و باد صبا گشتم
علی در عالمِ مستی پئے بوسیدنِ پایش
زخجلت آب گشتم سنگ پا گشتم حِنا گشتم[3]

خاکسار کے کتب خانہ مسوّدات میں مختلف بیاضیں موجود ہیں۔ایک بیاض میں حضرت سیّد علی ہمدانیؒ کے ایک شعر کے ساتھ مختلف شعراء کے کئی شعر اُسی زمین بحر، ردیف اور قافیہ میں تحریر کئے گئے۔ میری رائے میں حضرت امیرؒ کا شعر بلاغت و فصاحت، چستی اور معاملہ بندی کے لحاظ سے منفرد اور یکتا ہے۔

برقِ نازانِ فنا تا کمر دل بستند　　چوں شرر بر نفس سوختہ محمل بَستَند

بہ طپش از قفس اُمید رہائی غلط است　　ایں طلسمی است کہ بر بازوئے بسمل بستند[4]

(میاں ناصر علی سرہندی)

بوئے جاں می شنوم زچمنِ زخم مگر　　آبِ حیواں بدمِ خنجر قاتل بستند[5]

(مولوی خانِ فطرت)

(۱۔۲۔) چہل اسرار　　(۳۔۵) بیاض قلمی مملوکہ مضمون نگار

سالکانے کہ بہ خورشید رخت دل بستند　　شبنم آسا بہ نگہ سوئے تو محمل بستند[1]

(جویا)

سادہ لوحاں کہ بہ تعمیر بدن دل بستند　　درِ دل رابرُخِ خویش ازیں گل بستند[2]

(مشتاق کشمیری)

اب حضرت امیرؒ کا شعر ملاحظہ ہو

نقش معشوق نہ برآب نہ بر گل بستند　　ایں طلسمی است کہ بر آئینۂ دل بستند[3]

حضرت امیرؒ نے صرف چالیس غزلوں میں سینکڑوں ترکیبیں، تشبیہات، استعارے اور تلمیحات استعمال کی ہیں۔اکثر ترکیبیں خود ان کے خلاق اور جدت پسند ذہن و دماغ کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ بادی النظر میں کوئی اندازہ ہی نہیں ہوتا ہے۔توجہ سے دیکھا تو یہ ساری چیزیں آسمانِ شعر کے جگ مگ کرتے ہوئے تارے نظر آتے ہیں۔[4]

انفاسِ رحمانی، ابر جود، ابر جان، اوج غنا، آلودگانِ جیفۂ دنیا، اندوہِ اشتیاق، آستانِ جلال، آستانِ وفا، ارغنونِ عشق، اربابِ ذوق، آئینہ دل، آتش شبہائے ہجر، ادبار ہستی۔

بارگاہِ اُنس، برقِ شعاعِ روئے، بحر محیط قدم، بندیانِ حبس آتش، بازِ اوج کبریا، بادہ نوشانِ غم، بالِ ہمت، بوئے حیات، بلادِ غم۔

پادشاہِ ملک فنا، پایانِ نقد مردان، پائے سیر، پادشاہ عالمِ تحقیق بیاں، پر قُدسی، پلاسِ تعب فقر، پلاسِ غم، پیمودنِ آفاق، پردۂ دعویٰ، پائی یوسف جاں، پالودۂ شکنجۂ عشق، پیمودن دریا، پردۂ جمال۔

تمنائے خیال، تمنائے محال، تشنگانِ طلب بادیۂ ہجران، توتیائے رَمدِ دیدۂ بینا، تیر نیاز، تیر بارانِ بلا، تجلیٔ جمال، تشریف بلائے دوست، تیغ ترک

جانِ مستمندان، جولانِ نفسانی، جامِ اُنس، جلبابِ نام، جامِ شوق، جانِ محقرؔ، چار طاق جسم، چشم ہامانِ امل، چارسوئے غیرت، چاہِ تمنا، چراغ مجلس روحانیانِ عالم قدس، حمایت گر ہر درماں، حجابِ خُبث تن، حُجرۂ قبولِ کرم، حرم قرب، حریق بار ہجران، حریم علم، حرفِ

(۱تا۵)　بیاض قلمی مملوکہ ذاتی

خذلانِ قضا، حضرتِ اسماء، حجابِ نفسِ تن، حجابِ ماسوا، خطِ حروفِ حدوث، خس پوشِ فکر، خط پرِ ملکوت، خوابِ جہل، خاکدانِ دیو، خراباتِ فنا، خلمۂ صنعت، خار خار عشق، یار خرقۂ وجود، خیل کشتگان، خلعت صفا، خط اسماء، خاطف رحمت، خاکیان خستہ، خطِ رُخسار۔

دامن ہمت، داغِ اشکالِ معما، دریائے غفرانی، دریائے فنا، دریائے شوق، دریاے فضل، دیوان قضا، دل ورطہ، داغ ارادت، دَمِ اَنّم لنا، دست ہمت، دست یقین، دست غیرت، دفین مخزن لاہوت، دور دائرہ، درگاہِ جلال، درس غیب، دل پائمالِ عشق، دلِ طٰہٰ، درِطٰہٰ، درگاہِ جود، دورِ حیات ہستی، ذوقِ معنی، ذوقِ سیر ہا۔

رُخ دارُالفنا، ریاضِ اُنس، رہِ مقصود، رختِ دل وجاں، روئے مقصود، روح روحانی، رخت گل، رختِ دِل خاکیاں۔ روح انوارِ صفا، روزنِ دل، رسوم مجازی، راہِ غیرت، ریاض عالم جاں، ریاض عالم، ریاض وصال، رُخِ اسرار، روضۂ وصال، روحانیانِ علوی، رافت کرام، رمز پُر شور شتاب، راز اسرار قدر، روحِ صفا، روح رُوح پرور زُبدۂ اسرارِ کون، زیورِ ذکر، زیبِ جمال معنی، زنگِ ہستی، زبانِ مرغانِ چمن، زہرِ فنا، زالِ زار اُفتادہ، زُکامِ غمِ ہجر۔

سیرَ سرِّ عالم، سرِّ خطاب، سیر ھمائے عشق، سابقۂ فضل، سیمرغِ فضل، سوز داغِ ہجران، سالکانِ راہِ غنا، سر صنائے عارف، سر گشتگانِ راہ، سالکانِ راہِ وصل، سر سودا، ساز راہِ عشق، سر یٰسین، سودائے دل، سیر عنقائے جلال، سرادقاتِ جلال، سرِّ ہمہ دان، سُرادقِ جبرُوتی، سِدرۂ قُربت، سَدِّ یاجوجِ ہَوا، سپر تیرِ غم، سلیمانِ زمان، سرگشتۂ چوگانِ غم، سریرِ سدرۂ ایوانِ کمال، سپہر مطلع انوار آفتاب جلال۔

شربت غرام، شراب بقا، شحنۂ غیرت، شاہباز حسن شیوۂ رِندان درگاہِ جانبازی، شبنم جاں، شوریدہ گانِ عشق، شاہانِ مُلکِ بے زوال، شمّۂ سوزِ غم، شُکرِ مُوفاً، شادّیٔ نعیم دو عالم، شورِ جلوۂ حُسن۔

صُلائے اَنا، صُلائے غنا، صخرۂ قبول، صورتِ بودُ نبود، صیدِ عُنقائے جلال، صدقِ موسیٰ ہُدیٰ، صاعقۂ قہر، صیدِ شاہینِ غم، صفائے صفحۂ اسرار، صدفِ علم، صحرائے غربت، صورتِ

لا دنعمِ، صبحِ وصل، صفحۂ دل، صدائے موکب عزت، صوتِ تسبیح، صحرائے عزت، صورتِ موہوم، صحرائے کثرت۔

ضیق خانقاہِ صُور۔

طاعت زُہدِ ریائی، طارم منابر قدسی، طارمِ خطایرِ قُدسی، طلسم گنج معنی، طمع جلوہ طُغرائے عزِّ عاشق، طارمِ قضا، طوطیانِ طارَمِ علوی۔

ظلمتِ حدوث، ظلِّ جلالِ حکم، ظلِّ ظلمت صورت، ظلمت امکان، ظلمتِ نابود، ظہورِ سرِّ کمالاتِ سرمدی، ظلمتِ سرائے تیہہ حرماں۔

عُقدہ چون وچرا، عودِ جان، عنانِ ہمت، عیشِ صد سالہ، عمائے غفلت، عیش مُہنّا، عقولِ قُدسیاں۔

غولانِ نفسانی، غبارِ راہ، غبارِ غیر، غوغائے حسن۔

فروغِ شرر، نقد خودی، فراز طارم علوی، فرعونِ ہوا، فیض ارواحِ قدس، فضائے قدسیانِ جان۔

قبلۂ دل، قطرۂ بے سروپا، قدسِ صفا، قصد احراقِ حجب، قصد خلوت گاہِ سلطاں کلید عقدۂ ایوانِ بارگاہِ جلال، کعبۂ جان، کمند زلفِ عنبر بوئے، کاتب حکمت، کثرت صُوَری، کانِ گوہر کاف ونون، کنوزِ غیبِ دو عالم، کرامِ عالم علوی، کشتگانِ تیغِ عشق، کوسِ اطیعُو اللہ، کارِ دو کون،

کشاکش ہائے نفس، کورِ دو عالم۔

گنج حقیقت، گنج مکافا، گلشن وصال، گلخن حرص وہوا، گبرِ ہزار سالہ

لوحِ دل، لِوائے رفعت، لذّتِ خیال، لباسِ تعب۔

مجلسِ شہود، محیط گنبد اسرار، مجروحانِ ہجرت۔ منظر بومان، مشرق روئے، محیط گنبد دوّار، مُقبلانِ کوئے شوق، مُدبرانِ درگاہ، مزابل طبع، مُلکِ معنی، مُنزلاتِ ہوس، مہر اقبالِ ابد، مَسنَدِ معنی، مرغانِ سدرہ، مستانِ جامِ شوق، مَدَینِ وفا، مہر محبت، مصرِ دل، ماہِ روح، ملامت گہہ عُشّاق، مستانِ حضرتِ، موجِ کرم، مرکب حرص وہوا، مطربِ شوقِ جمال، محنت

اغیار، مہجور آنجنابؐ، بحرِ شوق، مسند معنی، مسند جلال، ملک غم، مست عشق، مادر طبیعت، مغبوطِ اشراف، ملک، مفلس شکستہ۔

نور خورشید اُمید، نعرۂ فاکتبُ لنا، نورِ جلوۂ حسن، نقابِ کبریا، نقابِ عزّ، نقابِ غیر، نقابِ غیرت، نقدِ حیات، نعرہ ہائے مَاعَرفناک، نعرۂ فاغفِر لنا، نالۂ ہائے بیدلاں، نفحاتِ قِدم، نَسماتِ کرم، نغمۂ توحید، نسیم وادیٔ اسرار، نعیم جاں، نہاد پیکر خاکی، نیش نوشِ پُر شفا، نقد معیارِ وجود، نقش معشوق، نسیم صبحِ وصال، نالہ ہائے آتشیں، نسیم روح ریحانی، نقد افلاطوں، نثار فیض رحمت۔

والہان حضرت، وجوہِ سَرِّ ہِم، وحشت آبادِ بدن، وصف سوز غم ہجر، وصف سِرِّ عشق، واصلانِ بزم، وَرقِ کائنات۔

ہُمائے ہمت، ہَدفِ جانِنا، ہیبت مکنُوں، ہُمائے قافِ قرب، ہوائے سیر جان، ہودَجِ عین القضا، ہاتف رحمت، یمن آثارِ ھُما، یمنِ ذات، ہودجِ غیب یقین۔

حضرت امیرؒ کے زمانہ سے ہی "چہل اسرار" کا مجموعۂ غزلیات خاص و عام میں مقبول و پسندیدہ رہا ہے۔ اس کے مطالعہ میں آج تک کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ اسے آج تک تین بار کشمیری نظم میں ترجمہ کیا گیا۔ پہلا ترجمہ ولی اللہ، (مصنف مثنوی ہی مال ونأ گر رائے) نے کیا ہے، دوسرا ترجمہ مرزا عارف بیگ نے کیا، تیسرا خاکسار نے کیا ہے، جو سلیس و بامحاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ غزل کی تمام خصوصیات (قافیہ و ردیف) کا حامل ہے۔ چہل اسرار کی غزلوں میں غنائیت اور موسیقیت بھی موجود ہے۔ صاحب ذوق اصحاب اسے حفظ کرتے ہیں اور ختمات و سماع کی محفلوں میں مزامیر کے بغیر ترنّم اور عقیدت سے پڑھتے ہیں۔ ان غزلوں میں موجود غنائیت اور موسیقیت اس بات کی غماز ہے کہ حضرت امیرؒ کو موسیقی اور سماع سے دلچسپی تھی۔ حُرمت غنا و سماع کے باوجود وہ موسیقی سے شغف رکھتے تھے جیسا کہ ابتدائی صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل ان کا مزاج شاعرانہ واقع ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے موسیقی اور غنائیت سے ان کا شغف لازمی تھا۔ لیکن انہوں نے سماع پر نہ تو کوئی زور دیا اور نہ ہی اسے اپنی عادت بنایا۔ حضرت امیر زبردست نثّار تھے۔ ان کی نثر کے نمونوں کی تقلید بھی

کی گئی، لیکن چہل اسرار کے جواب یا تتبع میں کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ حضرتِ امیرؒ نے اپنے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔

مَا پادشہہ عالم تحقیق بیانیم ۔۔۔ در صورتِ آدم بہ جہاں جانِ جہانیم
دانیم زبان ہمہ مرغانِ چمن را ۔۔۔ صد شکر خدایا کہ سلیمانِ جہانیم[1]

حضرت امیر کا تصوّرِ عشق:

صوفیائے کرام میں ابتداء ہی سے دو طرح کا تصوّرِ عشق موجود رہا ہے۔ کچھ تو خشیت الٰہی پر زور دیتے رہے۔ ان کے خیال میں خوفِ خدا کے ساتھ دُنیا کا رنج و غم ہی نجات آخرت کی ضمانت ہے۔ ان لوگوں پر خدا کی جلالی صفت کا شدید غلبہ رہا۔ اس لئے یہ لوگ گناہ و لغزش کی زندگی کو رنج و غم کی زندگی سمجھتے تھے۔ ان کے برعکس بہت سے صوفیائے کرام نے امید و رِجا کا پہلو اختیار کر کے خالق کائنات یعنی محبوب حقیقی سے نسبت عشق و محبت پر زور دیا اور "اللہ جمیلٌ ویُحبُّ الجمال" کے بموجب حسن و جمالِ الٰہی کو اپنا منتہا و مقصود، اپنا محبوب اور مسجود مان لیا۔ ان لوگوں نے اپنی تخلیقات میں اسی نظریہ کی تبلیغ و اظہار کر کے عشق و تصوف کی آمیزش سے متصوفانہ شعر و شاعری کی بنیاد ڈال دی۔ اِن کے تصور عشق و محبت میں بھی خشیت الٰہی اور حُزن و الم کے عنصر شامل تھے۔ لیکن یہ ہجر محبوب کے غم یا اُس کے خفا ہونے کے خوف کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان کے رنج و غم اور نالۂ و شیون میں ہجر و فراق کی صعوبتیں اور کلفتیں اور محبوب سے قُرب کی تمنا اور وصال کی لذت اور سرشاری کا جذبہ زیادہ نمایاں ہے۔

حضرت امیرؒ کی شاعری میں عشق الٰہی کے دو پہلو ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ اپنے اشعار میں حب الٰہی کا اظہار مناجاتیہ انداز میں کرتے ہیں۔ وہ اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہیں۔ رنج و غم اور خوف و حزن کا اظہار کر کے رب سے گزارش و مناجات کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے اشعار میں اللہ سے محض رب اور خالق ہونے کے ناطے عشق و محبت

(۱) بیاض قلمی مملوکہ مضمون نگار

کا اظہار کرتے ہیں یہ عشق و محبت کسی خوف یا لالچ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ
مرف جمالِ ربوبیت سے لذت کا حصول ہے۔ اُن کے اشعار میں ان دونوں پہلوؤں کی
ز جمانی ملتی ہے

اے گرفتارانِ عشقت فارغ از مال و منال   والہانِ حضرتت را از خود و جنّت ملال
پیش محرومانِ ہجرت نیش نوشِ پُر شِفا   تشنگانِ وصل راہر آتشے چوں صد زُلال
دُردیٔ دردِ تو داروی دلِ ہر بے خبر   زیورِ ذکر تو زیب حال ہر صاحب کمال
در تمنائے وصالت شُد علائؔی جانفشان   تاچہ خواہد دید آخر زین تمنائے محال
کشتگانِ تیغ عشقت زندگانِ جاودان   صید شاہین غمت شاہان ملک بے زوال[1]

رندانِ جاں فشاں چو قدم برفنا زنند   بر خوانِ دردِ ہجر صُلاے انا زنند
از آبِ دیدہ غسل کنند و بہ طورِ دلِ   از دردِ عشق نالۂ فاغفرلنا زنند
از مَدینِ وفا چو بقدس صفا رسند   بر صحرۂ قبول کَرَمِ ربّنا زنند[2]
چوں در ریاضِ اُنس شراب بقا چشند   خوش تیغ ترک بر رُخِ دارُالفنا زنند

راحت ار خواہی بیا با دَردِ او ہمراز شو   دولت ار خواہی برو در عشق او جانباز شو[3]
گر آتش فراقش باصبر یار بودے   اندوہِ اشتیاقش در دیدہ خار بودے
در لحظۂ خیالش غائب شدے ز دیدہ   جاں جامہ چاک کردے دل بیقرار بودے[4]

زیک پیچ سر زلفت دو عالم گشت عنبر بُو   اگر آن پیچ بکشائی سمن در عنبر اندازی
زشورِ جلوۂ حُسنت غبار غیر ظاہر شُد   گر از غیرت کنی غمزی غبار از رہ براندازی
علی بادردِ دل عمرے مقیم خاک ایں در شُد   مگر از داروے لطفش دوائے در خور اندازی[5]

(۱تا۵)چہل اسرار

دلی را کز غم عشقش سر موئی خبر باشد   ز تشریف بلائے دوست بر وے صد اثر باشد
کسی کز غمزۂ حسنش چو زلف او پریشاں شُد   ز نام و ننگ و کفر و دیں بہ کلی بے خبر باشد[1]

خوش آن سری کہ بود ذوق سیرہا دیدہ   بہ چشم دل رُخِ اسرارِ آں سرا دیدہ
بر آستانِ وفا ہر دمی ز دشمن و دوست   ہزار محنت و ناکامئی و جفا دیدہ
بہر جفا کہ کشیدہ ز روزگارِ دراز   برای دوست در آن شیوۂ وفا دیدہ
بہر وفا کہ نمودہ بزیرِ تیغ جفا   ز رویٔ دوست دو صد خلعت صفا دیدہ
علائؔی از چہ شُدی مست چوں نخوردی مے   ز دیدہ مست شود ہر کسی، تو ، نادیدہ[2]

چوں جمالش را نظر خورشید تاباں میکُند   آفتاب از رشک حسنش رویٔ پنہاں میکُند
تا پریشاں گشت زلفش بر رخِ چوں آفتاب   بادِ شوقش ابرِ جانم را پریشاں می کُند
نالہ ہائے آتشینم در فراقش ہر سحر   قصدِ احراق حُجب بالای کیواں می کُند
گردمی، وصلش بصد جانت مُیسّر می شود   رَو، گراں جانی مکُن چوں دوست ارزاں می کُند[3]

نقد حیات خواہی جاں کُن فدائے جانان   کاین است در رہِ عشق آئین مہربانان
مستانِ جام شوقش بر بویٔ لطف ہر شام   بر در گہہ جلالش آیند جاں فشاناں
مرغانِ سدرہ ہر شب حیران و بیدلانند   چوں در خروش آیند افسونِ عشق خوانان
گر کام خواہی از دوست ناکامی است کامت   کز گلشنِ وصالش دؤرند کامرانان
در وصف سرِّ عشقش گر لال شُد علائؔی   خوش باش کآ گہست او از حالِ بی زبانان[4]

ارغنون عشق چوں با نغمۂ توحید ساخت   مطربِ شوقِ جمالش نالہ ہا موزوں کُند[5]

(۱تا۵)چہل اسرار

ورنسیمی ازرہِ لطفش بہ دوزخ بگذرد بندیانِ حبس آتش ذوق یابنداز عذاب
وربہشت از جلوۂ حُسنش دمی خالی شود سلسبیل و سایۂ طوبیٰ شود، دل راحجاب
روز بازار یکہ رنداں راست ہردم باغمش زاہداں درعمر ہرگزمی نہ بینند آں بخواب[۱]

نالہ راہمدم گزین وسایہ راہمسایہ کُن جامِ غم برروئے ایشان نوش کُن درہر زمان
بیدلاں راساقی ازاشک است ومطرب آہ دِل عاشقان رالذت ازدرداست وراحت سوز جاں
عشق سلطانی است چون مہمانت آیدنزلِ او دیدہ و دل ساز و جاں شکرانہ آر اندر میاں
عشق جاناں آتش و جانِ علائی خس درو خس چودر آتش فناشد دیگر او را خس مخواں[۲]

بوئے زخاکِ کویش برجانِ ہرکہ آمد انفاسِ مشک بارش بویا بُود ہمیشہ
جائے کہ دردِ عشقش منزل کُند زمانی لذّاتِ جاودانی آنجا بود ہمیشہ
بر کوندید رویش کورِ دوعالم آمد و آنرا کہ دیدہ و اُشد بینابود ہمیشہ
سودائیان وصلش شیدائے انجمن شُد در آفتاب ذرّہ شیدا بود ہمیشہ
بر درگہش علائی از ماومن گذرکُن زیرا کہ بزم عشقش بی مابود ہمیشہ[۳]

ہرچہ غیرِ اوست دشمن داں تو اندرراہِ دوست در حضورِ دُشمناں بادوست نتواں گفت راز
طاعتِ زہد ریائی رابر آندر قدرنیست تحفۂ آنجا نباید کس بجز سوز و گداز
پیش بارانِ بلائی دوست ہر کو سرنہاد برفراز طارم علوی کنندش سرفراز[۴]

آنکہ از سایۂ لطف تونشانی یابد ہر کہ بیند رُخِ اُو تازہ روانی یابد
وآنکہ برخاکِ سرکوئے تو منزل سازد عیش صد سالہ دریں راہ ، زمانی یابد
تشنۂ وصل توچوں راہ خیالت سپرد نزل رہ ہر نفسی مُلکِ جہانی یابد

(۱۔۴): چہل اسرار

لذتِ درد تُو ہر مردہ دلی کے یابد دولت آن یافت کہ از دردِ تو جانی یابد
ہر کہ در مُلک غمت نیست ندارد عیشی ای خوش آن دل کہ دریں کوی مکانی یابد
دل گماں بُرد کہ ذوقی زغمت یافتہ است ویں نہ گنجی است کہ ہر کس بگمانی یابد
وصف سوزِ غم ہجر تُو کسی راند بد کہ بہر موئے ازیں شیوہ زبانی یابد
گر کُنی بردلِ پُرشور علائی نظری از جفاہائے فلک یکرہ امانی یابد[۱]

صبح وصلت دمداز مشرقِ رویت روزی جاں زہجرت شود اندر سرمویت روزی
نورِ خورشید اُمیدم کہ فرو شدزغمت ہم بر آید زرہِ مطلع رویت روزی
تشنگانِ طلب بادیۂ ہجران را شربت وصل رسد از لب جویت روزی
ہر کہ سرگشتۂ چوگانِ غمت گشت چوگوی سر چوچوگاں نہد اندر سرکویت روزی
سوخت بر درگہہ توجانِ علائی عمری بہ امیدی کہ شود زندہ ببویت روزی[۲]

ان اشعار کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت امیر کا عشق عشق حقیقی ہے

باغم عشقش تو از لذات جسمانی مگوئی باوجودِ روضۂ رضوان تو از گلخن مناز[۳]

ابن الفارضؔ کے قصیدۂ میمیہ کی شرح کے دیباچے میں حضرت امیر نے اپنے نظریۂ عشق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس جماعت (صوفیائی کرام) کے پاس محبت کی حقیقت، حقیقی جمیل کے جمالِ مطلق کی طرف مکمل اور مفصل میلان اور رغبت حاصل ہونے سے ہے۔ کیونکہ ہر ایک جزو کی کشش اپنے اصل کی طرف ہوتی ہے اور ہر انسان کا اپنے ہم جنس کے ساتھ اُنس ہوتا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے اِنَّ اللّٰہ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَال (خدا بیشک خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا/ دوست رکھتا ہے) جمال جمیل مطلق کی اَزلی صفت ہے اور جمیل نام رکھنا یا کسی کو جمیل سمجھنا کسی بھی

(۱۔۳): چہل اسرار

صورت میں بغیر حضرتِ جمیل کے جس کی شان اعلیٰ اور غالب ہے اور کسی کے شایان نہیں پس
حقیقت میں جمیل ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتا ہے ایک ہی جس کا کوئی شریک نہیں پس جو
خوبصورتی اور جمال مخلوقات کے مختلف درجوں، افراد و اشخاص کے وجود کے صفحوں اور
موجودات کی جلوہ گاہوں پر ظاہر ہوتا ہے وہ اسی حضرت کے جمال کے پرتو ہیں۔ جو
صلاحیتوں کے مظاہر اور جلوؤں میں ظاہر ہوتے ہیں اور خصوصیات اور قابلیات کے آئینوں
میں عکس فگن ہوتے ہیں"۔

ہر ایک خوبصورت کا حسن اسی خدا کے حسن کا عکس ہے بلکہ ہر ایک حسین کا حسن اسی
کی نظیر وعدیل ہے اور یہ میدان اوّل، جمع کے مقام سے جمع کی طرف ہوتا ہے اور وہی
مراتب ذات میں جمالِ ذات کا شہود ہے۔ دوسرا جمع سے تفصیل کی طرف، یہ صفت یا تو
مرتبۂ اقرب میں ہوتی ہے اور وہ صفات کے آئینوں میں دیدارِ جمال کا شہود ہے یا مرتبۂ
اوسط میں، تو یہاں دیدارِ جمال افعال کے آئینوں میں سے ہوتا ہے اور آخری اور ادنیٰ ترین
مرتبہ وہ شہودِ جمال، آثار کے آئینوں میں سے ہوتا ہے۔ یہی ظہور تجلیات الٰہی اور بارگاہِ اعلیٰ
کے عکوس کا آخری درجہ ہے، اور اس دنیا میں یہ حال عکس کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور
فرمانِ یُحِبُّهُمْ (وہ دوست رکھتا ہے اُن کو) یُحِبُّونَهٗ (وہ اُسے دوست رکھتے ہیں) کو چاہتا
ہے اگرچہ کائنات کے افراد اور موجودات کے رکن اس حقیقت کو نشانات کے تفصیلی آئینوں
میں سے دیکھتے ہیں اور زائل ہونے والے محدود جمال کو اصلی اور کلی مقصد جانتے ہیں۔ اور
وصل کی لذت سے خوش اور ہجر وفراق کے درد کی زنجیروں میں بند ہو جاتے ہیں لیکن خواص
میں سے بعضوں کا شہود افعال کے آئینوں میں سے ہوتا ہے اور یہ شہود صفتوں کے خاص
مظاہر کے قصروں اور ذات کے انوار کی خاص روشنی میں مختصر طور وجود کا فنا کرنا ہے۔ محبت
ایک روحانی حقیقت اور کیفیت ہے وہ ذوق اور وجدان سے حاصل ہوتی ہے اور اس کیفیت
کی لذّت چکھنے والا جتنا زیادہ کامل اور زیادہ روشن دل ہوا تنے ہی اس حقیقت کے اسرار اس
میں زیادہ کامل اور اعلیٰ ہوتے ہیں۔ پس اس بات کی حقیقت دراصل ذات واجب الوجود کو
حاصل ہے جس کی شان بہت بلند ہے اور پیروی سے ممکن الوجود یعنی انسان کو، کیونکہ یہ

مضمون اَلامَثَلُ وَالامثل (مثیل اور نظیر زیادہ مانند ہوتا ہے) کیونکہ محبت کی اصلیت اس ارادہ
کرنے والے خدا کی سلطنت خاص کے احکام میں سے ہے اور صفت ارادت ہمیشہ اس کی
ذاتِ قدیم کے ساتھ قائم ہے اور اس کا وجود اس کی قدیم ذات سے ہمیشہ کے لئے ہے اور سب
کی خواہش اسی اصل سے پیدا ہوئی اور یُحِبُّهُمْ (وہ اُن کو دوست رکھتا ہے) کی عنایت
یُحِبُّونَهٗ (وہ ان کو دوست رکھتے ہیں) کے خزانے کی کلید بن گئی۔ اور حدیث قدسی میں یہ
ہدایت "الأطال.........شوقا" (جتنا زیادہ ابرار کا شوق میری طرف بڑھ جاتا ہے اس
سے زیادہ میرا شوق اُن کی طرف بڑھ جاتا ہے) انسان کے لئے خدا کی محبت پر ایک قطعی
دلیل ہے لیکن ذاتِ الٰہی کو انسان کے ساتھ محبت ہونے سے بعض لوگ کم بینی اور تنگ نظری
کی وجہ سے انکار کرتے ہیں، لیکن اہل کشف و تحقیق کے نزدیک مقام محبت کا متحقق ہونا انسان
کے کمالات اور اس کے بلند ترین صفات کا پرلا درجہ ہے چونکہ محبت کی حقیقت کا نام کلام اللہ
کی آیتوں میں صریح اور واضح طور آیا ہے اور کشفی دلائل سے بھی ثابت ہے کہ محبت معرفت کا
ثمرہ ہے اور جس شخص کو پہچانی ہوئی ذات کے ساتھ جتنی زیادہ جان پہچان ہو، اتنی ہی اس کی
محبت زیادہ کامل اور پائدار ہے۔ معرفت کے اسباب پانچ ہیں۔ پہلا نفس اور زندگی کی محبت
(اسی کا دوسرا نام جہد للبقا ہے) اور اس کا کمال، دوسرا محسن کی محبت، تیسرا صاحبِ کمال کی
محبت، چوتھا جمیل کی محبت اور پانچواں وہ محبت جو تعارف روحانی سے حاصل ہو"۔

"جب یہی تعارف روحانی محبت کرنے کا موجب بن جائے تو وہ تقدیر کا خالق
جس نے ازل ہی میں ان اسباب کے ارتباط کا اندازہ بغیر کسی سبب اور حق کے مقرر کیا، بے
شک محبت کے لئے شایاں اور مناسب وموزون ہے"۔ "جب ان تمہیدی باتوں سے خدا اور
بندہ کے درمیان محبت کے رشتے کا ثبوت عقلی اور نقلی دلائل سے واضح ہوگیا اور معلوم ہوا کہ
اس ذاتِ باری عز شانہ کی محبت کی حقیقت کا تاڑ جانا ظاہری صورت میں بندہ کے لئے مشکل
بلکہ محال ہے اور اس قسم کا اعتقاد رکھنا جاہلوں کی سیرت ہے، بلکہ خدا کی محبت بندہ کے حق میں
ہونے سے اُن الٰہی مہربانیوں کی خوشبو کے جھونکے اور جلوے مراد ہیں۔ جو مہربانی کے
صحراؤں سے دریائے ارادت کے موجزن ہونے کے ذریعہ سے جو کہ ظاہر و باطن کے برزخ

اور موجودات کے اصول اور اعیان کے غیب کی کلیدیں ہیں برانگیختہ ہوتے ہیں اور پاکیزہ مظاہر اور لطیف جلوؤں کے ساتھ جو آثارِ قدوسی کے ضامن اور اسرارِ غیبی کے متکفل ہیں تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اس کے فیض جمال کی صلاحیت والے مستعد دلوں کو جسمانی تزویرات کے آثار کی آلودگیوں سے اور نفسانی شہوات کی ظلمت سے پاک کرتے ہیں اور انہیں تعلقات اور موانعات کے پردے اُٹھانے اور رکاوٹوں اور بندشوں کا عذاب ہٹانے سے بساطِ قرب تک پہنچاتے ہیں اور وصال کے سرد و شیرین پانی کے پیاسوں کو مقام شہود میں انسانیت اور روحانیت کی شراب کی لذت چکھاتے ہیں۔ بندہ کی محبت اس بے نیاز کے ساتھ ہونے سے سالک کی سیر کا جذبہ اس حقیقت کے حاصل کرنے سے مراد ہے جو کہ طالبوں کی سعادت اور راغبوں کے کمالات کا منبع ہے اور طالب کے دل کی خواہش ان حقیقتوں کے نتیجے حاصل کرنے کی ہوتی ہے کیونکہ اس کے حال کا جمال اس زیور سے عاری اور اس دولت کے نہ پانے کی وجہ سے ذلت اور خواری کی زنجیروں میں جکڑا ہوتا ہے اور اس کشش کی رغبت جسے محبت کہتے ہیں، جمال کے چار برجوں پر دکھائی دیتی ہے اور ہر ایک میں چار دفعہ ظاہر ہوتی ہے۔ خاص، عام، اخص، اعم۔ خاص یہ ہے کہ اس کا طلوع روح قُدسی کے عالم جبروت میں ذات کے جمالی تجلیات کو مطالعہ کرنے کا نتیجہ ہو اور یہ صدیقوں کا درجہ ہے (۲) اخص یہ کہ اس کا ظہور عالم ملکوت میں جمالِ صفاتی کی حقیقتوں کا مکاشفۂ قلبی کے ذریعہ مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کا نتیجہ ہو یہ مقرِّبوں کا درجہ ہے (۳) عام یہ کہ جس کا ظہور جمال افعال کی خصوصیتوں کو عالم غیب و مثال میں ملاحظۂ نفس کے ذریعہ ہو، یہ مقام سالکوں کا ہے (۴) اعم یہ کہ اس کا ظہور مشاہدۂ حس کی راہ سے عالم شہود میں ہو، یہی طالبوں کا ابتدائی مقام ہے۔

"ذاتی محبت تغیر و تبدل کے قابل نہیں کیونکہ یہاں پر محبت کے وجود کی کشتی احدیت کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے اس کے وہمی صفات کی ہستی دریائے فنا کے ساتھ مل چکی ہے اور بود و نابود کے اسفل ترین طبقۂ دوزخ میں بند ہے۔ شہرت اور کامیابی کے حال سے چھوٹی ہے، اس مقام پر متقابلہ صفتوں کے نام وحدت کا رنگ پاتے ہیں"۔

تا تو باشی نیک و بد آنجا بود　　چوں تو گُم گشی ہمہ سودا بُود

ہر کہ اودر آفتابِ خود رسید　　تو یقین می داں کہ نیک و بدندید

"در عشق روئے او تو حدوث و قِدَم مبین　　گر سالک رہی تو وجود و عدم مبین
از پر تو جمالِ حقیقی بسوز پاک　　گم گرد، درفنا و دگر بیش و کم مبین
مردانہ بگذر از ازل و از ابد تمام　　بسرِّ ازل بخوان و تو لوح و قلم مبین
ہر حُسن چون رقم زکتابِ جمالِ اوست　　دردفتر جمال تو گُم شو، رقم مبین"

"اس راہ پر بعض چلنے والے اجتہاد پر سابقہ کشف ہونے سے مجوبوں کے درجے میں رہتے ہیں (عقلی اجتہاد کرنا سلوک راہِ الٰہی میں حجاب پیدا کرتا ہے چنانچہ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مترجم)۔ بعض طالباں کا گروہ ماسبق جدوجہد کی وجہ سے محبوں کے درجہ میں رہتے ہیں۔ محبی اور محبوبی کی نسبت محبّ کی ذات کی لازمی باتوں اور لواحق میں سے ہے اور محبت کی حقیقت اپنی ہی خاص ذات میں تقید اور تنزہ (قید ہونے یا آزاد ہونے) سے آزاد اور پاک ہے۔ اور اس کے فیض کے آثار تمام محبوں کو پہنچتے رہے ہیں۔ اگر محبت کا سورج عنایت کے آسمان سے وجود کے صحرا پر نہ چمکتا کوئی محب جدوجہد کے میدان میں طلب کرنے خواری میں ہمائے وصل کے سایہ کی عزت نہ پاتا۔ اگر عاشق کے آثار کی سرایت عاشقی اور معشوق کی سزاوار آئینوں کے شامل حال نہ ہوتی جمالِ حقیقی کے سورج کی چمک محبوبیت کی عزت کی بلندی سے محبی کی خواری کی پستی کی طرف کب رخ کرتی۔ اور جبکہ یہ بات عقلی دلائل سے معلوم ہے کہ عزت، ناز اور افتخار محبوب کا شیوہ ہے، نرمی، اطاعت اور عاجزی محبّ کا لباس ہے اور یہ دونوں صفتیں متضاد ہیں، دو ضدوں کا ملنا محال ہے، صرف اس ذات حقیقی کے لئے (جو اضداد کا ملانے والا ہے) محال نہیں ہے۔ اور وہ محبت ہے۔ کیونکہ اگر محبت کی تیز بجلیوں کی کڑک ہر محبّ اور محبوب کا عارضی لباس اُن کے جسم سے نہ اُتارے کوئی محبّ وصال کی مجلس میں وصل کی شربت نہ پیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اصحابِ کشف، محبّ میں محبوب کی خوشبو پاتے ہیں اور محبوب میں محبّ کی حقیقت کا رنگ دیکھتے ہیں اور محبی اور محبوبی کے لگاؤ کو ایک مبہم امر مانتے ہیں کیونکہ کوئی محب محبت کے میدان

میں عاجزی اور نیاز کا قدم محبوب کی ظاہری، باطنی، صوری، معنوی، مجازی اور حقیقی کشش کے بغیر نہیں رکھ سکتا ہے۔ کسی محبوب نے ناز کا جھنڈا عزت کے میدان میں بلند نہ کیا مگر محبّ کی محبت کا لگاؤ جان کر اور دیکھ کر۔ اسی لئے دراصل ہر ایک محبّ محبوب اور محبوب محبّ ہے۔ یہی باریکیاں محبت کے اسرار کے عجائبات میں سے ہیں۔ پھر جب محبت کا سورج وحدت کے برُج سے چمکے، حسب ونسب اور تعلقات کا سایہ عدم کی طرف دوڑے، محبّ اور محبوب کا پہچاننے والا دونوں میں بغیر ایک حقیقت کے کچھ اور نہیں پاتا''۔

اپنے نظریۂ محبت کی اس طویل تشریح کے بعد حضرت امیرؒ محبت کے اصول اور صفات کو چند اعتبارات کے مطابق بیان کرتے ہوئے محبت کے پانچویں اصول کی وضاحت کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:

''پانچواں (اصول) خلت: وہ عاشق کی روحانی قوتوں کے بیچ میں محبت اور عشق کا گُتھ جانا اور اُن کے ساتھ آمیختہ ہونا ہے۔ چھٹا (اصول) حق ہے۔ وہ محبت کے راز کو غیر محبوب کے ساتھ لگاؤ رکھنے سے آزاد کرنا ہے اور مطلوب کے بغیر دوسروں کے نقوش سے آئینۂ دل کو صاف کرنا ہے۔ ساتواں اصول عشق ہے۔ وہ محبت کی حد سے زیادتی ہے اس لئے لفظ عشق اس بے نیاز رب کی شان پر استعمال نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس کی بارگاہ میں افراط وتفریط کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لفظ عشق، عشقہ سے مشتق ہے وہ ایک پودا ہے جو کہ درخت کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور درخت کو پھل سے محروم کر کے زرد وخشک کر دیتا ہے۔ اس طرح عشق عاشق کے درخت وجود کو تجلیاتِ جمالِ معشوق سے محو کر کے مٹا دیتا ہے تا کہ جب ذاتِ عاشق بیچ میں اُٹھ کر ناپید ہو جائے باقی معشوق رہے اور بیچارہ عاشق کو درِ نیاز سے اندر لے جا کر مسندِ ناز پر بٹھادے۔ یہی محبت کا انتہائی درجہ ہے''۔

محبت کے ابتدائی عوارض اور لوازم کی مختصر وضاحت کرتے ہوئے حضرت امیر حالت سکر اور صحو کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''سکر سے مطلب کسی مدہوش کرنے والے وارِدِ غیبی کا نازل ہونا ہے جو کہ شدتِ غلبہ سے حواس کو محسوسات کے فہم وادراک سے روکنا اور ناقابل کار بنانا ہے۔ نفس سے مرغوب وغیر مرغوب کے درمیان فرق کرنے کی

طاقت زائل کرتا ہے۔ ظاہری اور باطنی سکر میں فرق، نفس اور حس سے نورِ عقل کی کرنوں کے دور ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ نورِ عقل کی چمک جو طبیعت کے اندھیرے کی بے ہوشی (نابودی) اور تبدیلیٔ مزاج سے ظاہر ہوتی ہے، ظاہری سکر کا سبب ہے اور نورِ شہود کے غلبہ سے اسی سکر کو سرزنش تنبیہ اور تصعید کرنا سکر معنوی کا باعث بن جاتا ہے۔ کیونکہ حقیقت نور یہ ہے کہ جس طرح اندھیرے کے نازل ہونے سے نور پوشیدہ ہو جاتا ہے اسی طرح زبردست اور غالب نور کے طلوع ہونے سے بھی چھپ جاتا ہے اور اس مدہوش کرنے والے وارد کی سلطنت شہود کے درمیان ہے۔ لیکن جب مشاہدہ کرنے والے کا حال آلودگی تغیر سے بے خوف ہو جائے اور تکرار کے طور پر اور مقام پر قرار پکڑنے سے مقام سالک بن جائے اور ہمیشہ دیکھنے کی وجہ سے حقیقت شہود دیکھنے والے کی انیس بن جائے اور وجدان حاصل کرنے والے کے وجود کے (حواس سے) اجزا میں سے ہر جز اپنی جنس کے ساتھ رسائی اور انس حاصل کرنے کی وجہ سے اپنے اصل کی طرف لوٹ جائے اور حِسّی اور نفسی تبدیلیوں کی تگ ودو کا میدان نورِ عقل کی کرنوں سے روشن ہو جائے اور دوبارہ متفرقات اور محسوسات میں فرق پیدا ہو جائے تو اس حالت کو صحو ثانی یا جمع الجمع کہتے ہیں''[1]

معرکۂ عقل وعشق:

عقل اور عشق کے معاملات میں تمام صوفیا کا عقیدہ مشترکہ اور یکساں رہا ہے، سب نے حقیقت کی غایت اور کُنہہ تک عقل کی نارسائی کا اظہار کیا ہے۔ عقل وعشق کا موازنہ مرشد روم نے بڑے شدّ ومد کے ساتھ شروع کیا اور اُن کے بعد شاعری کا ایک مستقل موضوع بن گیا۔ رومیؔ نے عقل کو ابلیس اور عشق کو آدم کہا ہے۔ عقل حکمت یونانیاں ہے اور عشق حکمت ایمانیاں عقل ودل یا عشق وعقل کا موازنہ رومی کی وساطت ہی سے علامہ اقبال تک پہنچا۔

(۱) یہ طویل اقتباس حضرتِ امیرؒ کی تشریح قصیدۂ میمیہ ابن الفارض کے تمہید سے لیا گیا، تشریح کا نام حضرتِ امیر نے ''مشارب الاذواق'' رکھا ہے۔ ص ۱۸ تا ۳۸ ترجمہ از پروفیسر محمد طیب صدیقی مرحوم۔ نشاط پریس سرینگر۔ شائع کردہ اوقاف کمیٹی خانقاہ معلی سرینگر، ۱۹۵۰ء

عقل گو آستاں سے دور نہیں　　اس کی تقدیر میں حضور نہیں[1]

اور

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی[2]

حضرتِ امیرؒ کی شاعری میں عقل و عشق کی معرکہ آرائی شدت کے ساتھ نہیں ملتی ہے، کیونکہ اُن کی شاعری خصوصی طور پر "چہل اسرار" کی چالیس غزلوں تک محدود ہے۔ پھر اس مختصر سرمائے میں اس قبیل کا معتدبہ حصہ نظر آتا ہے۔ عقل کی نارسائی کے بارے میں حضرت امیرؒ کو مکمل یقین تھا:

آنکہ "با عقل، طلب کرد ہمہ عمر نیافت　　وآنکہ بی خویش درآمد اُو بیک لمحہ رسید[3]

یہی ایک لمحہ علامہ اقبال کی زبان میں "یہ نگاہے" بنتا ہے:

دیدہ ام حردوجہاں رابہ نگاہے گاہے[4]

ایک جگہ "عشق" کو حضرت امیرؒ "سِرِّ معنیٰ" کہتے ہیں:

سری کز سرِّ معنی باخبر شُد　　درو گنجائش شادیَ و غم نیست[5]

عقل کو وہ "بیمودنِ آفاق" بھی کہتے ہیں:

کی از بیمودنِ آفاق ایں "دولت" شود حاصل

کسی راز یبد ایں "معنی" کش اندر "خود" سفر باشد[6]

اور عشق کو "دولت" اور "معنی" (مطلب حقیقت ازلی) کہتے ہیں اور یہ دولت وہی حاصل کرسکتا ہے جو "اندر خود سفر" یعنی سیر محیطِ دل میں مشغول ہو۔ عشق ہمیشہ بے انتہا طاقت وقدرت رکھتا ہے اور عقل اس کے آگے صیدِ زبوں کے سوا کچھ نہیں ہے:

تیر عشقش کز کمانِ ابرواں گردد رہا　　عقل رامی دوز دو قصد دل و جاں می کند[7]

حضرت امیرؒ عقل کیساتھ ساتھ کبھی دل کے ظاہری معنی میں دل کو بھی رکاوٹ، اور پابندی سمجھتے ہیں:

عقل و دل اندریں رہ "جاں" راعقیلہ آمد　　ایں کارباز گونہ نآید زکار داناں[8]

(۱تا۲) کلام علامہ اقبالؒ　(۳) چہل اسرار　(۴) زبورِ عجم　(۵تا۸) چہل اسرار

یہاں انہوں نے ظاہری دل کو عقل، یعنی سوچ، سمجھ اور علم ظاہری کا مترادف مان کر استعمال کیا ہے۔ یعنی عقل اور علم ظاہری "جاں" یعنی حقیقت ازلی تک پہنچنے میں زنجیر پا، اور بیڑیاں بن جاتے ہیں۔ اسی لئے علم (ظاہر) کو حجابِ اکبر کہا گیا ہے۔ حضرت امیرؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی "ہیئت مکنون" یعنی حقیقت اصلی پر اقبالِ ابد کی مہر اس وقت لگ جائے گی جب عقل کُلّی اپنے دامن ہمت سے (عقل وعلم ظاہری کی) آلائش کا گردوغبار دور کردے:

عقل کُلّی دامنِ ہمّت بیفشاند ز خاک　　مہرِ اقبالِ ابد بر ہیئت مکنون کُند[1]

وہ عقل کو "عقدۂ چون و چرا" کہتے ہیں۔ جب یہ عقدے فنا ہوجائیں گے تو انسان طارم علوی پر "دمِ بے چوں" مارے گا:

عقدۂ چون و چرا در وحشت آبادِ بدن　　ماندہ، وبرطارمِ علوی دمِ بے چوں زند[2]

یہاں تن کی دُنیا کو "وحشت آباد" کہا گیا ہے۔ عقل اپنے پورے ساز وسامان کے باوجود "خوابِ جہل" ہے جو سالک کو "حرمِ قرب" سے دور رکھتا ہے۔ خواب جہل سے بیدار ہوگیا، تو دوست سے کوئی نزدیک تر نہیں ہے:

خوابِ جہل از حرمِ قُرب مرادور فگند　　ورنہ نزدیک تر از دوست کسی ہیچ ندید[3]

حضرت رومیؒ کے نزدیک عقل پرست یا "استدلالیاں" پائے چوبیں بلکہ اس سے کمزور بنیاد رکھتے ہیں حضرت امیرؒ نے عشق کو "روحِ انوارِ صفا" اور یمن آثارِ ہُما" کہا ہے اور عقل پرستوں کو "بی صفایاں" اور "منظر بوماں":

روح انوارِ صفا از بے صفایاں تو مجوی　　یُمنِ آثارِ ہُما از منظر بوماں مدان[4]

عقل واستدلال، اور فلسفہ ومنطق کی بحث وگفتگو سے انسان حقیقت سے آشنا نہیں ہوسکتا ہے۔ لسان العصر حضرت اکبرالہ آبادی کا مشہور شعر ہے:

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں　　ڈور کو سُلجھا رہا ہے پر سرا مِلتا نہیں[5]

فلسفہ ومنطق کی راہ پر چلنے والے تحیُّر وحیرانگی کے بحرِ ظلمات میں ایسے غرق ہوگئے کہ

(۱تا۴) چہل اسرار

(۵) حضرت اکبرالہ آبادی

ان کا کوئی نام ونشاں بھی باقی نہیں رہا۔حضرت امیرؒ فرماتے ہیں

کسی از سِرِّ ایں معنی بگفت وگونشُد آگہہ — کہ از پیمودنِ دریا تحیُّر بیشتر باشد[۱]

لیکن تسیم وادیٔ اسرار کے خواہشمند کو سب سے پہلے مرحلۂ تن گدازی کو طے کرنا ہے۔اور جمال یار کی تجلی کے لئے جان کی بازی لگانا شرطِ اوّل ہے۔تن کی دُنیا حضرت علامہ اقبالؒ کی زبان میں ''سود وسودا۔اور مکر وفن'' کی دُنیا ہے۔اور اس میں ''فرنگی'' یعنی ابلیس کا راج قائم ہے اور اس کے برعکس من کی دُنیا میں ابلیس اور اس کے ایجنٹوں یعنی شیخ وبرہمن کی حکومت نہیں ہے یہ دُنیا تو سوز وساز اور درد وداغ کی دنیا ہے۔حضرت امیرؒ مَن کی دُنیا کی سیر اس طرح کرتے ہیں

گر نسیم وادیٔ اسرار خواہی تن گداز — ور تجلّی جمالِ یار خواہی جاں بباز

تن چُو زندانست وجانت بندِ راہ جانِ جاں — جانِ جاں گر بایدت بابند وبازنداں مساز[۲]

برتن و جاں چندلرزی چوں نَیرزد ارزنی — صَعوَہ با ارزن گذار و بردرشِ شہبازشو[۳]

تن کی دُنیا اپنی تمام آرائشوں کے ساتھ ''دانۂ ارزن'' کی وقعت بھی نہیں رکھتی ہے۔یہ تو کسی اور ہی مخلوق کیلئے ہے۔عرشِ الٰہی کے شاہ بازوں کے لئے یہ شایاں نہیں ہے۔ دُنیائے تن کو خلاصۂ کائنات اور سرتاج عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جیفہ'' اور اس کے طالب کو ''کلاب'' فرمایا ہے۔حضرت امیرؒ اس کی مزید وضاحت اس طرح فرماتے ہیں

تابہ کی ہمچوں زناں ایں راہ ورسم ورنگ بوئے — راہِ مرداں گیر و باصاحبدلاں دمسازسو

جان وتن بنداست وکفر ودین حجاب اندر رہش — جملہ رابر ہم زن و باعشق ہم آواز شو

چوں زغن تاچند باشی بستۂ مردارِ تن — در ہوائے سیر جاں یک لحظہ در پروازشو[۴]

حضرت امیرؒ فرماتے ہیں کہ آتش عشق کے ایک شرر سے روح کے چاند سے تن کی خباثت دور ہوجاتی ہے

حجابِ خبث تن از ماہِ روح بر خیزد — اگر ز آتش عشقش یکی شَرر یابی[۵]

(۱) چہل اسرار (۲تا۵) چہل اسرار

حضرت امیرؒ نے اسرار سلوک ومعرفت کے ضمن میں اپنی اکثر تصانیف میں شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔خصوصاً ذخیرۃُ الملوک،شرحِ فصوص الحکم،شرح قصیدۂ میمیہ اور دیگر رسائل میں وہ تصوف اور راہ سلوک ومعرفت کو ''سلطنت معنوی'' کہتے ہیں۔سلوک کے ادق مسائل اور دقیق معاملات مثلاً نظریۂ وجود وشہود جبر وقدر تنزیہہ وتشبیہ،عینیت وغیریت، حضور وشہود،خیر وشر،مسلۂ تجددِ امثال خلوت در انجمن،صفائے قلب،توکل واستغنا،بے ثباتی دنیا،نسبت عشق،وغیرہ موضوعات پر جستہ جستہ اچھی خاصی بحثیں ملتی ہیں۔شرح فصوص الحکم، شرحِ قصیدہ میمیہ اور ذخیرۃ الملوک میں مقاماتِ سلوک ومعرفت پر جس عالمانہ اور عارفانہ انداز میں بحث کی ہے۔اس سے اس علم میں اُن کے کمالِ مہارت اور دستگاہ کا واضح ثبوتِ ملتا ہے۔وہ تزکیۂ نفس اور صفائے باطن کے لئے قرآن وحدیث ہی کو بنیاد مانتے ہیں۔ان کی اخلاقی تعلیم ان ہی دو کے ساتھ مربوط اور ہم آہنگ ہے اور وہ ان کی پیروی کو ضروری مانتے ہیں۔

قناعت:

قناعت کے بغیر سالک، دُنیا اور علائق دنیا سے آزادی حاصل نہیں کرسکتا ہے۔ قناعت انسان کو پائیدار توانگری بخشتا ہے۔حضرت امیرؒ فرماتے ہیں کہ سالک مالِ ومنال کی پریشانیوں سے فارغ ہیں وہ عشق الٰہی میں اتنے سرمست ہیں کہ وہ جنّت وجہنّم اور اپنے آپ سے آزاد ہیں

اے گرفتاران عشقت فارغ از مال ومنال — والہانِ حضرتت را از خود و جنّت ملال[۱]

کسی عارف نے اسی حقیقت کو اس شعر میں بیان کیا ہے

گدائی کوئے تو از ہشت خُلد مستغنیست — اسیرِ عشقِ تو از ہر دو عالم آزاداست

ایک دوسرے شعر میں حضرت امیرؒ اسی مطلب کو اس طرح ادا کیا ہے

اربابِ ذوق درغم تو آرمیدہ اند — وز شادیٔ نعیمِ دوعالم رمیدہ اند[۲]

ارواح قدوس سے فیضیاب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ سالک حرص وہوا سے آزاد

(۱و۲): چہل اسرار

ہو جائے

فیض ارواحِ قدس گر خواہی اندر سرّ جان　　مرگبِ حرص و ہوا را در پئے غولاں متاز[1]

قناعت و استغنا ہی سے عارف دنیا اور باب دُنیا کی محتاجی سے آزاد ہوتا ہے۔ روحانی ترقی کے کمالات اور اعلائے کلمۃ الحق کا مقصد وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو جیفۂ دنیا سے آلودہ نہ ہوں ـ حدیث رسالت مآب ﷺ ''اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ'' پر عمل پیرا ہو کے ہی سالک اس کی کرامتوں سے فیضیاب ہوسکتا ہے۔ سالکوں کے بارے میں حضرت امیرؒ فرماتے ہیں

باداغِ مفلسی چو علائی خیام عز　　بر سِدرۂ قناعت و اوجِ غِنا زنند[2]

قناعت کے بغیر آزادی ناممکن ہے اس لئے حضرت امیرؒ قناعت اور آزادی پر زور دیتے ہیں۔ جسے ہوس زر اور دنیا جمع کرنے کی لالچ ہوگی وہ خواہشاتِ نفس کا بندہ ہوگا اور ارباب اقتدار کے در پر جبیں سائی کرے گی۔ حضرت امیرؒ خود اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تفسیر تھے۔ وہ اور اُنکی جماعت مفت خوری اور آرام پسندی کے خوگر اور عادی نہیں تھے وہ محنت کی عظمت پر ایمان رکھتے تھے۔ خانقاہی نظام کے قیام کے بعد بھی وہ فتوح اور نذر کی وصولی میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنے ہاتھ سے کام، محنت، مزدوری اور کسب حلال کر کے روزی کماتے تھے۔ دربار داری، اور صاحبانِ اقتدار کی دریوزہ گری سے دِلی کراہت اور نفرت رکھتے تھے۔ وہ قناعت پر عمل پیرا تھے اور دُنیا کو مَزرعۃُ الآخرت سمجھتے تھے

سالکاں توشۂ ایں راہ عَنا ساختہ اند　　دولتِ آخرت از محنت دنیا بینند

در بلاِ ایں تعب فقر بدوی نازند　　کز بلادِ غم او رَوحِ مسیحا بینند[3]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے: حُفَّتِ الجَنَّۃُ بِاالمَکارِہِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّھْوَاتِ[4] (محنت و مشقت جنت کو گھیرے میں لیتی ہے اور نفسانی خواہشات دوزخ کی آگ کو گھیر لیتی ہیں) آدمی دُنیا کمائے یا عقبیٰ اُسے محنت و مشقت کرنی ہے اور محنت و مشقت کا پھل آرام و آسائش ہے

(۱تا۳) چہل اسرار　　(۴) حدیث نبویؐ

ـ فقر کا مطلب دنیا کی آلودگیوں سے سے مکمل پرہیز ہے اور شریعت حقہ کے مطابق قناعت اختیار کرنا ہے۔ عَزَّ مَن قنع.

حُفتِ الجَنہ چو کرد است علائی تحقیق　　از پس رنج و تعب گنج مکافا بینند[1]

اللہ تعالیٰ سالک کی مشقت و محنت سے خوش ہو کر اُسے اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازتا ہے: اِنَّ ھٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَآءً وَّکَانَ سَعْیُکُمْ مَشْکُوْرًا[2] (''یہ سب فضل و کرم تمہاری محنت و مشقت کا معاوضہ ہے اور تمہاری کوششیں اور سختیاں اسی جزا اور شکریہ کی مستحق تھیں'')

حضرت امیر خود پیکر عزم و عمل تھے، اس لئے زندگی اور کائنات کی طرف ان کا رویہ تعمیری اور مثبت ہے، اگر چہ وہ دنیا کو بے ثبات اور ناپائیدار ہی مانتے تھے۔ لیکن وہ چندروزہ کی حیات مستعار سے تعمیری اور روحانی ترقی اور مقاصد کے لئے کام لینا بھی چاہتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ انسان ''شعلۂ مستعجل'' ہے لیکن وہ اس کو'' خوش درخشید گی'' پر آمادہ بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے اُن کا فلسفۂ عشق فنا کی تعلیم نہیں دیتا ہے بلکہ بقا کا راز سمجھاتا ہے جو سرتاپا جلال و عظمت ہے۔ جب انسان اِس عظمت کو پالیتا ہے تو وہ خلاصۂ کائنات، صاحب عَلَّمَ الاَسماء اور خلیفۃ اللہ بن جاتا ہے۔ حضرت امیرؒ انسان کو جدوجہد اور ترقی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ اُسے کائنات کی تسخیر اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے پر اُبھارتے ہیں، حرکت، جدوجہد، کوشش اور عمل پیہم کا سبق دیتے ہیں۔ یہ کائنات اللہ نے انسان کے لئے مُسخَّر کی ہے، یہ اس کی جولانگہ ہے، بشرطیکہ انسان معرفت نفس کے ذریعہ معرفت رَبّ کائنات حاصل کر کے عبدہٗ کے مقام ارفع واعلیٰ کا حقدار بنے۔ حضرت امیرؒ کی اس غزل میں انسان کی مجموعی ترقی، اور بے انتہا عظمت حاصل کرنے کے امکانات کو اس کی طاقت و قدرت کے حوالے سے آشکارا کیا گیا جو خالق کائنات کی طرف سے انسان کو ودیعت کی گئی ہے

اگر تو برسرِ کویش دمی گذر یابی　　کنوزِ غیبِ دو عالم بہ یک نظر یابی[3]

معرفت نفس کے بعد انسان کی لامحدود ترقیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ بارگاہِ جلال کے عقدۂ ایوان کی کلید بن جاتا ہے

(۱) چہل اسرار　　(۲) القرآن　　(۳) چہل اسرار

کلید عقدۂ ایوانِ بارگاہِ جلال   توئی ، اگر سرِ موئی زخود خبریابی[1]

اس شعر میں بھی حضرت امیرؒ نفس کی پہچان پر زور دیتے ہیں۔ اپنے وجود کی حقیقت کا راز جب انسان پر کھل جاتا ہے تو وہ ''صاحب امروز'' بن جاتا ہے اور گوہر فردا اُسی کے ہاتھ آتا ہے۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے

اسرارِ ازل جوئی بر خود نظری واکن   یکتائی و بسیاری پنہانی و پیدائی

شمع جاں کی تاثیر سے انساں وہ نور پاسکتا ہے جو روحانیانِ عالم قدس کی مجلس کا چراغ بن جائے گا۔ حضرت علامہ اقبال نے ایسے ہی مردِ حق کے بارے میں فرمایا ہے

جو مثالِ شمع روشن محفل قدرت میں ہے   آسماں اک نقطہ جسکی وسعت فطرت میں ہے[2]

عشق جب آدابِ خود آگاہی سکھاتا ہے، تو نہ صرف اسرارِ شہنشاہی، بلکہ اسرارِ الٰہی بھی انسان پر کھلتے ہیں

ندائے ہاتف غیبی زلامکاں ہردم   بگوشِ دل شنوی گرز خود خبریابی[3]

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے

بیابر خویش پیچیدن بیاموز   بہ ناخن سینۂ کاویدن بیاموز
اگر خواہی خدا را فاش بینی   خودی را فاش تر دیدن بیاموز

مقصد کی لگن اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد کی لذت سے اگر انسان آگاہ ہو جائے تو وہ ہر خس وخاشاک کو جلا کر خاکستر بنادے گا۔

حجابِ خبثِ تن از ماہِ روح بر خیزد   اگر ز آتشِ عشقش یکی شرریابی[4]

انسان نہ صرف روحانی کمال حاصل کر سکتا ہے، بلکہ اس دُنیا میں بھی وہ ہر کمال، اور ہر عظمت اور ترقی پاسکتا ہے، وہ ہر شے کو اپنے قبضے میں لاسکتا ہے، کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کا مطیع فرمانبردار بن سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خالق حقیقی کے آستانِ جلال کا راستہ اپنائے

سریرِ سُدۂ ایوانِ ہر کمال تُراست   بر آستانِ جلالش رہی اگریابی[6]

حضرت علامہ نے مردِ مومن کی یہی تعریف کی ہے

(۱)چہل اسرار   (۲)علامہ اقبالؒ   (۳)چہل اسرار   (۴-۵)چہل اسرار

گرفتارِ کمندش ماہ و انجم   بدست اوست تقدیرِ زمانہ

جو قوم اور جو لوگ فطرت اللہ کی راہ سے روگردانی کرتے ہیں۔ وہ جمادات سے بھی گئے گذرے ہیں۔ ایسی قومیں غلامی کے تاریک ترین بحرظلمات میں غرق ہو جاتی ہیں

قومی کہ پے نبردند بوئی زخاکِ ایں در   در راہِ کشف وتحقیق آں ہا کم از جمادند[1]

اس کے برعکس شوریدگانِ عشقِ الٰہی ساری کائنات میں باطل کے خلاف مصروف جہاد ہیں۔ یہ دُنیا ان کیلئے محض ایک تنکنائے کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقولِ مرزا غالب یہ ''دشت امکان'' صرف ایک ''نقش پا'' کے برابر ہے۔ حضرت امیرؒ فرماتے ہیں کہ عارف لوگ

دربرِّ سیرِ عالم بے مُنتہائے عشق   گامِ نخست برسرِ ایں تنکنا زنند[2]

انسان اپنی حقیقت سے آشنا ہو جائے تو کائنات میں سب سے قیمتی اور گراں بہا وہی ہے اُسے ''احسن التقویم'' میں تخلیق کیا گیا ہے۔ لیکن اپنی غفلت کی وجہ سے وہ رَدّ دناۂ اسفل السافلین بن جاتا ہے حضرت امیرؒ نے اسی بات کو بار بار مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے، یہ پوری غزل انہی معانی سے پُر ہے

میانِ آبِ حیاتی و آب می جوئی   فراز گنجی و از فاقہ در تنگ و پوئی!
تو کوئی دوست ہمی جوئی ونمیدانی   کہ گر نظر بہ حقیقت کُنی تو آں کوئی
زبُوئے زُلفش ازاں غافلی کہ مزکومی   وگرنہ از خمِ زُلفش تو خود یکی موئی!
رُخی کہ آئینہ بنمود آں برابرِ تُست   چو نیک درنگری اصل وفرعِ آن روئی
سُرِ ادقِ جبروتی مُعطّر از دمِ تست   تو مشک طینتی از جہل جیفہ می جوئی
خطا یرِ ملکوت از توزیب می یابند   تو در مزابلِ طبع و ہوا چہ می پوئی
گلی زگلشن وصلی فتادہ اندر خاک   میانِ گلخن حرص وحسد چہ می جوئی
بہ بزمِ مجلسِ خاصش علایا نفسی
رَہت دَہند اگر دست دل ز خود شوئی[3]

(۱)علامہ اقبالؒ   (۲-۳)چہل اسرار

حضرت امیرؒ انسان کو اس عظمت، وقار اور بلندی سے بار بار آگاہ کرتے ہیں جس نے اُسے مسجودِ ملایک بنایا۔ اُس کی پیدائش فطرت اللہ پر ہوئی ہے، اس کے بدن کی تعمیر کا انجینئر خود ربّ کائنات ہے۔ اور اس تعمیر کو ملکوت نے خود خالق کی نگرانی میں بنایا ہے۔ اور پھر اس عظیم الشان اور رفیع الدرجات عمارت میں ذاتِ ذوالجلال نے رُوحِ حیات پھونک دی۔ اب انسان کو معرفت نفس حاصل کر کے اُسی ذاتِ ذوالجلال کا بندہ ہونے کے رہنا چاہئے، یہی بندگی اُسے اللہ کی رضا کا حقدار بنادے گی۔

سیر ہُمائے عشقش والا یُوَدَ ہمیشہ   ظلّ جلالِ حکمش بر پا بُود ہمیشہ [۱]

بازؔ، شاہینؔ، ''عقابؔ''، ''ھُما اور ''شاہبازؔ'' کی علامتوں کو مولانا رومیؒ نے جس طرح کثرت اور عمق معانی کے ساتھ اپنی شاعری میں، مومن و عارف کے لئے استعمال کیا ہے، وہ انہی کا خاص حصہ ہے۔ عصر حاضر میں حضرت علامہ اقبالؒ نے اُردو اور فارسی شاعری میں اسے نئی وسعتوں اور نئے معنوں میں استعمال فرمایا۔ حضرت امیرؒ بھی مومن و عارف، اور سالک راہ معرفت کے لئے باز، ہما، عنقا اور شاہ باز کی علامتیں استعمال کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ان تینوں جلیل القدر بزرگوں میں اہم اور معنی خیز قدرِ مشترک ہے۔ حضرت امیرؒ کی شاعری سے چند مثالیں وضاحت کے لئے کافی ہیں۔

بہ جُز ہمّت نیابی راہِ مقصود   ہُمائے ہمّت آنجا متہم نیست [۲]

باز اوجِ کبریا ماندہ اندر دامِ کام   دام و دانہ بر دَرو، خُرّم بہ حضرت باز شو

گر ھُمائے قافِ قربی بالِ ہمّت بَرکُشا   درفضائے لامکاں باقدسیاں انباز شو [۳]

حضرت رومیؒ نے مثنوی میں اس مضمون کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اُن کا ایک شعر ہے

بال بازاں راسوئے سلطاں بُرد   بال زاغاں را بہ گورستاں بُرد [۴]

(۱-۳) چہل اسرار   (۴) مثنوی شریف مولانا رومیؒ

حضرت امیرؒ کا یہ شعر رومیؒ کا ہم پلہ تو نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن مضمون کے لحاظ سے دونوں میں قریبی ہم آہنگی اور یکسانیت ہے

چو باز، ار چشم ہمت بستی از کُل   مقرِ عزّ تو جز دستِ جم نیست

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت امیر کا کلام اور اُن کی ساری تصنیفات انسان کے ذہن میں وسعت و کشادگی، دل میں جوش و آہنگ، فراخ حوصلگی اور علو ہمتی کے جذبات پیدا کرتی ہیں۔ نفس کی پہچان، ربّ کائنات کی معرفت، کائنات کی تسخیر اور حقیقت تک رسائی، غرض یہ سب کچھ اِسی نشۂ حیات کا فیضان ہے جسے عشق اور محبت کا نام دیا گیا ہے۔ گزشتہ توضیحات میں ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت امیرؒ کے یہاں عشق و تصوف توام ہیں اُن کی شاعری میں بیک وقت نظریۂ عشق اور فکر تصوف باہم دیگر ملے ہوئے ہیں۔ انہی کے قرآن السعدین سے وہ منفرد اور صاحب امتیاز بن جاتے ہیں۔ اللہ کا محبّ، اللہ کی کائنات اور اس کی مخلوق سے بھی محبت و مودّت کا سلوک روا رکھنا، خوشنودئ رب کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ اسی لئے صوفی اللہ کے ارشاد ''اَلخَلقُ عیال اللّٰہ'' کے تحت بلاتمیز رنگ و نسل، مذہب و ملت، اور زاد و بوم، تمام انسانوں سے رشتۂ محبت استوار کرتا ہے۔ بقولِ حضرت علامہ اقبالؒ

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

تصوف کی زبان اور اصطلاح میں اسے ''وسیع المشرب اور مسلک صلح کل'' کا نام دیا گیا ہے حضرت امیرؒ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہوئے بھی، مسالک پرستی، گروہ بندی، اور گروہی مناقشات اور فروعی اختلافات کو مدّ فضول سمجھتے تھے۔ حنفی اور شافعی مسلک کا پیرو ہوتے ہوئے بھی کہیں بھی یہ اندازہ نہیں ہو پاتا ہے کہ حضرت امیر کا مسلک کیا تھا۔ وہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور اور اُن کی اولاد کی مدح اور محبت کا والہانہ اظہار بھی کرتے ہیں۔ لیکن مناقب خلفائے راشدینؓ، اور تعریف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی رطب اللسان ہیں۔ خلافت راشدہ کو وہ برحق اور قایم علیٰ منہاج النبوۃ سمجھتے ہیں اور اولیاء و مشائخ اسلام کو

دیگر تمام مسلمانوں کی طرح اپنے روحانی پیشواؤں میں گردانتے ہیں۔ اس طرح اُن کے مشرب کے تحت سب کے لئے اُن کے دل میں عزت، احترام اور جذبۂ محبت موجود ہے اور یہ بات ہمارے لئے دلیلِ راہ ہے۔

کشمیری صوفی شاعری اور حضرت سیّد علی ہمدانیؒ

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے تناظر میں

تصوف اسلام کا روحانی اور باطنی پہلو ہے، اس باطنی پہلو کو کسی بھی صورت میں اس کے ظاہری پہلو یعنی شریعت سے الگ سمجھنا نہ صرف غلط بلکہ اخلاقی اور علمی دیانت کے خلاف بھی ہے۔ بہت سے لوگوں نے تصوف کو اسلام سے الگ کر کے اسے من پسند ملبوسات سے آراستہ کر کے اس طرح سے پیش کیا ہے گویا یہ دین اسلام کے ظاہری پہلو شریعت کے خلاف ایک بغاوت اور بالکل الگ روش اور اپروچ ہے۔ حقیقت میں تصوف یا روحانیت دین کا داخلی پہلو ہے، شریعت اسی کا ظاہری رُخ ہے۔ انہی دو پہلوؤں کا مجموعی نام اسلام ہے۔ شریعت دین اسلام کا آسان پہلو ہے جسے عام لوگ آسانی کے ساتھ اپنا کر اپنی زندگیوں کو عمومی سطح پر صالح اور تعمیری بنا سکتے ہیں۔ طریقت، حقیقت یا تزکیۂ نفس، بے انتہا عبادات اور ریاضت کے ذریعہ قربِ الٰہی کے حصول کا نام ہے۔ یہ راہ اختیار کرنے والے شریعت و طریقت، دونوں کے یکساں طور پر پابند ہوتے ہیں۔ گویا ایسے لوگوں پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اس راہ کو گنے چُنے لوگ ہی اختیار کر سکتے ہیں۔ حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ علومِ شریعت اور حقیقت کے بحرِ ذخار بھی تھے اور شناور بھی، انہوں نے دین برحق کے ان دونوں روشن ترین پہلوؤں کو واضح کرنے کے لئے کثیر تعداد میں کتابیں، رسائل اور مکتوبات تحریر فرمائے۔ اپنی گرانقدر ضخیم تصنیف ''ذخیرۃ الملوک'' میں انہوں نے تصوف کو ''سلطنت معنوی'' اور اس سلطنت کی خلافت اور حکومت کی اسرار فہمی کو ''سیاست روحانی'' کا نام دیا ہے۔ ''ذخیرۃ الملوک'' کا چھٹا باب اسی سلطنت معنوی کے اسرار و رموز کی عقدہ کشائی

کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اپنے مکتوبات اور چند رسالوں میں بھی وہ تصوف کے بارے میں کچھ نہ کچھ تحریر کر چکے ہیں ''مقاماتِ صوفیہ'' نامی رسالہ دراصل ذخیرہ کے بابِ ششم کی تلخیص ہے۔ لیکن اِن رسالوں اور کتابوں میں انہوں نے نظریۂ توحید وجودی اور نظریہ توحید شہودی کا کوئی خاص یا عام ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ یہ اس ''بارِ امانت'' کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اسی لئے

بہتر آن باشد کہ سرِّ دلبراں　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

کے مصداق انہوں نے حضرتِ ابن عربیؒ کی فصوص الحکم اور ابن الفارضؒ کے قصیدہ میمیہ کی شرح لکھتے وقت اور چہل اسرار کی چالیس غزلوں، قصیدۂ کنز الیقین، اور رسالہ ''فی سوادِ اللّیلِ وَلبُسِ الاسوَدْ'' کے ذریعہ اِن نظریوں کی وضاحت، تشریح، حمایت اور تطبیق کی ہے۔

وادیٔ کشمیر میں حضرت امیرؒ کی دو کتابوں ''اورادِ فتحیہ'' اور ''چہل اسرار'' کو مخصوص امتیازی مقام حاصل رہا ہے۔ عام لوگ انہی دو کتابوں سے زیادہ تر واقف ہیں اور اورادِ فتحیہ، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، واحدیت، احدیث اور صمدیت کی واضح اور روشن تفسیر ہے جسے عام اہل سنت والجماعت روزانہ بہ طورِ وظیفہ صبحگاہی مساجد اور گھروں میں وِرد کرتے ہیں اور اورادِ فتحیہ مکمل طور پر نظریۂ توحید شہودی کی وضاحت کا ثبوت ہے۔ چہل اسرار کو خاص لوگ ختمات اور سماع کی محفلوں میں مزامیر کے بغیر حلقے بنا کر اور مترنم آواز میں پڑھتے ہیں۔ چہل اسرار سے توحید وجودی اور توحید شہودی دونوں نظریوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ اورادِ فتحیہ اور چہل اسرار دراصل شریعت اور طریقت و حقیقت کے پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں[1]

[1] نظریۂ توحید شہودی، جیسا کہ اسے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اسے پیش کیا، اگرچہ اُن سے پہلے نظریۂ کے طور پر وجود میں نہیں آ چکا تھا، لیکن یہ بذاتہ صوفیا اور شعراء کی تصنیفات اور کلام میں موجود تھا۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی نے اسے مُدوّن کر کے واضح نظریہ کے طور پر پیش کیا۔ خاکسار کو اتفاقی طور پر حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام اور تصنیفات میں اس نظریہ کے آثار نظر آئے، اس موضوع پر علماء فن ہی تحقیق کر سکتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ توحید وجودی اور توحید شہودی کے نظریوں کی مختصر وضاحت کی جائے۔ ''توحید وجودی مقام یک بینی ہے جو سُکر و مدہوشی کا مقام ہے اور یہ ولایت کا ادنیٰ مقام ہے اور اس سے بالاتر دائرہ ظلال ہے۔ جب سالک اس مقام میں داخل ہوتا ہے وہ اسماء و صفات کے ظلال میں سیر کرتا ہے اور اس سے بالاتر مقام عبدیت ہے۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ اس میں صحو و آگاہی ہے۔ سالک کی زبان پر توحید وجودی کے مقام میں لامحالہ ''انا الحق'' جاری ہوگا۔ اور دائرہ ظلال میں ''سُبحانی مَا اعظمَ شانی'' کی صدا بلند ہوگی اور مقام عبدیت میں لَا اُحصِی ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ علیٰ نَفْسِکَ کے مبارک الفاظ آئیں گے۔ یہ مقام فرق ہے۔ اس مقام میں اَلعَبْدُ عَبْدٌوَالرَّبُ رَبٌّ کے اسرار کھلتے ہیں۔ ''ہمہ اوست'' وہ شخص کہہ سکتا ہے جو مقام توحید وجودی میں ہے، جو اس مقام میں نہیں ہے وہ ''ہمہ از وست'' کہے گا[1]

صوفی جو صحیح معنوں میں مومن ہوتا ہے، اپنے نفس کے تزکیہ کے ساتھ دوسروں کی سیرت بھی سنوارتا ہے۔ اور خدمت خلق کو اپنا نصب العین بناتا ہے۔ وہ نہ خود بینی کے عیب کا شکار رہے نہ بد بینی کے مرض کا مریض۔

طریقت بہ جز خدمت خلق نیست　　بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست[2]

حضرت امیرؒ اور ان کے خلفائے صادقین نے دین حق کی نشر و اشاعت کی بنیاد انہی چیزوں پر رکھتے ہوئے عامتہ الناس کے دل جیت لئے۔ انہوں نے توحید وجودی اور توحید شہودی کے نظریوں میں خاموش طریقے سے مطابقت پیدا کر کے ان میں نظر آنے والے ظاہری فرق اور مناقشہ کو دور کر دیا اور ان کو فلسفہ بنانے کے بجائے ہمہ گیر عملی پروگرام اور لائحہ زندگی بنایا۔ اس کی تشریح، تفسیر اور تبلیغ اس طرح سے کی کہ سارے انسان ایک ہی برادری کے افراد ہیں اور حکم باری تعالیٰ ''اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہ'' کے مطابق یکساں احترام، عزت اور سلوک کے سزاوار۔ اس نصب العین کو انہوں نے انسانی زندگی کے احترام اور وقار کی تعلیم بنایا اور اسے مظاہر پرستی، مقابر اور اکابر پرستی کا معجونِ مرکّب نہیں بنایا۔ ان کے نظریۂ توحید وجودی میں بھی شہودی شان نظر آتی ہے۔ کبروی سلسلہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ افراط و تفریط کا

شکار کبھی نہیں رہا۔ یہ سلسلہ مجموعی طور پر نظریہ توحید شہودی کا پیرو، پابند اور علم بردار رہا ہے۔ کائنات کا مُرَبی اور خالق ایک ہی ہے۔ خلق، مخلوق، اور خلقت اسی ''وَحدہ'' کے ''شیونات'' ہیں۔ لہٰذا بنی نوع انسانی، بلاتمیز رنگ ونسل وزاد و بوم، ایک ہی کنبہ کے افراد ہیں۔ اس کی شانیں، جلوے اور رنگینیاں محض ظاہری شناخت کے لئے ہیں۔

حضرت امیرؒ نے سلسلۂ کبروی کے اسی نظریے کو وادیٔ کشمیر میں پھیلایا اور کشمیریوں کے رگ و پے میں اِسے پیوست کیا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ پورے برِّصغیر میں اگر کسی جگہ تصوف کا نظریۂ ''صلح کل'' اور ''الخلق عیال اللہ'' کو زندگی کے تعمیری، مثبت اور عملی پروگرام کے طور پر لوگوں نے حرزِ جان بنایا ہوا ہے تو وہ صرف وادیٔ کشمیر ہے۔ یہ انہی حضراتِ قدس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اُن کی آمد کے زمانہ سے ہی وادیٔ کشمیر کے لوگوں میں بلالحاظ و امتیازِ مذہب وملت، باہمی بھائی چارہ، رواداری کا ماحول، ذات پات، اونچ نیچ اور چھوت چھات سے نفرت، انسانی زندگی اور آدمیت کے لئے احترام کا عملی برتاؤ اور جذبۂ محبت و اخوت زندہ اور قائم رہا ہے۔

لل دید اور حضرت شیخ نُور الدّینؒ، دونوں نے حضرت امیرؒ سے روحانی فیض کا اکتساب کیا، دونوں بزرگوں کی شاعری میں توحید وجودی اور توحید شہودی کا نظریہ ملتا ہے، لیکن دونوں میں حضرت امیرؒ اور کبروی سلسلہ کے اثر کے تحت توحید شہودی کا پہلو غالب ہے۔ توحید وجودی کا اثر اُن پر ایک عارضی کیفیت کی طرح کا ہے جو مست ہوا کے ایک جھونکے کی مانند اُن کے فکر و ادراک کو چھوتا ہوا گزرتا دکھائی دیتا ہے۔ ابتدائی دور میں ممکن ہے وہ اس نظریہ پر شدت کے ساتھ یقین رکھتے ہوں۔ لیکن دونوں دائرہ وحدت وجودی سے ہوتے ہوئے دائرہ ظلال سے آگے نکل کر مقامِ عبودیت کی پناہ میں آگئے۔ دونوں نیکوکاری، نفس لوّامہ کی تربیت، معرفت نفس اور عمل پر زور دیتے رہے۔ دونوں دُنیا کو مایا جال نہیں بلکہ مزرعتہ الآخرۃ سمجھتے ہیں اور اس لئے بُرے اعمال کی سزا اور نیک اعمال کی جزا پر یقین رکھتے ہیں۔ دونوں نظریوں کے بارے میں ان ہر دو بزرگوں کا رویہ اور اپروچ حیران کن حد تک مماثلت اور یکسانیت رکھتا ہے۔ لل دید نظریۂ وحدتِ وجودی اس طرح بیان فرماتی ہیں۔

اَسہِ پ ندِ زَسہِ زَلِمہ بلتھِ سنان گرِ تیرتھن
وہری دُہرس نوٗنے آسے نِشہِ چھے تہٕ پر زناوتن ۵؎

☆ (وہ خود ہنستا، چھینکتا، کھانستا اور جمائی لیتا ہے، وہی تیرتھ استھانوں پر نہاتا ہے۔ وہی سال بھر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی ہوگا اور وہ تو تمہارے ساتھ ہے، اُسے پہچان تو لے)

گگن ژٕے بھوٗتل ژٕے ژٕے دہن پوٚن تہٕ راتھ
اَرگ ژندن پوٚش پوٚنی ژٕے ژٕے چھکھ سُورے تہٕ لٲگزِ کیاتھ ۲؎

☆ (آسمان اور زمین تو ہی ہے تو ہی دن، ہوا اور رات ہو۔ تم تو ازل ہی (ارگ) سے چندن، پھول، پانی غرض...... تم ہی تو سب کچھ ہو، پھر تمہاری نذر کیا کیا جائے)

لیکن لل دید جلد ہی توحید شہودی کی طرف رُخ پھیر لیتی ہے اور اس کے کلام میں اکثر حصہ اسی نظریہ کی توضیح کرتا ہے۔ وہ وَنَحنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد کو تکرار کے ساتھ بیان کرتی ہے۔

نِشہِ چھے تہٕ دوٗر موگارن
(وہ تمہارے قریب تر ہے، اُسے دور مت سمجھنا)

سُہ ییلہِ ڈیوٹھم نِشہِ پانس سوٗرے سُے تہٕ بہٕ نو کینہہ ۶؎

☆ (میں نے جب اُسے اپنے قریب پایا، وہی تو سب کچھ ہے، میری کیا حقیقت ہے)

گُنبر ہے بوزکھ گُنہِ رو زکھ گُبزرن کوٗرنم ہُنی آکار
گُنے اُستھ دون ہُند جنگ گوم سُے بیرنگ گوم کرتھ رنگ ۷؎

☆ (خدا کی یکتائی اور واحدیت اور احدیت میں اگر غور کرنے لگ جاؤ گے تو تحیُّر میں غرق ہو جاؤ گے، اسی نے مجھے نابود اور عدم سے بود اور ہست کیا، ذاتِ حق کی احدیت و صمدیت کی یہی شان ہے کہ ظاہر و باطن خالق و مخلوق،...... یعنی دوئی...... دو ہونے کی جنگ جاری رہے۔ خود تو وہ بے رنگ (صبغتہ اللہ) ہے لیکن مجھے تو وہ مبتلائے رنگ و بو کر گیا)

ژٕ ے دَیہِ گَرتس تہٕ دھرتھی نسرزکھ   ژٕنے دَیہِ دِتھ کزنزن پڑان
ژٕ ے دَیہِ ٹھینٛو روسٕتے وَزَکھ   کُس زانہِ دَیوچون پرِمَان ۸

(اے میرے رب! تو ہی اس کائنات کے ہر ذرّے پر چھایا ہوا ہے تم ہی نے ہر بشر کے قالب میں روح حیات پھونک دی (تم تو زندہ ہو قائم ودائم، حاضر و ناظر ہو) تمھیں کسی گھنٹی بجانے کی محتاجی نہیں تم اس کے بغیر ہوشیار اور بیدار ہو، تمھیں اور تمہاری قدرت کو کون تول سکتا ہے۔)

لل دید نے تمام عقلی فلسفوں کی نفی کر کے معرفت نفس کے ذریعہ خدا کو پالیا۔ ان فلسفوں میں سب ہی نظریئے آگئے جو مقام بندگی سے لگا نہیں کھاتے ہیں۔

دب یٖلہ دِتُم فکرن تہٕ اندیشن   لوٗژ لوب مکھ پٔنے گرے ۹

اور لل رب کو عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر مان کر اس کی عظمت اور اپنی بندگی و بے چارگی میں یقین کا بار بار اظہار کرتی ہے۔

شیخ نورالدین کی شاعری میں بھی نظریہ توحید وجودی کی وضاحت اور حمایت ملتی ہے مگر بہت کم مثلاً

یُس اوس یَتے سے چھے تتے   سُے چھے پزِ۔تھ شایہ رٹتھ مکان
سُے چھے پیادٕ تے سُے چھے رَتھے   سُے چھے سورے...... گُپتھ پان ۱۰

☆ (جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے وہی "وہاں" پر بھی ہے۔ وہی پیدل چلتا اور وہی رتھ پر سوار ہے۔ غرض وہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں پوشیدہ ہے)

یہاں پر ایک دلچسپ توارد کی طرف اشارہ کرنا مناسب رہیگا۔ لل دید اور حضرت شیخ نورالدینؒ نے توحید وجودی کی حمایت میں ایک ایک شلوک ایسا کہا ہے جو مضمون اور مثالوں کے لحاظ سے بالکل یکساں ہے۔ ان کے شلوکوں اور حضرت سیّد عبدالکریم الجیلیؒ (مصنف "اَلْاِنْسَانُ الْکَامِل") کے ان اشعار میں کتنی قریبی مماثلت اور تعلق پایا جاتا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ پہلے الجیلیؒ کے اشعار مدنظر رکھیں پھر لل اور شیخ کے شلوک۔

وَمَا الخَلقُ فِی التَّمثَالِ اِلَّا کَثُلجَۃٍ   وَاَنْتَ بِهَا الْمَاءِ الَّذِی هونابع

وَمَا الثُّلجُ فِی تحقیقنا غیرمَآئه   وَغیران فی حکم وَعته الشرایع
ولکن بزوب الثُّلج یرفع حکمه   وَیوضع حکم المآء والامر واقع
تَجمُعَتُ الاَضدادفی واحدِ البها   وفیه تلامشت وَهوعنهم ساطع ۱۱

☆ (خلق مخلوق کی مثال سوائے برف کے نہیں اور تو اس میں پانی کے ہے جو ذاتِ حق سے پھوٹ آتا ہے اور برف ہماری تحقیق میں سوائے پانی اور کچھ نہیں ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ اس کا ایک حکم ہے جس کا قوانین عالم تقاضا کرتے ہیں۔ پر جب برف پگھل جاتی ہے تو وہ حکم بھی اُٹھا جاتا ہے اور پانی کا حکم اس میں رکھا جاتا ہے اور یہ امر واقع کے مطابق ہے۔ جمیع اضداد ایک چیز میں جمع ہیں اور اسی میں مٹ گئیں اور ان کے مٹ جانے سے وہ روشن اور ظاہر ہو جاتا ہے)

لل کا شلوک

ترٕ سلل کھوٹ تے ترے   ہمہِ ترٕنے گے بیٚون بیٚون وِمرِشا
ژیتنہ رَو باتہ سب سَمے   شِوٕے ژراژر زگ پشا ۱۲

☆ (پانی جم کر برف بن جاتا ہے اور برف یخ (اس طرح) ایک ہی شئے کی تین صورتیں نظر آتی ہیں سورج کی چمک نے ان سب کو پگھلا کر ایک کر دیا بالکل اسی طرح خدا کائنات کی ہر جاندار اور بے جان شئے میں موجود ہے)

یخ، ٹُل کٔتر، ششر گانٹہ، شین   ترٕم بیٚون بیٚن پاٚدٕ گری آشین
یامتھ کھُوتکھ پورِ گٔنہِ رو   تامتھ ترٕمن ژون اَکُے گو ۱۳

☆ (یخ، شدید جمی ہوئی برف، یخ کی قلم اور برف، سب (ظاہر میں) الگ الگ تخلیق شدہ نظر آتے ہیں جب اُن پر سورج کی چمک پڑ گئی تو چاروں ایک ہی یعنی پانی ہو گئے)

حضرت شیخ نورالدینؒ تو باقاعدہ سلسلۂ کبروی میں حضرت میر محمد ہمدانی سے بیعت ہوئے تھے، اس لئے وہ ہمیشہ شریعت اور صاحب شریعت کی پیروی، قرآن فہمی، معرفت نفس، ذکر، فکر، فقر، صحبت صالحین، نماز، روز، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کی انجام دہی پر زور دیتے رہے۔ وہ انسان کو موت اور انجام کی یاددہانی بار بار کراتے ہیں اور جہنم کے عذاب سے

ڈراتے ہیں۔غرض وہ العَبْدُ عَبْدٌ وَالرَّبُ ربٌ پر ایمانِ مکمل رکھتے ہوئے نظریۂ توحید شہودی کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔

اوّل سُے اٰخر سُے ندبل وُسْتھِ مل کاسِو
گُلہِ گنڈِتھ تس کُن اَ سو دؤ گُنہ دوزخنہِ نارِ نِسو ۱۴

☆ (اول بھی وہی رب ہے اور آخر بھی، تم اپنے دل کا میل دور کرو، ہاتھ جوڑ کر اسی کی بندگی کرو، شاید دوزخ کی آگ سے محفوظ رہ سکو گے)

یِیتہِ تہِ مےٚ ژُ تتہِ تہِ مےٚ ژٕے میٚوے کرتم گلزار
سوٗرے ترٲوِتھ رونٛگھ مےٚ ژٕے مےٚ ژٕے ہاوتم دیدار ۱۵

☆ (اے میرے رب! اس دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا سہارا ہے، میری خاک کو گلزار بنا دے! سب کو چھوڑ کر میں نے تیرا ہی سہارا پکڑا ہے، تو مجھے اپنے دیدار سے فیضیاب کر)

خدا ے تعالےٰ اوس تہٕ آسی ۱۶

☆ (خدائے تعالیٰ تھا اور وہی ہمیشہ ہوگا بھی)

یَمو خدا ے تہٕ رسولؐ سوٗزرو تی ییمی پول سٕہ ژاوِ گزیندِ ے ۱۷

☆ (جنہوں نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی وہی ''بندوں'' میں شمار ہوگئے)

حضرت شیخ خدا کی بندگی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ وہ گناہوں سے توبہ کرنے اور تقویٰ کا راستہ اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ مکافاتِ عمل یاد دلاتے ہیں اور رب کی بارگاہ میں مناجات اور دعا تضرع، اور پورے خشوع و خضوع سے کرتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کی یہی شان ہے اور یہی مقام عبودیت کی خصوصیت ہے۔

مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

کا مطلب یہی ہے:

حضرت سید عبدالرحمان بلبل شاہؒ کی آمد کے وقت ہی سے کشمیر میں فارسی عربی جاننے والے عالم لوگ بھی کشمیر میں آنے شروع ہوگئے تھے۔ اور شہمیری سلطنت کے قیام

سے ایسے لوگوں کو قسمت آزمائی کا موقعہ ملا اور بہت سے لوگ یہاں آنے لگے۔ پھر جب حضرت سیّد علی ہمدانیؒ اور اُن کے بعد میر محمد ہمدانیؒ اور سینکڑوں عُلماء و مشائخ یہاں تشریف فرما ہوگئے تو تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ فارسی شعر و ادب کی ترویج و اشاعت بھی بڑے شد و مد کے ساتھ ہونے لگی۔ سعدیؔ، حافظؔ، عطارؔ، جامیؔ، غزالیؔ، سنائیؔ، رومیؔ، عراقیؔ، فردوسیؔ، نظامیؔ وغیرہ کی تصنیفات کا مطالعہ تیزی کے ساتھ شروع ہوا۔ قدرتی امر ہے کہ علماء اور شعراء ان برگزیدہ شعرائے کرام کے خیالات و افکار سے گہرائی کے ساتھ متاثر ہونے لگے۔ ان میں سے اکثر نظریۂ توحید وجودی کے زبردست حامی اور مبلغ تھے۔ کچھ نظریۂ توحید شہودی کے ماننے والے بھی تھے (اگرچہ اس زمانے میں نظریۂ شہودی اس طرح سے موجود نہ تھا جیسا کہ حضرت مجدّدؒ الفِ ثانی نے اسے دورِ اکبری میں شرح و بُسط کے ساتھ پیش کیا)۔

دراصل ان فارسی شعراء میں بھی یہ دونوں نظریے خلط ملط نظر آتے ہیں۔ حضرت امیر سیّد علی ہمدانیؒ کو کشمیر کے ساتھ گہرا تعلق رہا اُن کے فرزند نے ان کے مشن کو یہاں اطراف و اکناف میں پہنچایا اس لئے اُن کا اثر زیادہ دیرپا اور مضبوط رہا۔ حضرت امیر کے کلام میں بھی دونوں نظریے خلط ملط ہیں۔ اگرچہ ''مقامِ عبدیت'' پر انہوں نے بہت زور دیا ہے گو انہوں نے اپنے قصیدۂ کنزالیقین میں اپنے آپ کو ''اصل و فرعِ ہر دو عالم'' اور ''نور مطلق'' کہا ہے۔ لیکن یہی وہی مست ہوا کا جھونکا تھا جو لمحاتی لطافت اور مستانہ کیفیت کے ساتھ آیا اور گیا۔ اسی خلط ملط اثر کے تحت کشمیری شاعروں نے اِن دونوں نظریوں کو اپنایا اگرچہ توحید وجودی کے پیروکار شعرا کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس گروہ کی نمائندگی کرنے والوں میں یہ لوگ قابل ذکر ہیں۔ حبّی، بیب دید، مومن صاحب، سوچھ کرال، شاہ غفور، رحیم صاحب، اسد پرے اور شمس فقیر، وہاب کھار، وازہ محمود، رمضان بٹ گنستان، احمد ڈار، احمد راہ، بسم شاہ، لسہ خان، مجید میر، بہادر گنائی، پیر غلام محی الدین یور خوشی پورہ وغیرہ۔ یہ اصحاب قادری، نقشبندی اور سہروردی وغیرہ سلسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔

لیکن اس کے برعکس کبروی سلسلۂ تصوف و سلوک سے منسلک شعراء کی تعداد بھی اچھی خاصی اور قابل توجہ رہی ہے۔ اُن کے کلام میں حضرت امیرؒ کی تحریک اور فیضان بالکل

واضح اورنمایاں ہے۔اُن کے ہاں توحید شہودی کے نظریہ کی کماحقہٗ وضاحت تفصیل کے ساتھ ملتی ہے۔ان میں سر برآوردہ شعراء بھی شامل ہیں اور کم معروف اور غیر معروف شعراء بھی۔ معروف شعراء میں محمود گامی، صدیق بابا فاخر، رحمان ڈار، قادر صاحب کیہنہ نہ، پیر عزیز اللہ حقانی، ولی اللہ متو، احمد بٹواری اور کم معروف شعرا میں سے استاد حبیب، اُوستاد خالق، گلہ میر عاصی، محمد سراج، اسد میر باکورہ بدس گام اور غیر معروف اساتذۂ فن میں مولوی محمد خضر مقبل، محمد افضل خاکی، ولی خاکی، احمد خاکی مستانہ، اوستاد صدیق بابا، رسول بٹ، نبر صوفی، اسمال بٹ، رُستم گنائی، عاشق ترالی، صالح، رحیم، عبدالرزاق قلائی اندر، درویش قادری، لسی میر، رمضان میر، محمد اسماعیل نامی، میر واعظ اخوند عبدالسلام، میر واعظ آخوند لسہ بابا، واعظ کشمیری، بختیار خان، غنی، اکبر، عالم، خالق میر والد صمد میر، صمد نایدابن کریم نایدپانپور، صدیق بابائے صادق، مقصود نجار بوس گام کیلم وغیرہ شامل ہیں۔ فارسی شعراء میں حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ اور مرزا کامل الدین اکمل بدخشیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں جو سلسلہ کبرویہ سے منسلک تھے۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔نعمہ صاحب اور شاہ قلندر کا جھکاؤ زیادہ توحید شہودی کی طرف ہی ہے۔

ان شعراء کے کلام کے اقتباس پیش کرنا موجب طوالت ہوگا۔لیکن کبروی سلسلۂ سلوک سے منسلک چند سر برآوردہ شعرائے کرام کے کلام سے چیدہ اور نمائیندہ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ان میں سے رحمان ڈار اور احمد بٹہ واری کا کلام آج بھی بہت پسندیدہ اور مقبول عام و خاص ہے اور ان کے حلقوں سے تعلق رکھنے والے سالک آج بھی کبروی سلسلہ کی تعلیمات کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

رحمان ڈار چھتہ بلی (ولادت ۱۸۰۴ء............وفات ۱۸۷۲ء)

دِلہِ کے دٔریاوِ وُچھم مُلکِ وحدت کرلا یبغیانٔ سَرے
گرے پنہ نے تحقیق کرتن دِلے کنی پزٕ ناو

ـ مطابق تحریری شہادت منشی محمد سلطان عرائض نویس مُریدِ صمد میر، منشی مرحوم نے صمد میر کی زبانی یہ روایت قلمبند کی ہے۔ منشی صاحب میرے ماموں تھے۔(غ۔م۔ش)

شریعت پالتن پانس جان چھے دیٔان رَٹھ اَمہ وَرَے
فرض ، سُنّت ، واُجب ، مستحب برابر پکہ ناو
طریقت گرُن پانہِ فان چھے سَپنکھ اَیئنہ یے
صفت چھُس اَیٔینَس لبنہِ کانھ ژھاے پانٔے چھُ پانہِ اِظہار
حقیقتہِ نِشہِ عقل چھُ راوان ، وزان سرٔ یہہ لندَرے
کنو بوزتھ ، منس پژھ تھاو ، زبانٔ سَتہِ وبٕژھ ناو
حق الیقین چھے مَنگن تہِ ماژن ،وچھُہ چھے پانٔے
سجود کرتس رٕچھتس کعبہ دل پھولِی یوٕ نوٕ رائے
علم الیقین چھُ, وچھتن ہیرِ بون پان ژٕے کرتن سَرَے
پَر تِوشاہ پیہٕ یِی مرتبہ برتو وَرتَنہِ دٕتھن دباو
مسجود میلتھ چھے یَتھ جہانس جہان چھے ذٔرِ ذَرَّے
ذرّلتہِ کُنِی چھے مُحیط عیان ، سَرِ منز چھ پکان ناو
فنائس گو، "یوٗ" دَپنہِ ، نِشے بُنیاد چھے گاشَرے
پَتہِ تَے بزونٹھے دٔچھنی کھوِرکِ ہیرِ تَے بونہ سُے آو
رحمان ڈار چھۓ, در ندامت وٕچھتن ہررنگ ژیئے
بارنگ ، بے رنگ تحقیق کرتن مَنہِ ہے تی دیپہ راو[۱۸]

☆ (دریائے دل میں، میں نے "مُلکِ وحدت" کا مشاہدہ کیا، (توُ بھی) سرِّ "لا یبغیان" (آیہ کریمہ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانْ . بَیْنَهُمَا بَرزَخٌ لَّایَبْغِیَان) کو غور و فکر کے ساتھ سمجھ لے، ذاتِ حق کو اپنے ہی گھر یعنی دل میں تحقیق کر اور اُسے دل کی آنکھ سے پہچان لے۔
شریعت پر مکمل کاربند رہنا ہی تمہارے لئے سعادت مندی ہے۔اسی راہ سے اللہ کے ساتھ تعلق جوڑ لے۔فرض، سنت، واجب اور مستحب، ان پر برابر عمل جاری رکھو۔ طریقت کا مطلب اپنی ذات یا "گمانِ من ہستم" کو فنا کرنا ہے۔اس سے تم آئینہ بن

جاؤ گے۔جس کا کوئی سایہ نہیں ہوتا ہے یعنی اس میں دوئی نہیں ہے اُس کا ظاہر و باطن ایک ہے۔

حقیقت کے آگے بے چاری عقل درماندہ و حیران ہے۔دلِ آگاہ خود حقیقت کی گواہی دیتا ہے۔

اسے سن کر اس پر محکم یقین رکھ،اور پھر اسے اپنا وظیفہ حیات بنا۔

حق الیقین کا مطلب ہے اللہ کے حضور مانگنا،گڑگڑانا، پھر تم پر فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه (آیہ کریمہ: فَاَیْنَما تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهُ ......اور دوسری آیت اِن اللّٰه مَعَكُمْ اَیْنَما كُنْتُمْ کی حقیقت خود کھل جائے گی۔تم اللہ کے حضور سر بسجدہ رہو اور (حسن عمل اور اخلاص و محبت سے) لوگوں کے دل جیتنے کا عمل جاری رکھو،تب تمہارا دل اللہ کے نور سے روشن ہوگا۔

علم الیقین کا مطلب یہ ہے کہ وہی اللہ ساری کائنات کے پست و بالا میں حکمران ہے اس کی پہچان کے لئے پہلے تم اپنے آپ کو پہچان لو جب ہی تم پر اس کا نور جلوہ فگن ہوگا (لیکن یہ بڑا مرتبہ تم مسلسل طور پر نیک اعمال کرنے کی وجہ سے ہی پاسکو گے)

وہ مسجود تو اس سارے جہاں میں سمایا ہوا ہے۔اگر چہ یہ کائنات ظاہر میں فرقِ وجود یا ذرّہ ذرّہ کی صورت میں (بکھری ہوئی) نظر آتی ہے لیکن اسی تفریق اور انہی ذرّات سے۔وہ 'محیط' عیان اور ظاہر ہے۔اسی محیط میں کائنات کی کشتی رواں دواں ہے۔

جو''میں''یا''من ہستم'' کہنے سے فنا ہو گیا،یعنی جس نے''میں'' کو فنا کیا وہی روشن بنیاد کو پا گیا............☆ وہی ہر جگہ حقیقت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

رحمان ڈآر ندامت میں سر خمیدہ ہے۔اللہ کو ہر رنگ اور شان میں دیکھو اُس بارنگ اور بے رنگ کو سمجھنے کی کوشش کرلو اور اُسی کو اپنے من میں سمالو۔

۲

ٹھرِ چھم پنِہٖ ژھاے ژھاے چھے دِلچ راے
اُنِہٖ رٹھ در دس تے چھونس بہٖ پانہٖ مَس تَے
اُچھ وَٹھ وُچھ کثرت! مُژٕ راو وُچھ وحدت

مول چھے تتھ وٚچھنس تَے چھونس بہٖ پانہٖ مس تَے
تزاُوِتھ چھ اُدٕیُل زال ہیرِ بونہ بالا مال
سأرِ سےٖ یَتھ عالَمس تَے چھونس بہٖ پانہٖ مس تے ۱۹

☆ (میری رکاوٹ تو اپنی ہی پرچھائی ہے اور یہ پرچھائی دل کی رائے ہے۔آئینے کو ہاتھ سے پکڑ لو،(یعنی دل کو مومن بناؤ) مجھے تو اُس نے خود ہی معرفت کی شراب دے دی۔

آنکھ بند کر کے کثرت کا نظارہ کر لو، پھر کھول کے''وحدت'' کو دیکھ لو،(کائنات کی رنگارنگی اور ظاہری تضاد کثرت کا نظارہ ہے۔اس میں جو ہم آہنگی،ایک ضابطہ اور مقررہ مدار پر چلنے کا حساب و کتاب ہے وہ تو''وحدت'' کا پتہ دیتا ہے) قیمت تو اسی دیکھنے کی ہے۔

اُس نے ایک خوبصورت،شاندار،مگر باریک جال اوپر سے نیچے تک اس ساری کائنات پر ڈال دیا ہے)۔

۳

غم تزاو فکرن مژٕ موراو بہار آو جانِ جانانَے
وحدانیتہٖ نِشہ وحدت پژاو بہار آو جانِ جانانَے
کیاونس کیا دیِس کیا کرس ناو جلوہٖ گر دژاوبے نشانَے
بے رنگ رنگہ نےٖ منز باگ ژاو بہار آو جانِ جانا نَے
بے بوٗدِ سےٖ موکر پأر او ...... بُود چھے سوزٕے عیانَے
نِشہِ چھے پأنس ، پانہٖ پزز ناو بہار آوٕ جانِ جانانَے
مَزرِعُ الْاٰخِرَةِ سوٗنٕس تاوٕ زِراعت کرہم سامانَے
لِی کرَکھ تی سَرَکھ تھی کرکھ کزاو بہار آو جانِ جانا نَے ۲۰

☆ (غم کو چھوڑ دے، پریشان کن فکروں اور اندیشوں میں گم مت ہو جا،اے جانِ جاناں بہار تو آئی ہے''وحدانیت'' سے''وحدت'' حاصل کر لو،اے جانِ جاناں بہار تو آئی ہے۔

میں''اُسے'' کیا کہوں اور کون سا نام دوں؟ وہ بے نشاں ہو کر ہی کائنات میں جلوہ گر

ہوا، وہ ''بے رنگ''، ''رنگوں'' میں داخل ہو کے نمایاں ہوگیا۔اے جانِ جاناں بہار آئی ہے۔ جو ''بے بود'' (بے حقیقت فانی) ہے اس کی سجاوٹ اور آراستگی نہ کر۔ جو ''بُود'' (یعنی حقیقت الحقیقت اور قایم ودائم ہے) ہے وہ تو بالکل ظاہر ہے اور تمہارے پاس ہی ہے اُسے پہچان لے۔کشت کاری کے موسم میں زراعت کا سامان بہم کر، اور اَلدُّنیَا مَزرِعة الآخِرة پرعمل پیرا ہو جا۔ جو تم کرو گے تم کو وہی ملے گا، وہی تمہارا ماحصل ٹھہرے گا۔اے جانِ جاناں بہار آئی ہے)

احمد بٹہ واری (قیاساً ۱۸۴۵ء......۱۹۱۸ء)

ہر موکھ دِر تہٕ دیدار ہاوان   بیدار لگُو وُچھنہٕ لولو
شریعت چھ اَمرِ ذات پاُلن دوہ تہٕ رات   پاُلن چھےٚ گَنہٕ زَنہٕ لولو
حقیقت غنیمت وُچھ لانہایت   معرفتٕ ہیتَھن تاجہ گَنہٕ لولو
ناسُوت ملکُوت جبروت لاہوُت   از مکاں لامکاں ننہٕ لولو
ابتدا اِنتہا چھُ حیات النَّبیؐ   پیغمبر ، پَے دنہٕ لولو
بے رنگ، بے گون بیچوں بے چگوں   مجتبٰی ژھٕسن چھنہٕ گنہٕ لولو ۲۱

۲

ہا مسلمانو ژ یُہ نُتھ نا   سرکر لاآلہ الا اللہ
اوّل گوڈٕ پاُلن شریعت   طریقت چھےٚ اَءِصلچ وَتھ
سأَلکو وصلک چَو پیالا   سرکر لا آلہ اِلا اللہ
حقیقت دٕیتھ گوعینِ مِلہٕ ژار   معرفت عارفن سیرِ اسرار
رُوح میُون پرانلِ ہوتَے ہا   سر کر لا آلہ اِلا اللہ
علم الیقین کٔلِچ زان   عین الیقین دُرِّ پنہان
معشوق ژھارتن چھُکھے عاشقا   سرکر لا آلہ الا اللہ
حق الیقین زان اَءِصلچ دتھ   حقُّ الحق گو سَینچ وَتھ
پُختہٕ کار درامت کرتھ سوخنا   سرکر لا آلہ اُلا اللہ

۳

صِفات پھوٚلَے بہأرِک یے   بے رنگ رنگ دِتھ ژوپأرک یے
گُل کرٕی نم مِلہٕ ژأرک یے   بے رنگ رنگ دِتھ ژوپأرک یے
رَتٕہ کٔیا در دس بے نشان   وحدأنیتہٕ نشہٕ عقل حیران
آدم بے اختیأرک یے   بے رنگ، رنگ دِتھ ژو پارک یے

۴

شریعت چھےٚ پاُلن تہٕ ژاُلن گوڈٕ سٕزان کر منز سَرے
طریقت اَسِتھ دریاو اُنزُرن گنزُرن سیکہٕ انبرے ۲۴

۱

☆ (وہ اللہ تو ہر جہت سے جلوہ گر ہے۔ بیدار دل والے اسکے مشاہدے میں محو ہو گئے۔ شریعت کا مطلب ہے رات دن اللہ کا حکم بجالانا۔ یہ کام تمہیں خود انجام دینا ہے، (کوئی دوسرا تمہارا یہ کام نہیں کرسکتا ہے) حقیقت تو لانہایت دولت ہے اس کی معرفت حاصل کر کے اسے اپنے سر کا تاج بنالو۔ ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت اور لامکاں ''مکان'' ہی سے ظاہر و معلوم ہو جائیں گے۔یعنی ظاہری شریعت کی پابندی کر کے ہی انسان ان مقامات سے آگاہ ہوسکتا ہے۔معرفت کی اِبتداء اور انتہا ہمارے زندہ وحیات نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں وہی ہمارے راہ نما اور رہبر ہیں۔اللہ کی ذات، بے رنگ و بے مثال ہے، اس کے عشق ومحبت میں ساری کائنات مست ومخمور ہے اس محبت اور عشق کی کوئی اِنتہا نہیں ہے)۔

۲

☆ (اے مسلمان! کیا تم اب تک اس کی کُنہ تک نہیں پہنچے ہو! غور وتدبر کے ساتھ لا الہ الا اللہ کو سمجھ لے، پہلے تو شریعت پر مکمل کاربند رہ، پھر ہدایت کا راستہ یعنی طریقت پا سکو

گے۔سالکوں نے (اسی پر چل کر) وصل کا جام نوش کیا تو بھی غور و تدبر کے ساتھ لاآلِہ الا اللہ کو سمجھ لے۔ حقیقت کا مطلب ہے فنافی اللہ ہونا، عارفوں کو سرّ اسرار کی معرفت حاصل ہوتی ہے، میری روح تو سرشار ہو کر ذکر ھو اللہ میں مست ہے تو بھی غور و تدبُّر کے ساتھ لا اِلہ آلا اللہ کو سمجھ لے، کلمۂ طیبہ کی پہچان ہی علم الیقین ہے۔ عین الیقین تو ''غیب'' میں ہے (وَیومِنُونَ بِالْغیب) اگر تو عاشق صادق ہے تو معشوق کی تلاش کر۔ ''اصل'' اور ہدایت کا رستہ، ہی حق الیقین ہے اور ''حق الحق'' تو ''سینہ'' کا راستہ ہے۔ (یعنی حق کو اپنے سینے میں جاگزین کرنا) پختہ کار عارف نے کیا خوب فرمایا ہے کہ غور و تدبر کے ساتھ لاآلِہ اِلا اللہ کو سمجھ لو!)

۳

☆ (''بہار'' کے موسم میں ''صفات'' کے پھول ہر سو کھِل اُٹھے ہیں، وہ بے رنگ ہر طرف رنگوں میں جلوہ گر ہے۔ اُسی نے ''پھولوں'' کو آپس میں ملایا ہے وہی بے رنگ ہر جہت رنگوں میں جلوہ نما ہے میں اُس ''بے نشاں'' کو ہاتھ میں کیسے پکڑ سکوں گا؟ اس کی وحدانیت کے آگے عقل حیران ہے اور آدم بے اختیار ہے)

۴

☆ (پہلے اپنے تن اور من کو پاک و صاف کر، شریعت کی پابندی ضروری ہے۔ اور اس پابندی کو برداشت کرنا ہی ہوگا۔ (اس کے بغیر سب کچھ بے مقصد اور لاحاصل ہے) طریقت پر چلنا ''بحرِ محیط'' کو عبور کرنا ہے جو ریت کے انبار کو گننے کے مترادف ہے (یعنی اس منزل میں بے انتہا عبادت، ریاضت، تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی درکار ہے)

پیر عزیز اللہ حقانی

وولو ہتاؑفلو ہردم گرو اذکار حَیُّ اللہ
چھو مستانہِ مَوک مے ڈِچھو دیدار حَیُّ اللہ
چِھ ذراتس چھوبر ذاتُک نوبر ہردم دِ اثباتُک

صفاتُک جلوہ از ہر سُو چھُ از انوارِ حَیُّ اللہ
دوئے دِتہٖ نوٗن وُچھکھ پانے اوئے تَمِہ نشہ چھُ بیگانے
مکیں پانے مکاں پانے یہِ چھے اسرارِ حَیُّ اللہ
جُدا از غیر یوٗ دروزکھ سیٚو ڈُے آوازِ حی بوزکھ
مَنے سوزکھ گنے بوزَکھ صدائے تارِحَیُّ اللہ
چھُ نامحرم زباں از دل یتہِ زانی واٗصلِ کاٗمِل
ژِ ئے حقّانی چھُ کیا حاٗصل بجُز اذکار حَیُّ اللہ۲۵

۲

زخویش و آشنا بیگانہِ کوٗرتھس | پریشاں کوچہ و بازار عشقوٗ
یمَن چانی غمن کوٗر پاٗر پارہ | تمَن ژِ ئے چھکھ چھو کن بُلغار عشقوٗ
گُلک چھکھ حُکم راں در کشورِ دل | شُلِک ژِ ئے واٗ تُنے اسرار عشقوٗ
ژِ عالی منزلت در لا اُبا لی! | ژِ ئے کر چھے کاٗنِہ ہنڈے عار عشقوٗ
چھ حقّانی پیوٗمُت بردر مُوٗر بَر
نظر کر چھے گوٗمت لاچار عشقوٗ ۲۶

۱

☆ (اے غفلت کے متوالے! (غفلت چھوڑ کر) آجا، اب ہم ہر سانس میں اذکار حَیُّ اللہ کا ورد کریں گے، اُسی کی ذات میں محو اور فنا ہونے کی شراب مستانہ وار پئیں گے اور جلوۂ حَیُّ اللہ سے فیضیاب ہو جائیں گے۔ ہر ایک ذرّہ اُسی ذات یکتا کے عشق میں اور اس کی کارفرمائی سے مدہوش اور رقصاں ہے۔ ہر سانس میں اس کی نئی نئی شان اس کے اثبات پر شاہد ہیں اور حَیُّ اللہ کے انوار سے اس کی صفات کا جلوہ ہر سو عیاں ہے۔ دل کی آنکھوں سے ڈھونڈو تو تم اُسے حاضر و ناظر پاؤ گے۔ غافل تو اندھا ہے اسی لئے حقیقت سے بے خبر ہے وہی مکین ہے اور وہی مکان یہ حَیُّ اللہ کے اسرار ہیں غیر اللہ سے جب اپنا تعلق مکمل طور پر منقطع کرو گے تو تم براہِ راست آواز حَیُّ اللہ سنو گے

ہوگے تو تمہارا دل سرشار ہوگا اور تم کانوں سے حیٔ اللہ کی روح افزا صدا سن لوگے۔
صرف ''واصل کامل'' کو ہی معلوم ہے کہ زبان دل کے اسرار سے ناواقف اور نامحرم ہے (نہ زبان یہ اسرار بیان کرسکتی ہے) اس لئے اے حقانی (اسرار چونکہ زبان بیان نہیں کرسکے گی) اذکار حیٔ اللہ کے بغیر تمہارے لئے اور کوئی ''حاصل'' مناسب نہیں ہے)

۲

☆ (اے عشق! تو نے مجھے اپنے عزیز وا قارب سے بیگانہ کرکے کوچہ و بازار میں (رُسوا کر کے) پریشان و سرگرداں کردیا۔ تعجب تو یہ ہے کہ جن کے دل تمہاری وجہ سے پارہ پارہ ہیں اُن کے زخموں کے لئے ''بلغار'' یعنی مرہم بھی تو ہی ہے۔ تو پورے کشور دل کا حکمران اور تو ہی اُس کے تمام اسرار و رموز سے واقف بھی ہے۔ لا اُبالی اور بے نیازی میں تیرا رُتبہ نہایت ہی عالی ہے۔ تمہیں آج تک کسی پر کبھی بھی رحم یا ترس نہیں آیا ہے۔ حقانی تمہارے دروازے پر پڑا ہوا ہے ذرا دروازہ تو کھولئے اور دیکھئے کہ وہ کس طرح تمہاری وجہ سے بے بس ولاچار ہوگیا ہے)

نظریۂ توحیدوجودی کے سرگرم اور پرجوش حامی شعراء نے بھی کہیں کہیں توحید شہودی کے نظریہ کی حمایت کی ہے۔ ان میں نعمۂ صاحب، شاہ قلندر اور وہاب کھار کے کلام سے بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ شاہ قلندر کی مثنوی ''ابراہیم ادہم'' اسی نظریہ کی عکاسی کرتی ہے، اُن کی ایک غزل کے چند شعر۔

سرتہ ووذٕ عاشقو پَرتہٕ الا اللہ

توبہ چھُ، افضل کاس پانس مَل — استغفر اللہ پَرتہٕ اِلا اللہ
غیُر سۭزِ دَتہِ گوکھ فکرِ مۭز کوتہٕ پیوکھ — موگۆھ ژٕ گمراہ پَرتہٕ اِلا اللہ
محبتہٕ اَندرے محمدؐ سرٕ کر — رٹھ تہٕ حُبّ اللہ پَرتہٕ الا اللہ
کاٮ۪سکھے شکھ ژکھ آسکھے مردِ حق — دَپھتہٕ قَالُو بلیٰ پَرتہٕ اِلا اللہ
کوٚل تَے زور لاگ عین پرصم بکم — موژٕ مَر پُر گناہ پَرتہٕ اِلا اللہ

☆ (اے عاشق اب تم غور وتدبر کے ساتھ ''اِلا اللہ''...... یعنی لا اِلہ الا اللہ پڑھ لو (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود و خالق نہیں ہے)
توبہ کرنا افضل کام ہے اس سے تم اپنے باطن کو تمام آلائشوں سے پاک وصاف کرو گے۔ استغفار کرتے ہوئے تم لا آلہ اللہ کا ورد جاری رکھو۔
تم تو غیر اللہ کے راستے پر چلتے رہے۔ اس گمراہی پر آج تک غور نہیں کیا، اب اور مت بھٹکنا، لا اِلہ الا اللہ دل سے پڑھ لو۔
عشق کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پانے کی کوشش کرو، حُبّ اللہ کے یہی معنی ہیں۔ لا الہ الا اللہ کا وِرد جاری رکھو۔
اگر تم مردِ حق ہو تو تم اپنے دل سے شک اور غصہ دور کرو گے، تم بلیٰ (قَالُو بَلیٰ) کئے ہوئے وعدہ کو یاد کرو، اور لا اِلہ الا اللہ کو غور وفکر کے ساتھ سمجھتے رہو۔
(گناہوں کی دنیا میں) گونگے بہرے بن جاؤ (نہ برا کہو نہ ہی سنو) صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کو زیرِ نظر رکھو گناہوں سے آلودہ ہو کے تم نہ مرو۔
اے قلندر! انجام کار تمہیں ایک طویل اور مہیب سفر درپیش ہے۔ تم زاد راہ کی تلاش کرو، زادِ راہ تو بہترین یہی ہے کہ تم لا اِلٰہ الا اللہ (جو افضل الذکر ہے) کا ورد دل وجان سے جاری رکھو۔

وہابؔ کھار کے چند شعر:

شریعچ رز رٹھ محکم تَمہِ رۄس کیہنہ نو بنے
تیمی ینتہِ شریعت پولئَے سُے گوَ مُسلمان ۲۸

☆ (شریعت کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اس کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ جس نے دنیا میں شریعت کی پابندی کی، وہی مسلمان ہے)

"موجودؔ" نِشہِ گرےؔ اسرار بُئن "شہودؔ" نِشہِ چھے وفائی
"فنایہ" منز گرےؔ "جمع" بُئن وہاب کھاریِ چھے صفائی ۲۹

☆ ("موجودؔ" کے راز سے واقف ہو کر ہی تمہیں "شہودؔ" تک رسائی اور شاہد مطلق کی مدد حاصل ہو سکتی ہے۔ مقام "فنا" میں "جمع" بن جاتا ہی (اے وہاب کھار) صفائی ہے (صفائے قلب مطلب ہے)۔

شمس فقیرؔ:

کیاہ چھُ حیات کیا چھے ممات	کتھ چیزس ناوکر بہ ذات
چھُسنہٖ جسم تہ جوہرے	تمہ گوُ ھتھ تہُندے گرے
تراو ، وجود شہود پتھر	سرِ گوُھی تہُندُے گنبر
شمس فقیرؔ دم خاوَرے	تَمہِ گوُھتھ تہُندُے گرے ۳۰

☆ (حیات کیا ہے اور ممات کسے کہتے ہیں؟ میں کس چیز کو "ذات" کے نام سے پکاروں۔ نہ اس کا جسم ہے، نہ وہ جوہر ہے۔ وہ ان چیزوں سے ماوراء ہے۔ وجود اور شہود کی بحثوں کو چھوڑ دے، تب ہی تم اس کی یکتائی کو سمجھ سکو گے۔ اے حَبس نفس کرنے والے شمس فقیرؔ! ان چیزوں سے ماوراء ہی اس کا گھر ہے)

کنہٖ بوزم حقِ سرِ ہُو	مَن ہو پران چھے پانہٖ ہو
مَنْ عَرَفَ نَفْسَہ پوِل ے	پیتہ ئُے چھُے تِتہ ئُے چھُے
وَجود ، تہٖ شہود تراوِتن	تَمہِ گوُھتھ چھے زاویل بَدن ۳۱

☆ (میرا من خود "ھُو" کے ذکر میں مست و مگن ہے۔ اور میں نے اپنے کان سے صدائے حق سِرّ ہٗ سُنی ہے میں نے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہ پر عمل کیا پھر "اُسے" ہر جگہ حاضر و موجود پایا۔ وجود اور شہود کی بحثوں کو چھوڑ دے وہ "ذاتِ نازک" ان چیزوں سے ماوراء ہے)

●

فی سوادِ اللّیل وَلُبس الاسْوَد: یہ اُس رسالے کا نام ہے جو میر سیّد علی ہمدانیؒ نے فارسی

زبان میں تحریر کیا ہے۔ اس میں ۳۲ جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے، رات کی سیاہی اور سیاہ لباس کے متعلق بحث کی گئی ہے اس میں سیاہ لباس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "سیاہ لباس عاجزی، سادگی، حق پرستی اور انکساری کا جوہر ہے۔ جب آدمی سیاہ لباس پہنتا ہے تو ابلیس ماتم زدہ ہو جاتا ہے"۔ سیاہ لباس کی فضیلت کے بارے میں مختلف صوفیائے کرام کے فرمودات بیان کرنے کے بعد حضرت امیرؒ لکھتے ہیں کہ "خرقۂ سیاہ کو باقی تمام خرقوں پر فوقیت حاصل ہے ۳۳" اسی طرح رات کی فضیلت اور برکتیں بیان ہوئی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۳۴ رات کو لباس کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو ہی یہ رتبۂ بلند عطا فرمایا کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں اپنی آخری اور مکمل کتاب.......... قرآن کو اپنے آخری اور افضل ترین رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ جس کی شہادت سورۃ قدر آج بھی دے رہی ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ لیلۃ القدر کا ادراک ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اس رات کی فضیلت یہ ہے کہ یہ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح القدس (جبریلؑ) اپنے رب کے حکم سے (ہر امر خیر کو لے کر) زمین کی طرف اُترتے ہیں۔ یہ شب سراپا سلامتی ہے (اور اسی صفت و برکت کے ساتھ) طلوعِ فجر تک رہتی ہے ۳۵۔ باری تعالیٰ نے اپنے بہترین بندہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ . قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا کی وحی بھیج کر رات میں قیام کر کے عبادت اور ترتیل قرآن کا حکم دیا ۳۶

اللہ تعالیٰ نے تاریکی، سیاہی (یعنی رات...... یا اَلْاَعْمَاء) میں خلق کو تخلیق کیا۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

اِنَ اللّٰہ تَعالیٰ خَلَقَ الخَلقَ فِی ظُلْمَۃٍ فَرَشَّ عَلَیْھِمْ مِنْ نُورِہٖ فَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذالِکَ النُّورِ فَقَدْ اِھْتَدیٰ وَمَنْ اَخْطَافَقَدْ ضَلَّ ۳۷ (اللہ نے خلق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اُن پر اپنے نور سے ترشح کیا۔ جس کسی کو اس نور سے کچھ ملا وہ ہدایت پا گیا، جو محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا) تاریکی، اور سیاہی اسرارِ الٰہی کا خزانۂ مخفی ہے۔ اسی میں اللہ نے اپنے نور کا ظہور فرمایا۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا اَلاِنْسَانُ سِرِّی وَاَنَا سِرُّہٗ ۳۸ حدیث، (انسان میرا سر ہے

اور میں اس کا سر ہوں)۔

ذاتِ مطلق کے دورخ ہیں باطنی اور ظاہری۔ باطنی رُخ کو اَلاعُمَاء کہتے ہیں۔ اس کا مظہر (تعینات یا تنزّلات کے چھ مراتب میں سے) دوسرے تعین کے بعد ہے۔ عَمَا وہ حقیقت ہے جو حقائق امکانیہ کے ظہور کے لئے صالح ہے۔ تمام کائنات کا ظہور "عَمَاء" میں ہوتا ہے۔ جب اسم رحمٰن کی توجہ کائنات کی طرف ہوئی اور اس نے اعیان پر رحمت نازل کی تو اس نے بے کیف پھونک ماری۔ اس طرح "عَمَاء" کا تحقق ہوا۔ لہٰذا اَعمَاء نفس رحمانی اور مظہر رب ہے، رب تعالیٰ نے اس میں ظہور کیا ہے[۳۹]

اَلاعُمَاء(The Dark Mist or Cloud) کے بارے میں صوفیائے کرام دو حدیث پاک بیان کرتے ہیں۔ ایک تو مشہور حدیث قدسی ہے: کُنْتُ کَنزاً مَخْفِیًا فَاَحبَبْت اَن اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الخَلُقَ[۴۰] (میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میری معرفت حاصل کی جائے پس میں نے خلق کو پیدا کیا (تا کہ میرا ظہور ہو اور مخلوقات میرا اور میرے اسماء کا مظہر ہو۔ اور مخلوق مجھ کو پہچان لے اور اس پہچان کی وجہ سے کمالاتِ صوری و معنوی سے سرفراز آیت کریمہ وَمَاخَلَقْتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُونِ[۴۱] ...... لِیَعْرِفُوْن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری ہی عبادت کر کے میری معرفت حاصل کریں اور کمالات کے مراتب پر فائز ہو جائیں)

مطلب یہ ہے کہ ربّ کائنات ایک "کنزِ مخفی" (پوشیدہ خزانہ) تھا۔ دوسری حدیث کا نام ہی حدیث اَعْمَاء ہے۔ حضرت امام ترمذیؒ نے اپنی جامع کے تفسیر سورۃ ہود میں عن وَکیع بن حَدس عن عمہ ابی رزین اس طرح روایت کی ہے: "قلتُ یا رسول اللّٰہِ(صلی اللّٰہ علیہ وسلم)اَیْنَ کَان رَبُّنَا قبل ان یخلق خَلْقَہُ؟ قَالَ(رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم) کَانَ فی عَمَاءٍ مَا تَحتَہ ھواء وَمَافَوقَہ ھَواء و خَلقَ عَرَشہ عَلَی الْمَاء[۴۲] (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فرمایئے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عَمَاء میں تھا۔ نہ اُس کے

اوپر ہوا تھی اور نہ نیچے (ہوا سے مراد عالم امکان ہے) یعنی ممکنات میں سے کسی شے کا ظہور نہ تھا۔ نہ عَمَاء کے اوپر کوئی مخلوق تھی، اور نہ نیچے، ربّ تعالیٰ عَمَاء کے مظاہر میں تھا۔

"عَمَاء" پہلا مقام ہے جس میں شموسِ حسن کا فلک غروب ہے۔ وہ ذاتِ الٰہی کا بطون ہے جس کے ساتھ اس کا وجود ہے۔ وہ نہ اس عماء سے نکلا ہے اور نہ متبدل ہوتا ہے، وہ ایک بلند پایہ مثال ہے جو اس کے لئے متمثِل ہوئی۔ عماء کا راز اس آگ کا ساراز ہے جس کو پتھر نے اپنے اندر لپیٹا ہوا ہے۔ جب آگ پتھروں سے ظاہر ہوتی تو یہ "ظہور" اس آگ کا ایک حکم ہے اور اس کے خفا و کمون کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مقام سے کوچ نہیں کرتی، یعنی باوجود ظہور کے پھر بھی وہ اس کے اندر موجود رہتی ہے............ (عماء) کی تمثیل نہیں ہو سکتی۔ وہ ان حیرتوں میں جو اس سے پیدا ہوئیں، مغزوں اور عقلوں کی حیرت ہے۔ پھر وہ ان حیرتوں کے لئے عماء ہے جس کے لئے کوئی لفظ استعمال میں نہیں آتا[۴۳] "عماء" حقیقۃُ الحقایق سے مراد ہے............ عَمَاء کو بہ منزلۂ احدیت کے سمجھو جیسا کہ اسماء و اوصاف احدیت میں ملیامیٹ ہوتے ہیں اور کسی چیز کا اس میں ظہور نہیں ہوتا ایسا ہی عماء کا حال ہے کہ اس میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کو مجالِ ظہور نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ احدیت ذات کا حکم ہے۔ ذات میں جیسا کہ اس کے علوشان کا اقتضاء ہے اور وہ ظہور ذاتی احدی ہے اور عَمَاء ذات کا حکم ہے بہ مقتضائے اطلاق کہ اس سے علُو ۔ وَ۔ دُنُو، سمجھا نہیں جاتا اور وہ بطون ذاتی عمائی ہے، پھر وہ احدیت کے مقابل ہے اس طرح کہ احدیت میں صرافت ذات ہے بہ حکم تجلی اور اُس میں صرافت ذات ہے بہ حکم استتار"[۴۴]............ عَمَاء وہ تجلیٔ واحد ہے جس کو اپنی ذات کے لئے اس نے پسند کیا، کسی غیر کے لئے یہ تجلی نہیں ہوتی۔ خلق کو اس میں کچھ نصیب نہیں ہے اس لئے کہ یہ تجلی اعتبار، انقسام، اضافت اوصاف کی کسی چیز کو قبول نہیں کرتی۔ جب خلق کو اس میں کوئی نسبت ہوتی ہے تو وہ کسی اعتبار، نسبت، وصف یا ان میں سے کسی چیز کی محتاج ہوتی ہے اور ان میں سے کوئی بات اس تجلی کے حکم میں داخل نہیں اور وہ تجلیات الٰہیہ سے ذاتی ہوں یا فعلی، صفاتی ہوں یا اسمی، ملاقات رکھتی ہے۔ پھر وہ اگرچہ بذاتِ خود ایک حقیقت رکھتی ہے وہی ہے جس کا اپنے بندوں پر تجلی و ظہور کی جہت سے وہ تقاضا کرتی ہے باوجود اس تمام

کے یہ تجلی ذاتی جس پر کہ وہ ہے جمیع اقسام تجلیات کی جامع ہے۔ ایک تجلی میں اس کا ہونا دوسری تجلی سے اس کو مانع نہیں ہوتا۔ لیکن دوسری تجلیات کا حکم اس ایک تجلی میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ آفتاب میں ستاروں کا حکم ہے کہ موجود بھی ہیں اور معدوم بھی، اس وجہ سے کہ درحقیقت نورِ نجم آفتاب سے ہے اور ایسا باقی تجلیات الٰہیہ کہ اس اسماء تجلی کے ترشحات کا ایک رشحہ ہیں اور اس کے سمندر کا ایک قطرہ ہیں۔ اس تجلی ذاتی کی سلطنت کے ظاہر ہونے پر معدوم ہو جاتی ہیں ۴۵۔ یہ فی نفسہ تجلی (اگر چہ) بہ حیثیت اپنے اسم کے، اس سے پہلے استتار کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن یہ قَبلیّت حکم کی قلبیّت ہے۔ نہ ایسی قبلیت جس کے لئے وقت معین ہو۔ اس لئے کہ اس کی شان اس سے بلند ہے کہ اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان توقیت ہو۔ یا انفصال وانفکاک ہو، یا اتصال وتلازم پایا جائے کیونکہ یہ چیزیں، یعنی توقیت، انفصال وغیرہ اس کی مخلوق ہیں۔ پھر اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک دوسری مخلوق کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو تو تسلسل اور دور لازم آتا ہے اور یہ دونوں محال امر ہیں۔ پس اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ اس کی قبلیّت، بَعدیت، اوّلیّت، آخریت ایک حکم ہے اور بہ لحاظ کسی محل واضافت کے ہے۔ مکان وزمان کی یہاں کوئی گنجائش نہیں، نہ ہے زمان نہ مکاں لا اِلٰہ اِلا اللہ۔ علامہ اقبالؒ) وہ پیدائش عالم سے پہلے جیسا کہ چاہئے، عَماء میں تھا اور بعد پیدا کرنے کے بھی جیسا وہ تھا، ویسا ہی ہے۔ عماء بلا اعتبارات ذات کے حکم سابق کا نام ہے اور قبلیت ہے اور یہ قبلیت ہی بعدیت ورنہ، نہ کوئی قبلیت ہے نہ بعدیت، کیونکہ وہ خود ہی قُبل، بعد، اوّل اور آخر ہے اور اس پر طرفہ یہ کہ اس کا ظہور بِدونِ کسی اعتبار، نسبت وجہت کے عین اس کے بطون کا ہے۔ اوّلیت عین آخریت، قبلیت عین بعدیت ہے۔ عقلیں اس میں حیران رہ گئیں اور اس بات کا حوصلہ نہ رہا کہ اس کی عظمت اور شان تک رسائی ہو سکے گی، کوئی مفہوم اور کوئی معقول اس کا تصور نہیں کر سکتا ۴۶۔

دَنہٖ گَس تور چھنہٖ داتان ظون۔ کسے کہوں کہ ''وہاں کوئی خیال اور ظن نہیں پہنچ سکتا''

لغوی طور پر عَماء رقیق ابر کو کہتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں اس کو ''شرحِ جامِ جہاں نُما'' میں مولانا وجیہہ الدینؒ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ ''جس طرح رقیق ابر آفتاب کے قرص کو

کچھ چھپا لیتا ہے اسی طرح نفس رحمانی نے اپنے ظہور سے آفتاب اَحدیت کو چھپایا۔ ''یعنی مرتبہ احدیت کو نفس رحمانی کچھ چھپاتی ہے بہ خلافِ مرتبۂ کون کے کہ اس میں پوشیدگی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ ظاہر کو باطن کو خبر نہیں۔ عَماء سے ظاہری اَبر مراد نہیں ہے کیونکہ ظاہری ابر کے اوپر نیچے ہوا ہوتی ہے اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ عما کے اوپر کچھ ہے نہ نیچے''۔ امام احمدؒ نے حدیث عماء کے بیان میں کہا ہے: کان اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شیٔ مظہر عَماء میں اللہ ہی تھا، اس کے ساتھ کوئی شے نہیں تھی۔ خواجہ جنید بغدادیؒ نے کہا: وَھُوَ اَلآن کَمَا کَانَ وہ اب بھی پہلے کی طرح ہے یعنی ذاتِ حق کے سوا، اب بھی کچھ نہیں ہے ۴۸۔

حضرت امیر کا رسالہ ''فی سوادِ اللّیل ولُبُسُ الاسود'' دراصل حدیث ''الاعَماء'' کی تشریح ہے۔ مرتبہ اعَما، سواد اللّیل اور لُبُسُ الاسوَد کی وضاحت، تشریح، اور یہ تکرار اعادہ ہمیں کشمیری صوفی شاعری میں تسلسل کے ساتھ نظر آتا ہے۔ کشمیری صوفی شاعری میں ''ظلمات'' کا لفظ اسی حالت اعماء کی طرف اشارہ اور علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اور ''آبِ حیات'' کو ذاتِ احدیت وواحدایت کی مثال کے لئے برتا گیا ہے۔ رات کو اسی لئے فضیلت ہے کہ یہ عماء کی نمائیندگی کرتی ہے۔ ذرا تصور کیجئے ایک مکمل کالی رات کا، ہر طرف ''ہُو'' کا عالم طاری ہے۔ ساری کائنات ذات احدیت میں غائب و معدوم ہو چکی ہے۔ غور وفکر کیجئے تو آپ ''محیط''۔ ''ریہنہ نے''، ''ظلمات'' سوادِ اللیل جو لُبُس الاسود سے مُلبس ہے، یا ''الاعماء'' کے عالم کا کچھ نہ کچھ مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ سیاہی سے ہی تجلی اور نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ یہاں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مفید رہے گا۔

حضرتِ امام شافعیؒ کے بھانجے اپنی والدہ یعنی امام شافعیؒ کی بہن سے نقل کرتے ہیں کہ اُس نے کہا کہ ہم رات میں امام شافعیؒ کے سامنے کم وبیش تیس مرتبہ چراغ لایا کرتے تھے۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ لیٹ کر کچھ سوچا کرتے تھے اور بار بار چراغ لانے کا حکم دیتے تھے۔ ہم چراغ لے کر جاتے وہ کچھ فوراً تحریر فرماتے اور پھر کہتے کہ چراغ لے جاؤ''۔ لوگوں نے حضرت امام احمد بنِ حنبلؒ سے دریافت کیا کہ حضرت امام شافعیؒ ایسا کیوں کرتے تھے؟ تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے جواب میں فرمایا کہ ''الظُلمَۃُ اَجلی القَلَبُ یعنی اندھیرا دل

(قصبہ) کا رحیم "قوم سیاہ پوش" سے ہے، میرے مجنون! اُسے دیکھ کر خوشی اور مسرت سے جھوم!

شاہ قلندر (ء؟......۱۸۸۰ء اندازاً)

شاہ قلندر نے الاعماء کے لئے دوسری مثال اختیار کی ہے۔

ژے کر "زنچ" گیئ زان "زُلف" کتھ ہیوۂ چھ آسان
بیک مُوچھے اویزان زمین اَسمان بشنو ۵۴

ترجمہ (تمہیں کبھی "زلف" کی پہچان حاصل نہیں ہوئی۔ نہ تمہیں معلوم ہے کہ زلف کس چیز کے مانند ہے۔ سن لو! یہ زمین اور آسمان "ایک ہی مُو" (بال) سے لٹکے ہوئے ہیں)

شمس فقیر (۱۸۴۳ء......۱۹۰۱ء اندازاً)

شمس فقیر کے ہاں تصوف کے اسرار و رموز کا گہرا ادراک پایا جاتا ہے۔ وہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ عملی صوفی بھی تھے۔ ان کے ہاں تجربات کی رنگینی بھی ملتی ہے اور سوز دروں کی زبردست حِدّت و تپش بھی۔ مرتبۂ الاعماء کی وضاحت میں ان کی ایک مکمل اور اچھی خاصی طویل غزل ملتی ہے جس میں مختلف مثالوں، استعاروں اور تشبیہات کے ذریعہ اس مقام و مرتبہ کی تشریح کی گئی ہے۔ اس میں جو ٹیپ کا شعر ہے وہ قابل غور ہے۔ اس میں حضرت رومیؒ کی "نے" کا نالۂ فراق بھی سنائی دیتا ہے۔ تجلیٔ ذات سے کس طرح دوسری تجلیاں پھوٹتی ہیں اسے تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں

ے لولہ نارن دِیتم آمہِ تاو ولو معشوقہِ دیدار ھاو
حیاتکہِ آبہ ستہ شیلاو! ولو معشوقہِ دیدار ہاو
سیاہ نازِ شمشیر ترَاُوتھ ژُ تچ خاصِیت سبتھا مارِنی
شہید گاسِتمن ضرب موتز او ولو معشوقہ دیار ہاو
وُچھام تی بادَہ فروشس سیاہ سورمس دِواں اوس گس
سِیاہ سورمہ چشمن لاُگھ دزاو ولو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاہ چھے مِیل سیاہ موکھتے سیاہ قلمئہ ستی آو لیکھنےَ

سیاٗہی ستہ گونڈئم جلاو واو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاہ بوٗمُر سیاہ چھے کاو سیاہ زُلفس نکھے ووت واو
سیاہ زالہِ رازِ ہونز ولنے آو واو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاہ چھے رات سیاہ ظلمات سیاہ ظلماتس چھے کُنہِ ذات
والضحیٰ واللّیل کرتہِ ٹھہراو ولو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاہ پوشن اندر ژے اژھ سیاہ دژی یاو سیاہ چھے مژھ
سیاہ پانس کرتھ پار اَو ولو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاہ کُرسی وُچھم عرشس سیاہ چھے موے معشوقس
سیاہ خال قاب و قوسین چھاو ولو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاہ اسود چھۂ کعبس منز سیاہ آیہ فرقان سیاہ چھے "کنز"
سیاٗہی منز سبز دژی یاو ولو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاہ چھے باغ سیاہ چھے گُل سیاہ یاسمن سیاہ سنبل
سیاہ عشقہِ پیچان رزِ کھواو ولو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاہ گل چین سیاہ مَوَل سیاہِ کارِ پُتر سیاہ اوبرس تل
سیاہ مارِ پیچان پرِدِ موتھاو ولو معشوقہِ دیدار ھاو

سیاٗہی منز چھے آبِ حیات سیاہ نورس دَپاں نورِ ذات
سیاٗہی منز چھۂ گاشک بَساو ولو معشوقہِ دیدار ھاو
سیاٗہی منز بہ گوس حیرتس بَہ کیاہ کرِتھ سیاہ کارس
سَوادُالوَجہِ اَتھ پہو ناو ولو معشوقہِ دیدار ھاو ۵۵ع

☆ (محبت کی آگ نے مجھے (تڑپانے کیلئے) آدھا جلا کر رکھ دیا۔ میرے معشوق اب مجھے اپنا دیدار دکھا۔ آبِ حیات سے مجھے ٹھنڈا کر دے۔ میرے معشوق مجھے اپنا دیدار دکھا۔ تم نے نازوالی "سیاہ شمشیر" کو ظاہر کر دیا جس کی خاصیت اکثروں کو مارنا ہے......

میں جلا (روشنی) پیدا کرتا ہے ۴۹"۔ عالم و عابد اور صوفی باصفا کے لئے رات کا ایک ایک لمحہ دن بھر سے زیادہ اہم، قیمتی اور بابرکت ہوتا ہے۔

تنزلات یا اعتبارات ستہ کی کچھ وضاحت ہمیں سوچھ کزال (۱۷۷۴ء دم ۱۸۵۴ء قیاساً) کی غزل "دپیوے بالہ یارس یارڑی لاگو" میں ملتی ہے۔ اس میں وہ مرتبہ الاعماء کی روشنی میں تشریح خوبصورت انداز میں کرتے ہیں یہاں اس پوری غزل کی حدیث الا عماء کی روشنی میں تشریح کا موقع نہیں ہے۔ میں صرف اس کا مقطع پیش کروں گا

دپان سوچھ کزال الفس ماچھے بندی
چھے پانے خداوندس خداوندی ۵۰

☆ (سوچھ کزال کہتا ہے کہ "الف" میں کوئی بندی یعنی نقطہ نہیں ہے (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لاشریک اور یکتا ہے۔ خداوندی تو خدائے لم یزل کو ہی شایان ہے)

نعمہ صاحب (۱۸۰۵ء۔ ۱۸۸۰ء قیاساً) نے مختلف انداز میں اسے پیش کیا ہے

موہن "زلف زے" نصف رأث صجن چھن شاہچہ براث
دیولنہ گو عرب و عجم وچھ لالہ درباغ ارم ۵۱

☆ (تاریک رات میں اُس نے اپنے "دو زلف" کھولے۔ صبح (ازل) ہی کو اُس نے انہیں (دو زلفوں کو) "شام" کی برأت (دستاویز، تحریر) میں لکھ دیا۔ سارا عرب و عجم (ساری کائنات) دیوانہ ہوگیا۔ "باغِ ارم" میں "لالہ" کا نظارہ تو کرلو)

رحیم صاحب سوپور (۱۷۷۵ء۔ ۱۸۷۰ء انداز)

رحیم صاحب الاعماء کے اس حجاب کی طرف ایک غزل میں اشارہ کرتے ہیں جس کی اوٹ میں ذاتِ احدیت نے اپنے آپ کو چھپا کر رکھا

سوندرمال گج سے چانے مایہ لگیو "ژھایہ" ہامدنو
قدچون بأریک الفکہ آیہ تمہ کے سایہ عالمس
وس نار زاج تھم گنے یم رایہ لگیو ژھایہ ھامدنو

اولے نبی لیس آواز آیہ او آو جبریل قرآن ہتھ
"سیاہی" متی لیکھی نم آیہ لگیو ژھلیہ ھا مدنو
رحمن سفید جامہ پاریایہ در ظلمات گودسفیدی ہتھ
سواد الوجھہ اتھ مثال آیہ لگیو ژھایہ ھامدنو ۵۲

☆ (میں سُندری تیری محبت میں گھل گئی ہوں۔ میرے پیارے میں تمہارے سایہ (چھایا) کے قربان ہو جاؤں۔ تمہارا قد "الف" کی طرح باریک ہے۔ لیکن اسی کے زیر سایہ ساری کائنات ہے۔ تم نے تو (ہجر میں) مجھے ایسے جلا کر رکھ دیا کہ میرے دل میں ہزاروں اندیشے پنپ رہے ہیں۔ میرے محبوب! میں تمہارے سایہ کے قربان ہو جاؤں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے ہی سب باتوں سے اللہ نے آگاہی دی تھی، اُس کے بعد حضرت جبریلؑ قرآن لے کے آئے، وہ آیات "سیاہی" سے لکھے گئے میرے محبوب میں تمہارے سایہ کے قربان ہوجاؤں۔

رحیم (صاحب سوپوری) نے سفید جامے (کپڑے، پوشاک) زیب تن کئے اور وہ "ظلمات" میں "سفیدی" لے کے گیا۔ اس پر سُوادُ الوجہہ (فی الدارین) کی مثال صادق آتی ہے۔ میرے پیارے میں تمہارے سایہ (چھایہ) پر قربان ہو جاؤں۔

"سایہ" کو رحیم صاحب نے "عماء" کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

عماء یا تجلی واحد یا ذاتی جمیع اقسام تجلیات کی جامع ہے اُسی سے دوسری ساری تجلیات کسب نور کرتی ہیں جیسا کہ آفتاب میں ستاروں اور چاند کا حکم ہے۔ رحیم صاحب نے اسی بات کو بیان کرتے ہوئے خود اپنے آپ کو بھی "اعماء" کا ہی حصہ کہا ہے۔ اس کی وضاحت ایک طویل بحث کی مقتضی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے

آفتابہ روس کیا لو زون لیلہ روستے بنیا مجنوں
سوپور رحم "قوم سیاہ پوش" مجنونوتی وچھان توش ۵۳

آفتاب کے بغیر چاند بے قیمت ہے، لیلیٰ کے بغیر کوئی مجنون بن سکتا ہے؟ سوپور

......جوتمہارے عشق میں شہید ہو چکے ہیں اُن پر (ہجر کی تلوار کے) ضرب مت لگا۔
میرے معشوق مجھے اپنا دیدار دکھا۔
میں نے ''بادہ فروش'' کو ''سیاہ سُرمہ'' پیتے ہوئے دیکھا، وہ وہی ''سیاہ سُرمہ'' آنکھوں میں لگا کے نکلا۔اے میرے معشوق مجھے اپنا جلوہ دکھا۔
روشنای بھی ''سیاہ'' ہے اور ''موتی بھی سیاہ'' (اسی موتی کو پیس کر سیاہ روشنائی میں حل کیا گیا ہے) پھر ''سیاہی'' ہی سے اُس نے مجھے ''جلا اور چمک'' بخشی ہے۔
''بومبور[1]'' (بھونرا) بھی سیاہ ہے اور ''کول[2]'' بھی۔''سیاہ زلفوں'' کے نزدیک تیز ہوا پہنچ گئی (جس نے ان زلفوں کو بکھیر کے رکھ دیا) ''راج ہنس[3]'' تو (انہی منتشر شدہ زلفوں کے) ''سیاہ جال'' میں پھنس گیا۔
''رات'' بھی سیاہ ہے ''ظلمات'' بھی ''سیاہ ظلمات'' کی وضاحت کیسے کریں گے (اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور بذلتہ یہ کیا ہے؟ والضحیٰ اور واللیل کے مقامات پر غور و تدبر کے ساتھ توقف کر۔(پھر تم اس راز کو سمجھ سکو گے)۔
''سیاہ پوشوں'' میں داخل ہو جا وہاں دریا بھی ''سیاہ'' ہے اور مچھلیاں بھی، یہ سب اپنے سیاہ بدن کو سنوارے ہوئے ہیں۔میرے معشوق مجھے اپنا دیدار عطا کر (اس کا مطلب ہے اَللّٰھُمَّ اَرِنی حقائق الاشیاء کَماھِیَ. اپنے دیدار سے معرفت ذاتِ حق بھی مطلب ہو سکتا ہے) میں نے عرش پر ''سیاہ'' کرسی دیکھی، معشوق کی زُلفیں بھی ''سیاہ'' ہیں۔قَابَ قوسَیْنَ میں سیاہ خال (تِل۔نقطۂ سیاہ۔الاعماء) کے جلوے سے حظ اُٹھا۔
کعبہ میں جو پتھر ہے، وہ ''اسود'' ہے یعنی سیاہ۔قرآن کی آیات سیاہ (سیاہ روشنائی سے تحریر) ہیں اور کنز (کُنتُ کنزاً مَخفِیًا فاحبَبتُ اَنْ اُعرِفَ فَخلَقتُ الخلقَ) بھی پوشیدہ، تاریکی میں ہے، سیاہ ہے، لیکن اس سیاہی میں ''سبز دریا'' ہے۔
باغ بھی سیاہ ہے اور گل بھی سیاہ، یاسمن اور سنبل بھی سیاہ ہیں۔سیاہ عشق پیچان (اسکا بیج بالکل سیاہ ہوتا ہے) کی بیل عشق کے پیچ و تاب میں ''رسی'' کیساتھ ''بل کھا کھا کر'' لپٹ گئی۔

[1] خال، [2] ال، [3] ایک آبی پرندہ

گل چین بھی سیاہ ہے اور ''مَول'' بھی۔سیاہ زلفیں ''سیاہ بادل'' کے نیچے ہیں۔
اے میرے معشوق! تو ''سیاہ مار پیچان'' (زُلفوں) کو پردہ مت بنا، مجھے اپنا دیدار عطا کر۔
سیاہی (یعنی ظلمات) میں آبِ حیات ہے۔سیاہ نور کو ہی نورِ ذات کہتے ہیں۔اسی سیاہی میں روشنی اور نور بسا ہوا ہے۔میں ''سیاہی'' میں غرق حیرت ہو گیا ہوں۔اس سیاہ کاروبار سے میں کیسے نپٹ لوں گا؟ اسی کا نام سواد الوجہ پڑ گیا ہے۔اے میرے معشوق اپنا دیدار دکھا)

احمد بٹہ واُری

احمد بٹہ واُری براہِ راست کبروی سلسلہ سے تعلق رکھتا تھا۔اس نے کوئی ظاہری تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔وہ کشمیری صوفی شاعری میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے، اس کی شاعری میں مرتبۂ الاعماء کی تجلی کا بیان اس انداز میں ملتا ہے

درِ دِکِین بانکِمن خونِ دل چھ ژانکِمن   عاُرفن چھے ذات بزوِنٹھ گنہِ لولو
سیاہ پوش ژایِو چینہِ رکس بازرس   گاش لوّگ تِتہ پرزلِنہ لولو
سیاہ پوش دربارِکی احمد بٹہ واُرکی   در چینَن لوّگ پھیرِ ہنہِ لولو ۵۶

☆ (دردِ دل رکھنے والے موذن اپنے خونِ دل سے چراغ جلا کر اندھیروں کو روشن کرتے ہیں۔عارفوں کو ذات خداوندی اپنے سامنے نظر آتی ہے۔''سیاہ پوش'' چین (روشنی) کے بازار میں داخل ہوا، نور اور روشنی وہاں چمکنے لگی۔احمد بٹہ واری جو سیاہ پوش دربار کا ایک فرد ہے، چین (عالمِ نور) میں سیر کرنے لگا ہے۔

سیاہ پوش لیلیٰ عین لیلیٰ   پھوکہِ ژونگ زولُم پتھ رود کیا
سوتہ چھے مثالاہ وِکر تِتہ پھوان   بوزان کونہِ چھکھ یہ چھُ یکسان ۵۷

☆ (سیاہ پوش لیلیٰ عین لیلیٰ ہے، جب پھونک مار کر میں نے چراغ کو روشن کیا، تو پھر باقی کیا رہا (پھونک = نفخ، ژونگ = چراغ، انسان کا خاکی وجود، زولُم = روشن کیا) یہ مثال بھی حقیقت میں بے کار ہے۔تم سمجھ لو یہ تو ''یکسان'' (ملاپ) کی بات ہے)

●

سیاہ پوش عین شبرنگ چھُم گُوتھ ہوٗکار بے ۵۸

☆ (میرے ضُوکار میں "سیاہ پوش"، "شب رنگ" کی طرح چھپا ہوا ہے)

۱۔ فقیر لیلیٰ سیاہ پوش سَتت ساس جامہ بردوش
یتھ بے غم چھِ باہوش نوش کرِتھ میخانہ بے

۲۔ سیاہ پوش چھُم وجودی سفید پوش چھُم شہودی
سبز پوش زبد رُودی روبرو کائناتہ سے ۵۹

☆ (فقیر لیلیٰ سیاہ پوش ستر ہزار پردوں کے اندر ہے۔ وہ سارا میخانہ پیے ہوئے بے غم ہے۔ لیکن باہوش ہے)

☆ ("وجودی" سیاہ پوش ہیں اور شہودی سفید پوش، لیکن کائنات میں حیات جاوید "سبز پوشوں" کو حاصل ہے)

●

درسِر گنج راوان راوان بُچھتھ تراوان چھ اژدَرے
سیاہ بُانک سیاہ پوش چھاوان احمد بٹہ واُرکہ ان پَرَے ۶۰

☆ (کُحت کُحتزا کے راز میں انسان حیران و سرگردان ہے اس خزانے پر بیٹھا اژدہا ڈس لیتا ہے (یہاں عقل اور علم بے کار چیزیں ہیں) ان پڑھ احمد بٹہ واری "سیاہ باغ" کے "سیاہ" پھولوں سے حظ اُٹھاتا ہے)

●

نَیہِ منزٔ بڈٔنَے چھُم حیاتِچ نے تس سوا بٔیہٕ کانْھ نَے
سیاہ پوش ظلمات کَمہِ رنگہٕ رنگنے چھُم حیاتٔی حیاتس ۶۱

☆ (اس مرغزار (یا نیستاں) میں سب سے بڑی "نَے" حیات کی "نے" (نفیر۔ آواز، اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ہے۔ اُس (رب) کے سوا اور کوئی نہیں (نے۔ نہیں) ہے۔ سیاہ پوش ظلمات میں ہمیں کن رنگوں میں رنگ دیں گے، اسی میں میری حیاتِ جاوید مضمر ہے)

●

سیاہ نوٗرک رنگ دون حورن ستن مستورن
تمہِ چھے مُورتھ منے نِشہِ تُرٔ یُے شوبہ دِنٔ یُے چھکھ ۶۲

☆ (سیاہ نور سے رنگی ہوئی ہیں "دو حوریں" اور "سات مستوریں" لیکن میرے پاس یہ سب اپنے لباس کا بند اور تکمے کھولے ہوئے ہیں۔ (تو بہت ہی خوبصورت ہے۔ ٹیپ کا شعر ہے)۔

●

لسم شاہ غوری ؔ (بیج بہاڑا۔ کشمیر)

دہاب کھار کے ایک صاحب دل شاگرد اور تربیت پائے ہوئے مرید لسم شاہ غوری ویر (بجبہاڑہ) کے رہنے والے تھے۔ وہ بالکل اَن پڑھ تھے۔ سیاح تھے، اکثر سفر میں رہتے تھے۔ متاہل زندگی گزارتے تھے۔ خاکسار کے والد کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔ میں اُن کے فرزند ولی شاہ اور ولی شاہ کے فرزند عبدالجبار شاہ کو قریب سے جانتا ہوں۔ ان دونوں نے لسم شاہ کی درجنوں غزلیں زبانی روایت کی ہیں جنہیں میں نے قلمبند کر کے لسم شاہ کا کلیات ترتیب دیا ہے۔ لسم شاہ "الفقر فخری" کی تعلیم کا عملی نمونہ تھے۔ بہت اچھی غزلیں انہوں نے کہی ہیں۔ الاعماء کے لئے وہ سیاہی اور ظلمات کی علامتیں استعمال کرتے ہیں۔

سیاہ ظلمات تے سیاہ چھے رات — بن سکندر گوہ مُلک ظلمات
ظلماتہٕ اَندرے کیاہ چھِتھ آکھ — ناپاک کمہ تکہ سپدان پاک
تَمہِ گوھتھ ہاونے آبِ حیات — بن سکندر گوہ ملکِ ظلمات ۶۳

☆ (ظلمات اور رات، دونوں سیاہ ہیں، سکندر بن جا پھر ظلمات کے ملک کی سیر کر۔ ظلمات میں سے تم کیا دیکھ کے آئے ہو ناپاک کس چیز سے پاک ہو جاتا ہے، وہاں سے نکل کر، تمہیں "آبِ حیات" کا نظارہ دکھایا جائے گا، پہلے سکندر بن جا اور مُلکِ ظلمات کی سیر کر)

شمس فقیر کی طرح لسم شاہ بھی اپنے عمیق روحانی مشاہدہ کی بنیاد پر حالت الاعماء اور

ؔ بجبہاڑہ کے نزدیک ایک قریہ ہے۔

تجلی ذات کے شیونات ِظہور کو نہایت چابکدستی اور پُرکاری سے بیان کرتا ہے۔ اس غزل کے ٹیپ کے شعر میں وہ بار بار حیاتِ جاوید حاصل ہونے کی تمنا کرتا ہے

گٹہِ ژُج عالَمَن چانہِ نوُز انے — جانِ جانا نے زُوَن پاے ہاو
سیاہ عالم تَے سیاہ مکا نَے — سِیاہ جامن کرِتھ پأ ر او
سیأہی منز دزاو سبز جانا نَے — جانِ جانا نَے زُوَن پاے ہاو
سیاہ ظلماتس سیاہ چھی خانَے — اژھ پانہِ تمنۍ ڈیشکھ عیان
سیاہ چھے زمین تَے سیاہ اَسمانَے — جانِ جانا نَے زُوَن پاے ہاو ۶۴

☆ (تمہارے نور کے چمکنے سے تمام عالموں کو اندھیرے سے نجات مل گئی۔ اے جانِ جاناں حیات جاوید کے حاصل ہونے کا طریقہ بتاؤ۔

عالم بھی ''سیاہ'' ہے اور مکان بھی ''سیاہ'' سیاہ پوشاک کو سجائے ہوئے ہے۔ اسی ''سیاہی'' میں ''سبز جاناں[1]'' نکل آیا۔ اے جان جاناں، ! ہمیں حیاتِ دوام کا طریقہ سکھادے۔

''سیاہ ظلمات میں'' سیاہ'' مکان ہیں، جب تم داخل ہو جاؤ گے تو تم پر سب عیان ہوگا۔ زمین بھی ''سیاہ'' ہے اور آسمان بھی سیاہ ہے۔ اے جانِ جاناں ! ہمیں حیاتِ دوام کا راستہ سمجھادے)۔

عشقِنہ ڈرکہ یاوِتھاہ اوس دِنَے — سیاہ نُور پانَے گوآشکار
قطرس ملِتھِ ڈرکہ یاو تَنَے — بیَلہِ آوبنے اللہ نُور ۶۵

☆ (دریائے عشق میں ابھی ڈبکیاں نہیں لگائی گئیں تھیں، جب ''سیاہ نور'' خود آشکارا ہوگیا۔ اُسی وقت سے ''قطرے'' کے ساتھ ''دریا'' ملا ہوا ہے۔ جب ''اللہ نور'' کا آغاز ہوا ہے)

اور بھی لاتعداد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن اطناب وطوالت کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صوفی شعراء نے تنزلاتِ ستہ اور تصوف کے دیگر مقامات کا بیان

[1] ''سبز جاں'' ذاتِ لایزال

ذاتی تجربات کی بنیاد پر ہی اپنی شاعری میں کیا ہے لیکن صوفیانہ علامتوں کی تشریح اور مقاماتِ تصوف کی وضاحت حضرت امیر کبیرؒ نے ہی سب سے پہلے اپنے رسالوں اور تصنیفات کے ذریعہ کشمیر میں متعارف کی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی پیروی میں (بالواسطہ یا بلاواسطہ) کشمیری زبان کے صوفی شعراء نے انہی اصطلاحات اور مقامات کو برتا اور ان میں وسعت پیدا کی اور اُن کو مقامی ماحول کے مطابق بنایا۔ فی سوادِاللیل ولُبس الاسوَدْ'' کی پیروی کی متعدد مثالیں جو پیش کی گئیں، اِس ضمن میں شاہد عادل ہیں۔

●

اسناد وحوالہ جات

۱. ''وحدت الوجود'' بحر العلوم علامہ عبد العلی انصاری لکھنوی طبع اول جون ۱۹۷۱ء ندوۃ المصنفین دہلی۔ ص ۱۳۵ و ص ۱۳۶

۲. گلستان۔ سعدی شیرازی

۳. پوری حدیث شریف یوں ہے: الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الیٰ عیالہٖ الخلق عیال اللّٰہ احبھُم الی اللّٰہ انفعھم بعیالہٖ و ابغضھُم الی اللّٰہ اَذاھم بعَیالِہٖ (خلق عیال اللہ ہیں، پس خلایق میں خدا کے نزدیک محبوب تر وہ ہے جو اس کے عیالک ے ساتھ نیکوتر ہوگا، خلق......عیال خدا ہیں۔ اللہ کے نزدیک محبوب تر وہی ہے جو عیال اللہ کو زیادہ نفع پہنچائے اور مبغوض تر وہ شخص ہے جو اُن کو زیادہ تکلیف پہنچائے) (بحوالہ مثنوی مولانا رومی ص ۹۱۴ قاضی تلمذ حسین مرحوم)

۴. ''لل دید'' (کلام: مرتبہ جے ایل کول، ناشر کلچرل اکادمی سرینگر)

۵. ایضاً

۶. لل دید'' (کلام: مرتبہ جے ایل کول، ناشر کلچرل اکادمی سرینگر)

۷. ایضاً

۸. ایضاً

۹. ایضاً
۱۰. کلیات شیخ العالم (مرتبہ، ایم ایل ساقی۔ ناشر کلچرل اکادمی سرینگر)
۱۱. اَلْاِنسانُ الکامل (فی مَعرِفۃ الأواخروَالأوائل) شیخ عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی ص ۸۳، وص ۸۴ (اُردو)
۱۲. ''لل دید'' مرتبہ جے ایل کول، ناشر کلچرل اکادمی سرینگر
۱۳. کلیات شیخ العالمؒ (مرتبہ ساقیؔ، کلچرل اکادمی سرینگر۔ ص ۸۰
۱۴. ایضاً
۱۵. ایضاً
۱۶. ایضاً
۱۷. ایضاً
۱۸. کلام رحمان ڈار (ناشر غلام محمد نور محمد تاجران کتب سرینگر)
۱۹. صوفی شاعری (مرتبہ ساقیؔ، کلچرل اکادمی سرینگر)
۲۰. ایضاً
۲۱. ایضاً
۲۲. ایضاً
۲۳. ایضاً
۲۴. ایضاً
۲۵. ایضاً
۲۶. ایضاً
۲۷. ایضاً
۲۸. ایضاً
۲۹. ایضاً
۳۰. صوفی شاعری (مرتبہ ساقیؔ، کلچرل اکادمی سرینگر)

۳۱. ایضاً
۳۲. رسالہ: فی سوادالليل ولبُس الاسود قلمی (تصنیف حضرتِ امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ)
۳۳. ایضاً
۳۴. القرآن
۳۵. القرآن۔سورۃ القدر
۳۶. القرآن۔سورۃ المُزمل
۳۷. بحوالۂ مثنوی مولانا رومی (مرتب قاضی تلمذ حسینؒ) مطبوع حیدر آباد، دکن ۱۳۵۲ھ ص ۹۰۸ ترمذیؒ نے اپنی جامع کے باب افتراق ھذہ الأمۃ میں جو کہ ابواب العلم سے پہلا باب ہے، یہ حدیث (الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ) عبداللہؓ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ خلق خلقہ فی ظُلمۃٍ فالقیٰ عَلَیھِمُ من نورہٖ فمَنْ اصَابہ ذالک النور اھتدیٰ وَمَن اَخطاہ ضَلَّ۔
۳۸. بحوالۂ مثنوی مولانا رومی (مرتب قاضی تلمذ حسینؒ) ص ۹۰۷
۳۹. وحدت الوجود، علامہ عبدالعلی انصاری لکھنوی ص ۷۶، ۷۷
۴۰. حدیث قدسی
۴۱. الفرقان
۴۲. جامع ترمذی، حضرت امام ترمذی (بیان تفسیر ھود) و اسرار الطریقت از شاہ محمد غوث گوالیاری ص ۳۶، ۳۸، ص ۵۵، ۵۶
۴۳. الانسانُ الکامل (عبدالکریم الجیلیؒ) ص ۸۹
۴۴. ایضاً
۴۵. ایضاً تا
۴۶. ایضاً ص ۹۳
۴۷ و ۴۸. وحدت الوجود۔ علامہ عبدالعلی انصاری بحرالعلوم ص ۷۸ و ۷۹

۴۹. رسالۂ الحسنات، رامپور، مارچ ۱۸۹۱ء شمارہ ۱۵۴ص ۱۷
۵۰. صوفی شاعری۔ مرتبہ ساقی، کلچرل اکادمی سرینگر
۵۱. صوفی شاعری۔ مرتبہ ساقی، کلچرل اکادمی سرینگر
۵۲. ایضاً
۵۳. ایضاً ص ۱۸۰
۵۴. ایضاً
۵۵. ایضاً ص ۳۷۱،۳۷۲
۵۶. ایضاً
۵۷. ایضاً
۵۸. ایضاً
۵۹. ایضاً
۶۰. ایضاً
۶۱. ایضاً
۶۲. ایضاً
۶۳. کلیات لسم شاہ غوری۔ مرتب پروفیسر غلام محمد شاد
۶۴. ایضاً
۶۵. ایضاً

استنادِ ''اِجازت نامہ''

حضرت میر محمد ہمدانیؒ

حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کو رُشد و ہدایت کے کبروی سلسلہ میں مورخہ پندرہ رجب المرجب ۸۱۴ء کو بیعت کیا اور انہیں سلسلہ کے مخصوص اوراد وظائف کی تربیت کرتے ہوئے طالبان راہ حق اور مریدوں کو ارشاد و تربیت اور بیعت کرنے کا مجاز بنایا۔ حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے یہ اجازت نامہ چمڑے کی جھلی پر اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا اور اس پر اپنی مہر بھی ثبت کی ہے۔[1]

تقریباً گذشتہ دو دہائیوں سے یہ اجازت نامہ خواہ مخواہ کی بحث بحثی اور خیال آرائیوں کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ اس کی تاریخ تحریر اور یوم کے ساتھ ساتھ اس کی صحت استناد کے بارے میں چند حضرات نے مختلف قسم کے اعتراضات، شکوک اور شبہات پیدا کرکے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ بہت سے لوگوں کو مخمصے میں ڈال دیا۔ دراصل ان کو ''اجازت نامہ'' میں تحریر شدہ تاریخ اور یوم نے الجھن میں گرفتار کیا ہے۔ ان کے شکوک و شبہات مقامی اخبارات و رسائل کے علاوہ کتابوں اور مونوگرافس (۲) میں بھی چھپ چکے ہیں۔ ان کی بنیاد پر وہ حضرات اجازت نامہ کو جعلی اور ملاؤں کا خود ساختہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق اجازت نامہ میں مرقوم تاریخ اور دن میں تضاد محسوس کیا ہے۔ یہی ان کے دیگر شبہات کی بنیاد ہے۔

زیر بحث اجازت نامہ کو باضابطہ ثبوت و دلائل کے ساتھ صد فی صد درست اور

معتبر ثابت کرنے اور اس میں مرقوم تاریخ اور یوم کی آپس میں مطابقت کے بارے میں تمام شبہات اور اعتراضات کو دور کرنے سے پہلے چند گذارشات پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱. کسی بھی سلسلہ طریقت میں بیعت حاصل کرنے اور ضروری تربیت وہدایات پانے کے بعد طالب وسالک کو اجازت نامہ یا خلافت نامہ یا خرقہ عطا کیا جانا اہم بنیادی ضابطہ مانا جاتا ہے۔ اسی اجازت نامہ کی رو سے طالب وسالک مسند ارشاد وہدایت پر متمکن ہونے کا مجاز اور اہل بنتا ہے۔ اگر طالب اس کے لوازمات پورا کرنے میں مسلسل طور پر تساہل یا غفلت کرے یا منکرات میں مبتلا ہوجائے تو مرشد (چاہے ظاہری طور پر دنیا میں نہ ہو یعنی وفات پاچکا ہو) اجازت نامہ کو کالعدم اور بیعت کو فسخ بھی کرسکتا ہے۔

۲. کبھی کوئی مرشد اپنی صوابدید اور قلبی رجحان کی بنیاد پر کسی دوسرے سلسلہ طریقت سے منسلک شخص کو اپنے سلسلے میں بھی بیعت کرتا ہے اور اسے صاحب ارشاد بھی بناتا ہے۔ چاہے وہ شخص اپنے سلسلے میں بھی مجاز اور صاحب ارشاد ہو۔

۳. کوئی صاحب اگر ریاضت شاقہ کررہا ہو اور بے انتہا زہد وورع کی زندگی گذار رہا ہو وہ صاحب کسی سلسلہ کے مجاز ومرشد سے بیعت ہوئے بغیر کسی بھی صورت میں دوسروں کے لئے صاحب ارشاد وتربیت اور مجاز نہیں بن سکتا ہے۔ یہ روحانی سلطنت کا دستور ہے جس میں کسی فرد یا گروہ کو ترمیم کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ عالم اسرار میں منطق یا فلسفیانہ چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ صاحب ارشاد ومجاز بننا کسب وہنر نہیں ہے۔ یہ مقام نہ زور سے اور نہ ہی زر سے حاصل ہوتا ہے ؎

این سعادت بزور باز و نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ (ص ۳)

اور خدائے بخشندہ نے اس سعادت کے حصول کے لئے اسباب اور وسائل پیدا کئے ہیں، اُمتِ آخر الزّمان کے لئے یہ وسیلہ صرف ذات بابرکات ختم المرسلین والانبیاء یعنی

جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، اسی لئے روحانی طور پر رشد وہدایت پانے کے لئے کسی صاحب نظر مرشد کی خدمتِ فیض پناہ میں سائل وشاگرد بننا ضروری ہے۔ ان کے قبول کرنے کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے۔ یہ سُنّتِ ہادیٔ برحق ﷺ ہے اور آج تک برابر جاری ہے۔

۴. سلسلہ ہائے تصوف وطریقت کا آپس میں نہ کوئی بنیادی اختلاف ہے نہ ایک دوسرے سے کسی بھی قسم کا تضاد اور مُخاصمت ہے، ان کے متعلقہ اذکار واشغال اور اوراد ووظائف کے طریق کار میں معمولی فرق تو ہے۔ لیکن قواعد وضوابط اور دستور طریقت کی پابندی کے لئے کسی سلسلہ سے منسلک اور پیوست ہونا لازمی امر ہے۔ اس کے بغیر روحانیت کا گنبد بے در نہیں کھلتا ہے۔

۵. ایک ہی شخص کئی سلسلوں میں بیعت ہوسکتا ہے اور ان کے مختلف اذکار ووظائف میں تربیت پا کے مجاز وصاحب ارشاد بھی ہوسکتا ہے۔ اس بات میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ یہ بھی صاحب نظر مرشدوں کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ خواہشمند شخص کو اپنے سلسلہ میں بیعت کریں یا نہ کریں۔

۶. کشمیر میں اسلام کی ترویج واشاعت کے بعد مقامی طور پر سلسلہ ریاضت کشی یا طریقت رائج ہوا۔ اس کے باقاعدہ بانی مبانی حضرت نورالدین ریشی تھے۔ حضرت امیر کبیرؒ کے وُرودِ مسعود سے قبل وجود میں آئے ہوئے تازہ نومسلم سماج پر سابقہ مذاہب ان کے رسم ورواج، اعتقادات وتوہّمات اور رہبانیت کی قدر ومنزلت کی روایت کا زبردست اثر تھا، بالکل ابتدائی دور اور خود حضرت شیخؒ کی جوانی کے دور تک کی ریشیت بھی ان اثرات سے آزاد نہیں ہو پائی تھی۔ اس کی شہادت بھی کلام حضرت شیخ میں موجود ہے۔

ریشیت میں جو بھی اصلاح ہوئی وہ حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی ہدایات اور ایما پر خود حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ نے انجام دی، تاریخی حقائق کو مسترد یا مسخ نہیں کیا جاسکتا ہے، نہ خوش اعتقادی اور نہ ہی بداعتقادی کی بنیاد پر۔ حضرت شیخ کا کلام خود اسبات

کی شہادت سے مملو ہے کہ ان کے کبروی سلسلہ طریقت میں بیعت ہونے سے پہلے جیسی اور جو کچھ بھی ریشیت تھی اس میں غالب پہلو ''رہبانیت'' اور طریقہ برہمناں کا ہی تھا جس کو کبروی سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد حضرت شیخ نے (واہی ساخت) ختم کیا۔

۷. زیر بحث اجازت نامہ اپنے وقت کی دو اہم ترین مقدس روحانی اور مذہبی شخصیتوں یعنی حضرت میر محمد ہمدانیؒ اور حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ سے متعلق ہے۔ ان میں سے کسی بھی ایک کے بارے میں ایسا خیال وگمان دل ودماغ میں نہیں لایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی کوئی غرض پورا کرنے کے لئے دوسرے پر افترا باندھا ہے۔ جب کہ دستاویز صرف روحانی اور خالص دینی معاملے سے متعلق ہے۔

۸. غیر کشمیری علماء ومبلّغین اور مقامی ریشیوں میں باہمی رقابت، دشمنی، حسد، یا مخاصمت کا ہوا کھڑا کرنا یا تو متعلقہ دور کی تاریخ اور اس کے بنیادی مآخذ سے بالکل ناواقفیت یا سہل انگاری کی وجہ سے اغماض از حقائق یا سرے سے نیّات میں گڑبڑ پر مبنی ہے۔ حضرت شیخ نورالدینؒ نے اپنے کلام میں نفس پرست اور جاہ طلب ملاؤں کو ہدف طنز وملامت ضرور بنایا ہے۔ لیکن اس کو بلا ثبوت وشہادت کے غیر کشمیری مبلّغین اور علما پر چسپاں شدہ فرض کر لینا نہ صرف غلط ہے بلکہ صریح بددیانتی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی زیر نظر رہنی چاہئے کہ حضرت شیخؒ کے ابتدائی اور جوانی کے دور میں ریشیوں کی تعداد کشمیر میں کتنی رہی ہوگی۔ ہمارے پاس جتنے بھی تاریخی شواہد ہیں ان کے مطابق اس دور میں انکی بہت ہی قلیل تعداد ملتی ہے ایک صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ غیر ملکی علماء ومبلّغین کشمیر ہجرت کر کے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا ہے کہ انہیں اپنے وطن میں کس قسم کا اقتدار حاصل تھا، جو انہوں نے کھویا تھا۔ اگر وہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے مقتدر اور ممتاز تھے۔ تو ایسی دولت رکھنے والے کہیں پر بھی اسے نہیں کھوتے ہیں۔ حضرت شیخ کو ایسے لوگوں کے ساتھ اختلافات کیوں کر ہو سکتے تھے۔ جن کی بدولت انکا اپنا خاندان کفر وشرک کی ظلمت سے نجات

پا کے اسلام کے نور سے روشن ہوا۔

۹. حضرت محمد ہمدانی کی کشمیر سے واپسی کے بعد کشمیر کے سیاسی حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے لئے سرکاری سرپرستی میں بھی بتدریج کمی واقع ہونے لگی جس کی کئی وجوہات ہیں۔ اس دوران میں نومسلم برہمنوں نے اپنی سابقہ عادت کی وجہ سے غیر برہمن نومسلمانوں کا مذہبی استحصال شروع کیا تھا، غیر ملکی مبلغین بھی اکثر تعداد میں واپس جا چکے تھے، غیر مسلموں نے بھی سرکار کی نرم اور حد سے زیادہ روادارانہ پالیسی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے روایتی طور طریقوں سے اپنے آپ کو بڑے بڑے ایسے مناصب پر پہنچایا۔ جہاں پر رہ کر ان لوگوں کی کردار کشی آسانی سے کی جاسکتی تھی جنہوں نے کشمیر میں اسلام کے ہمہ گیر فروغ اور پھیلاؤ کے لئے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

اس کی مثال کیلئے سلطان زین العابدین کے درباری مؤرخ جونراج کا نام لینا ہی کافی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کی عمر کے آخری سالوں میں نفس پرست اور جاہ طلب مُلّا ضرور پیدا ہوئے ہوں گے جن میں کثیر تعداد معمولی پڑھے لکھے نومسلم برہمن مُلّاؤں کی تھی۔ علم وفضل اور عرفان وتقویٰ ان میں غیر ملکی عُلماء ومُبلّغین کا جیسا تو نہیں تھا لیکن ظاہرداری اور رکھ رکھاؤ ویسا ہی اپنا کے یہ لوگ عوام کے استحصال میں لگ گئے۔ حضرت شیخ نے ایسے ہی لوگوں کو طنز وتعریض کا ہدف بنایا۔

۱۰. حضرت میر محمد ہمدانی نے کشمیر میں کتنے عرصہ تک قیام فرمایا اس بارے میں ایسی کوئی واضح شہادت نہیں ملتی ہے۔ جس کی تائید قریبُ العصر یا بعیدُ العصر مورخوں میں سے ایک یا دو، یا زیادہ اصحاب نے کی ہو۔ ایک شخص سید علی (ماگرے؟) اپنے تاریخچہ میں حضرت میر محمد ہمدانی کے کشمیر میں قیام کا عرصہ بارہ سال لکھتا ہے۔ اس کے لئے وہ کوئی سند یا حوالہ نہیں دیتا ہے۔ جبکہ وہ حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے کشمیر سے واپس جانے کے تقریباً ایک سو بارہ ۱۱۲ (بقول دیگر ۱۱۸) سال بعد پیدا ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس

کے سارے بیانات ذاتی مشاہدے پر مبنی نہیں ہیں۔ اس کی تاریخ کا اصلی نسخہ تو
معدوم ہے جو نقل در نقل شدہ مسودہ ریاستی شعبۂ تحقیقات و اشاعت کی لائبریری میں
ہے وہ ناقص الاول ہے۔ اس میں مرزا حیدر دوغلت کے عہد کا تفصیلی حال ملتا ہے
کیوں کہ مصنف کا باپ اس کی ملازمت میں تھا۔ اس کے برعکس ابتدائی دور کے
بارے میں اس کے فراہم کردہ اطلاعات کسی حد تک تو کارآمد ہیں مگر ان پر اطمینان
کے ساتھ اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے خصوصاً جبکہ ''سنین اور اہم مقامات کے معلومات
کے لحاظ سے یہ ''کتاب'' زیادہ اہم نہیں ہے اس کے برعکس حضرت میر محمد ہمدانی کے
تحریر کردہ وقف ناموں کے علاوہ خصوصی طور پر ان کا ''اجازت نامہ'' سن، تاریخ، یوم
اور تحریر شدہ متن کے مبنی بر حقیقت ہونے کی وجہ سے بالکل مستند اور معتبر ہے۔ انہیں
وجوہات کی بنیاد پر سید علی کے اس بیان کو کہ ''حضرت میر محمد ہمدانی کا قیام کشمیر بارہ
سال رہا'' مستند نہیں مانا جائے گا۔ کیوں کہ وہ اسبات کا اکیلا راوی ہے اور اس کی
روایت بھی محض سنی سنائی ہے تاریخی نہیں ہے۔ حضرت میر محمد ہمدانی کے کشمیر میں
''بارہ سال'' کے قیام پر مُصر لوگوں کے پاس ضد اور ہٹ دھرمی کے علاوہ کوئی مستند
تاریخی جواز نہیں ہے۔ اور اس سے انکار صرف یہی مقصد ہے کہ ''اجازت نامہ'' کو
غلط ثابت کیا جاسکے۔ حضرت میر محمد ہمدانی نے اپنے کشمیر کے قیام کے دوران جو
جو کارنامے شروع کئے ان سب کو پایۂ تکمیل تک بھی پہونچایا۔ خصوصاً ان کے تعمیری
کارنامے جن میں سرینگر کی جامع مسجد اور خانقاہ معلیٰ کے علاوہ درگجن، سرینگر، ترال،
وچی، بج بہارا، شاوَرہ، سوپور اور پانپور میں خانقاہوں کی تعمیر بھی شامل ہے۔ ان کیلئے
ضروری سامان اور رقومات کی بہم رسانی کے ساتھ ساتھ ان کی تعمیر کی نگرانی کرنا ایک
طویل المیعاد کام تھا۔ ان کاموں کے علاوہ ان کی تدریسی، تربیتی کام اور مختلف
علاقوں میں تبلیغی دورے اور تصنیف و تالیف کی مصروفیات بھی کچھ کم نہ تھیں۔ ظاہر
ہے کہ بارہ سال کے مختصر وقفے میں اتنی عظیم الشان خانقاہیں، مدارس اور مساجد تعمیر
و مکمل نہیں کی جاسکتی تھیں مُستزاد، یہ کہ دین اللہ میں افواجا کی صورت میں داخل ہونے

والے مسلمانوں کے لئے انہوں نے عریض و طویل قطعہ ہائے زمین کو بھی اپنے ذاتی
سرمایہ سے خرید کر عیدگاہوں اور مزارات کا انتظام بھی کیا۔ یہ تمام عظیم منصوبے ایک
اچھے خاصے طویل وقت ہی میں پایہ تکمیل تک پہنچائے جاسکتے تھے۔ انہی معقول
اور مضبوط وجوہات کو مدنظر رکھ کر کشمیر میں ان کے قیام کا وقفہ اٹھارہ سال سے کم قرار
نہیں دیا جاسکتا ہے۔

حضرت امیر کبیرؒ کے بعد ان کے فرزند میر محمدؒ کی سرکردگی میں مُبلّغین اور علماء نے
اس عرصہ میں مختلف محاذوں پر کام کر کے جس منظم طریقہ پر کشمیر میں اسلام کی ہمہ گیر
اشاعت کر کے اسے آبادی کی اکثریت کا مذہب بنانے کی مُحیّر العقول کرامت انجام
دی اس سے استحصالی عناصر بھونچکارہ گئے تھے اور ان کی پریشانی میں ہولناک اضافہ
ہوا تھا کیونکہ جس آبادی پر انہوں نے اپنا مذہبی اجارہ قدیم زمانوں سے مسلط کیا تھا
جس کے تحت وہ نہ صرف انکا مذہبی بلکہ خصوصی طور پر اقتصادی استحصال کرتے آئے
تھے۔ ان کے دائرہ اسلام میں آنے کی وجہ سے ان برہمنوں کی روزی روٹی بھی چھن
گئی اور مذہبی اجارہ داری کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی اثر ورسوخ بھی ختم ہوا۔ وہ
اپنی سراسیمگی کا مداوا سوچ ہی رہے تھے جب مسلمان بادشاہ کا ہندو وزیر اعظم[1] سہہ دیو
حضرت میر محمد ہمدانی کی زیارت کرتے ہی دائرہ اسلام میں آگیا سہہ دیو کا سیف
الدین بننا ان کی مزید فکر و تشویش کا نہایت ہی المناک باعث بن گیا۔ اب وہ اپنی
روایتی چالاکیوں اور خوشامد سے بادشاہ کو اپنی گرفت میں نہیں رکھ سکتے تھے کیونکہ ان
کی لنکا اب انکے گھر کے بھیدی نے ہی ڈھائی تھی۔۱۳

۱۱. حضرت شیخ نورالدینؒ کی ابتدائی نگرانی و تربیت حضرت امیر کبیر نے حضرت سید حسین
سمنانیؒ کے سپرد کی تھی جو وہ احسن طریقہ سے انجام دیتے رہے۔ لیکن بنیادی طور پر
حضرت امیر کبیر نے ہی انکی تربیت فرمائی تھی اور وہ روحانی طور پر یہ تربیت پاتے
رہے۔ اسی لئے انہوں نے عمر کے آخری حصے میں بھی حضرت امیر کبیرؒ کو ہمیشہ ہی یاد

۱ اس کا اصلی ہندو نام سہہ دیو تھا۔

رکھا اور کہا ۔

ننده ریشی عرض کوّر شاہ ہمدانس
بخٹس نیزبم پانس سکر

(نندہ ریشی نے عرض کی شاہمدانؒ سے (یا حضرت) جنت کو مجھے اپنے ساتھ لیجایئے گا)

حضرت شیخ نورالدین ریشی نہایت ہی مرتاض ومتقی زاہد وعابد تھے جس کی شہادت ''اجازت نامہ'' بھی واضح طور پر فراہم کرتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انہیں کسی باکمال مرشد کی طرف سے کوئی وثیقۂ خلافت یا اجازت نامہ نہیں ملا تھا جو سلطنت معنوی کے ضابطوں کے تحت اقلیم عرفان وسلوک کے سالکوں کے لئے اولین ضابطہ لازمی ہے۔ عہد طفولیت ہی سے وہ حضرت امیر کبیرؒ کی مسلسل روحانی نگرانی میں رہے۔ ظاہری تربیت کے بہت سے مراحل انہوں نے حضرت سید حسین سمنانی کے ذریعہ طے کئے۔ لیکن ان کی تربیت کی تکمیل باقی تھی، حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کی اس ساری روحانی تربیت کی تکمیل اگر حضرت میر محمد ہمدانی کی بابرکت خدمت میں پہونچ کر ہوگئی تو اس میں حضرت شیخ کی کسر شان، سبکی یا توہین کی کونسی وجہ نظر آتی ہے۔ یہ سنت محمدی ہے۔ اسی تربیت سے ابوبکر ''صدیق اکبر'' اور عمر فاروق اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بن گئے اور پھر صحابہ کے بعد تمام عارفین علمائے حق اور اولیائے کرامؒ روحانی تعلیم وتربیت کے ایسے ہی مراحل سے گذر کر ہی صاحب ارشاد ومجاز بن گئے۔ حضرت شیخ خود حضرت میر محمد ہمدانی سے مسلسل منت سماجت کے ساتھ گذارش کرتے تھے کہ انہیں سلسلۂ کُبروی میں بیعت کیا جائے۔۱۵۔ ان کی گذارش قبول فرما کے انہوں نے حضرت شیخ کو اپنے سلسلۂ عالیۂ کُبرویہ میں داخل فرمایا ان سے بیعت لی۔ اوراد ووظائف کی تعلیم فرمائی، پھر ان کو اپنے مریدوں اور خواہشمندوں سے بیعت لینے، انہیں تربیت وارشاد کرنے وراس قبیل کے تمام امورات انجام دینے کی اجازت تحریری طور پر عطا فرمائی۔ سلوک ومعرفت کی سلطنت کے دائمی شہنشاہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک سُنّت اوّل روز نبوّت ہی سے جاری ورائج ہے اور ضابطۂ

لازمی اور ہمیشہ جاری رہے گی۔

حضرت میر محمد ہمدانی کے کشمیر میں مدت قیام کو صرف سید علی ''بارہ سال'' معدود کرتا ہے۔ جو لوگ اسے (محض تغلیط اجازت نامہ کے لئے) درست مانتے ہیں وہ سید علی کے دیگر بیانات سے اغماض کیوں برت لیتے ہیں۔ سید علی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ حضرت میر محمد ہمدانی کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کے باقاعدہ طور پر ان کے مرید ہوئے۔ ان کو مرید کرنے کے بعد سید علی کی شہادت کے مطابق حضرت ہمدانی نے فرمایا:۔

''حضرت سید بہ حاضران مجلس فرمودہ کہ مرتبہ شیخ نزدیک است بہ مرتبہ اولیاء اکمل در ریاضتی کہ شیخ کشید ہیچ کس نمی تواند کشید۔۱۷''

اسی موقعہ پر حضرت میر محمد ہمدانی کے سوال پر کہ آپ کے فیض سے آج تک کتنے شخص فیضیاب ہو چکے ہیں تو حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ''چار'' شخص یعنی بابا بام دین، بابا زین الدین، بابا لطیف الدین اور بابا نصر الدین۔

''حاجی بابا ادہمی آورده است در تصنیف خود کہ حضرت میر شیخ را امتحان کرده کہ در باب حلقۂ کوزۂ شیر گاو عنایت فرموده اند، امابدانیم کہ شیخ بہ مقام انکسار راه طے کرده۔ آخر معلوم شد کہ بکمال رسیده بود، حضرت شیخ را فرمود ''تا ایں غایت از شما ہیچ یکی فیضی بر داشتہ؟'' حضرت شیخ بہ عرض رسانیده ''یا حضرت چہار کس در عبادت حق در طریق اسلام در آمده حتی المقدور ریاضتی می کنند اول بابا بام الدین، دوّم بابا زین الدین، سوم بابا عبداللطیف، چہارم بابا نصر الدین'' حضرت سید (میر محمد) آں ہر چہار کس را دید وہمہ مرتاض وصاحب کرامات بوده اند'' (سید علی در تاریخ سید علی بحوالہ بابا ادہمی)۱۸

یہی ساری باتیں زیر بحث اجازت نامہ میں بھی تحریر ہوئی ہیں کہ حضرت شیخ نے خود حضرت میر محمد سے گذارش کی کہ انہیں سلسلۂ عالیہ کبرویہ میں داخل کر کے باضابطہ طور پر بیعت میں لیا جائے۔ معترضین کے تمام شکوک وشبہات بالکل بے بنیاد اور نرے مفروضات ہیں ان کی تفصیلی تردید وتغلیط باعث طوالت ہوگی اس لئے تمام محولہ بالا حقائق کی تائید کے

لئے میں ترجمہ کے ساتھ اجازت نامہ کو پیش کرنا مناسب خیال کرتا ہوں تاکہ میرے محترم دوست اس مقدس دستاویز کی عبارت میں مضمر معانیوں اور حقائق کو ملاحظہ کریں اور ان پر غور وفکر کرکے واقفیت کے ساتھ نتائج اخذ فرمائیں۔

وَاَعلَمْ اَنَّ البَيعَةُ مِن سُنَنِ الأنبيَاءِ عَلَيهِمُ السَّلام وَمِنَ الْخلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ المَهْدِيّينَ وَهِىَ بَاقِ اِلٰى يَوْمِ القِيامَةِ بَلاتَكِيْرِ فَلا يَجُوزُلَاحُدٍ مِنَ الاَولِيَاءِ وَالعُلَمَاءِ اِدّعاءُ الخِلاَفِةِ بلاالرُّخصَةِ وَالبَيْعَةِ باختِيَارِهِ اِلاّآن يَكُونَ لَهُ الرُّخصَةُ مِنَ الشَّيخِ العَامِلِ الْكَامِلِ اِلٰى نَبِيّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

بسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيُم.

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَنَاوَسَائِرالعُبّٰادِبِاتِباع طَرِيقِ الهُدٰى وَحَفَظنَاوَجَمِيعِ الاَخيَارِالابَرارِمِن اِقتِدَاءِ اَهْلِ البِدَعِ وَالْهَوىٰ وَبَلَّغنَا وَطَوائِفِ المُخلِصِيْنَ المُحِبّينَ اِلٰى اَقْصَى المَرَاتِبِ هِىَ الْمُعَرِفَةُ الكُبْرىٰ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَنَبِيَّهٖ وَصَفِيّهٖ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى آلِهٖ الَّذِيْنَ مُحَبَّتهُم وَسِيلَةٌ لِلسَّعَادةِ العُظمىٰ وَالدَّوْلَةِ الاَعْلىٰ. وَاَصْحَابه الَّذِىْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِم اِقْتَدَيْنَا اِهتَدَيْنَا.فَيَقُوْلُ العَبْدُالضَعِيْفُ النَّحِيْفُ الجَانِى كَثِيْرُالتَّقْصِيْر وَالتَّوانِى مُحَمَّد بن عَلِى بِنْ شَهابُ الدِّيْنِ الهَمَدانِى عَفَى اللّٰهُ عَنْهُ بِالفَيْضِ الصَّمدَانِى. اِعْلَمْ اَنَّ المَقصُودَ مِنْ خِلقَةِ الِانسان مُعَرِفَةُ اللّٰهِ تَعَالىٰ سُبْحَانَهٗ كَمَا يَشْهَدُبَعْضُ الآياتِ الْكَرِيمَةِ وَالاَحَادِيثِ القُدْسِيَةِ وَالاَخْبَارِالشَّرِيْفَةِ وَالآثارِاللَّطِيفَةِ. قَالُواجِبُ عَلٰى كُلِّ فَردٍ مِن اَفرادِ الِانْسَانِ اَنْ يَسْعٰى لِمَا خُلِقَ لَهُ وَالطُرقَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ مِمَّا لاَ تُعَدُّوَلاَ تُحْصىٰ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ افْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَكْمَلُ التحِيّاتِ. اَلطُّرُقُ اِلٰى اللّٰهِ تَعَالىٰ بِعَدَدِ اِنفَاسِ الخَلاَيِقِ وَمَن اَقربَهَاطَرِيقُ الْعَلِيَّةِ

العَالِيَةِ الشَّرِيُفَةِ الْكُبرَوِيَّةِ الهَمَدَانِيَّةِ الحُسنِيَّةِ المَذْهَبِيَّةِ الَّذى دَلَّ عَلَىٰ وَالِدِىْ عَلٰى الهَمَدَانى قُدِسَ اللّٰهِ سِرُّهُ السُّبحَانِى كَمَادَلَّ وَهَدىٰ عَلَيْهِ الْمَشَائِخُ الَّذِىْ اجَازُوْهُ بِالِارشَادِ وَهُمْ ثَلٰثَةُ وَثَلٰثُوْنَ. كُلُّ هُمْ مِن اَكابِرِهِمْ.

وَبَعْدُفَاِنَّ الاَخ الصَّالِحِ العَارِفَ الكَاشِفَ الْمُجَاهِدَ الْمُشَاهِدَ الْمُسَمّٰى بِنُوْرِالَّدِين رِيْشِىُ الْكَشِمُيرِى الزَّاهِدِالْعَابِد اصَلَحَهُ اللّٰهُ كَمَا اَصلَحَ الصَّالِحِيْنَ العَارِفِيْنَ وَاَحْسَنَهُ اللّٰهُ كَمَا اَحْسَنَ الوَاصِلِيْنِ الْكَامِلِيْنَ.فَلَمَا جَاوَزَ عَن حَدِّ الاِلْحَاحِ وَعَجزَ كَثِيْرًابِلِسَانِهٖ اَن يَّدْخُلَ فِى السِلْسِلَةِ الْعَاشِقِيْنَ الْكَامِلِيْنَ الْمُكَمِّلِيْنَ كَمَااَدْخِلَ اُسوَةٌ جَمَاهِيرِالْمُبتَدِعِيْنَ وَالْمُنْتَهِيْنَ.فَاَجزْتُهٗ بِتَوْبَةِ الْمُرِيْدِيْنَ وَبَيْعَتِهِمْ تَرغيبِ الطَّالِبِيْنَ السَّالِكِيْنَ وَتَرْبِيْتِهِمْ وَتَعْلِيْمِ الاذَكَارِكَارْبَعِ الضَّرُوْبِ لِتَصْقِيْلِ الْقَلْبِ عَنْ كَدُوْرَاتِ الْمَكَائِدِ وَالكُرُوْبِ وَاَخذِالنُّذُوْرَاتِ وَالْفُتُوحَاتِ وَجَلُوْسِ الْخَلواتِ الدَّائِمِ كَالْاَرْبَعِيْنَاتِ الْقَائِمِ وَالسَّائِرِمَايَجبُ وَيَستَحِبُّ فِى هٰذا الطَّرِيقِ العَالِيَةِ السَّادَاتِ.وَسِيلَهُ اَن لاَيَنْسَانِى فِىْ الاَوْقَاتِ وَالشَّرِيْفَةِ الْمَرُ جُوَّةَ بِالدَّعواتِ بَعْدَ الْاَقْوَالِ وَالْاَشغَالِ.

قَدْ حَرَّرتُ هٰذَا فِى لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ خَامِسَ عَشَرَمِن شَهْرِ رَجَبِ الْمُرجَّب. سَنَةَ اَرْبَعَ عَشَرَوَثَمَانَ مِائةٍ فِى بَلَدَةِ الْكَشْمِيْر صَانَهَا اللّٰهُ تَعَالىٰ مَعَ سُكَّانِهَاعَنِ الْآفاتِ وَالتَّدمِيْر .

(مُهر) مُحَمَّد هَمَدانى: ۱۹

ترجمہ: تو جان لے کہ بیشک بیعت انبیاء علیہم السلام اور خلفاء الرّاشدین المہدیین کی سُنّت سے ہے اور یہ سُنّت قیامت تک بلاتغیّر باقی رہے گی۔ اس لئے اولیاء اور علماء میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے بلا اجازت بیعت، خلافت کا

(یعنی صاحب ارشاد اور مجاز ہونے کا) دعویٰ کرے۔ جب تک کہ اُسے ایک ایسے پیر کامل سے اجازت نہ ہو جو (بذات خود بھی) حقیقی معنوں میں ایک ایسے مرشد سے اذن اور اجازت پاچکا ہو جس کا سلسلہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل رہا ہو [1]

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

حمد و ثنا و شکر اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں اور سارے (نیک) بندوں کو راہ ہدایت کی پیروی کی توفیق بخشی۔ اور ہمیں اور تمام اخیار و ابرار (لغوی معنی نیک لوگ) کو نفس پرست بدعتیوں سے محفوظ رکھا۔ اور ہمیں اور مخلص مُحِبّوں کے گروہوں کو (روحانی) مراتب کی اس انتہاء پر پہونچائے جسے معرفۃ الکبریٰ کہتے ہیں۔ درود و سلام ہو اُس کے رسول، نبی اور صفی (یعنی) محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور ان کی اولاد پر جن سے محبت رکھنا سعادت عظمیٰ اور بڑی (روحانی) حکومت (پانے کے لئے) وسیلہ ہے۔ اور اُن کے اصحابؓ پر جو ستاروں کے مانند روشن ہیں جن کی پیروی سے ہم ہدایت پاچکے ہیں۔

پس بندہ ضعیف و نحیف خطا کار و پُر تقصیر محمد بن علی بن شہاب الدین ہمدانی (خدا اُس پر فیض صمدانی سے عفو فرمائے) کہتا ہے کہ جان لے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد خدائے پاک کی معرفت ہے جیسا کہ بعض آیات کریمہ، احادیث قدسیہ، روایات شریفہ اور پاکیزہ آثار شہادت دیتے ہیں۔ اس لئے افرادِ انسانی میں سے ہر فرد کیلئے لازم ہے کہ وہ اس مقصد (حصول معرفت رب) کیلئے جدوجہد کرے جس کیلئے اسے پیدا کیا گیا۔ اور چونکہ خدا کی طرف جانے والی راہیں لاتعداد اور بے شمار ہیں جیسا کہ آں حضرت علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے فرمایا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے رستے مخلوقات کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہے'' اور ان میں سے قریب ترین طریقہ علیہ عالیہ شریفہ کبرویہ ہمدانیہ حُسینیہ مَسلک ہے جسکی رہبری مجھے میرے والد علی ہمدانی قدس اللہ سرہ

[1] مطلب روحانی سلسلہ سے ہے، نَسبی سلسلہ سے نہیں۔ کیونکہ آں حضورؐ کی کوئی اولادِ نرینہ زندہ نہیں رہی، اس لئے اُنؐ کا کوئی نَسبی طور پر نہ تو جانشین تھا نہ ہی وارث۔ سلسلہ نسب تو اولاد ذکور سے قائم رہتا ہے۔ اولادِ اُناث سے نہیں۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ قانون ہے۔ جو بنات نبیؐ سے رشتہ داری کی وجہ سے روحانی ٹھیکیداری اور امامت وسیادت کے مُدّعی ہیں وہ اپنے آپ اور دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں۔

سبحانی نے کی، جیساکہ اس راہ پر اُنکی رہنمائی اُن مشائخ نے کی جنہوں نے ان کو ارشاد وتربیت کرنیکی اجازت بخشی جنکی تعداد تینتیس (۳۳) ہے جو سب اکابرین میں سے ہیں۔

اس کے بعد (یہ جان لے) کہ برادر صالح، عارف وصاحب کشف ومجاہدہ مسمیٰ نور الدین ریشی کشمیری جو زاہد و عابد بھی ہیں خدا ان کی اصلاح کرے جیسے اس نے صالحوں اور عارفوں کی اصلاح کی ہے اور اللہ انہیں نیکو کاری میں ایسے ممتاز کرے جیسے اس نے واصلین کاملین کو کیا ہے۔

پس انہوں نے (حضرت شیخ) نے عجز و نیاز کی حدود سے آگے بڑھ کر زبان حال سے گذارش کی کہ وہ سلسلہ کامل المکملین عاشقوں کے سلسلہ (سلسلہ کبروی) میں داخل ہو جائیں جس طرح اقتداء کرنے والے تمام مبتدی اور علم معرفت کی انتہا پر پہونچنے والے داخل ہو چکے ہیں۔ پس میں نے ان کو اجازت دی کہ وہ ارادت مندوں کو توبہ کرائیں اور ان سے بیعت لیں۔ اور طالبوں اور سالکوں کو راہِ ہدایت پر چلنے کی ترغیب دیں اور انہیں ترتیب دیں اور اذکار کی تعلیم کریں جیسے ذکر چارضرب (جو اذکار) ان کے دلوں کو کدورتوں مکر وفریب اور رنج وغم سے صاف کریں۔

مزید ان کو نذور وہدیہ لینے، مداومت کے ساتھ چلہ کشی اور خلوت نشینی اور وہ تمام طریقہ اپنانے اور برتنے کی اجازت دیدی جو اس طریقۂ عالیہ ساداتیہ میں واجب وپسندیدہ ہیں۔ اور اس کے لئے یہ سبیل ہے کہ وہ مجھے اقوال واشغال کے بعد نیک اوقات پر اپنے ان وظائف اور دعاؤں میں بھول نہ جائیں جو شرف قبولیت پاتی ہیں۔

(بہ تحقیق) میں نے لکھا اس (اجازت نامہ) کو جمعہ کی شب میں بتاریخ پندرہ ماہ رَجَبُ المرُجَّب سن آٹھ سو چودہ ہجری ۸۱۴ھ کشمیر کے شہر میں اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے باشندوں کو آفات اور تباہی سے محفوظ رکھے۔

(مہر) محمد ہمدانی۔ ۱۹

''اجازت نامہ'' میں مرقوم دن اور تاریخ میں مطابقت ثابت کرنے کے مسئلہ نے مجھے بیس سال پریشان کر رکھا تھا اس عرصہ میں معترضین کے شکوک وشبہات بھی منظر عام پر

آگئے۔ میں نے اپنی جگہ پر کوششیں جاری رکھیں۔ بہت سی تقویم ہائے تاریخی کا بار بار مطالعہ کیا، اور اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ ہر ایک تقویم میں ابتداء ہی سے غلط اندراجات ہیں۔ درج کیے گئے دنوں اور تاریخوں میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ ان تقاویم میں دیئے گئے فار مولے نہ صرف مزید الجھنیں پیدا کرتی ہیں بلکہ انہیں بار بار آزما کے قیمتی وقت کا بے تحاشا ضیاع بھی ہوتا ہے۔ بہت سی تقاویم پندرہ سو ہجری سن یعنی عیسوی حساب سے دو ہزار چھہتر تک بنائی گئی ہیں۔ اگر آپ سال رواں کی ہجری اور عیسوی کیلنڈر کا حساب ان تقاویم میں دیکھیں تو آپ مشاہدہ کریں گے کہ ۱۴۲۱ھ یکم ماہ محرم ۶ راپریل ۲۰۰۰ء کو دکھایا گیا ہے۔ جبکہ یکم ماہ محرم ۷ راپریل کے مطابق تھا۔ ۲۰۔

کچھ فارمولے جو مختلف النوع کتابوں میں دیئے گئے ہیں بہت پیچیدہ ہیں اور ان کی تحلیل کرتے کرتے پاپڑ بیلنے کے بعد بھی حاصل کچھ نہیں آتا ہے۔ اسی لئے ہر ایک محقق اپنی الگ تھلگ وادی میں پہونچ جاتا ہے۔ ہجری اور عیسوی سن میں حصول تطبیق اور وہ بھی اطمینان بخش اور مکمل صورت میں بہت مشکل کام ہے۔

جب سے زیر بحث اجازت نامہ کا استناد دلچسپی رکھنے والوں کے لئے مورد شکوک وشبہات بنا، میں بھی اس تلاش وتحقیق میں رہا کہ کوئی ایسا یا ایسے فارمولے ضرور دستیاب ہوں گے جو اس لاینحل مسئلہ کے حل کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوں گے۔ اس عرصہ میں میں نے بہت سی تقاویم حاصل کر لیں جن کو میں نے بار بار استعمال کیا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ آخرکار ایسے فارمولے بہت ہی وقیع اور کارآمد کتاب میں مل گئے۔ جن سے زیر بحث اجازت نامہ میں درج شدہ تاریخ اور دن درست اور معتبر ومستند ثابت ہوگئے۔ مزید بھی کئی کتب کے اندراجات سے استفادہ کیا گیا، جنکی فہرست اس مضمون کے آخر میں شامل ہے

اب میں وہ سب فارمولے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں جن کی مدد سے راقم الحروف نے ''اجازت نامہ'' کے استناد کی گتھی سلجھا دی اور ان تمام محققین اور علماء وفضلاء کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کی تحریرات کی مدد سے میں ''اجازت نامہ'' کے مسئلہ استناد وتطبیق کو حل کرسکا۔ اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو ابدی آسودگی عطا فرمائے۔

فارمولہ نمبر..........۱

پانچ ہزار سالہ جنتری ہجری (۲۱)

از ۱۰۰ ہجری تا	صدیاں				۵۰۰۰ ہجری
قاعدہ A	۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	مثال
پہلے صدی کے نیچے کا خانہ	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	اگر پہلی محرم ۱۳۹۴ھ معلوم
اور درمیانی سال کے	(۸۰۰)	۹۰۰	۱۰۰۰	۱۱۰۰	ہے تو (۱۳۰۰) صدی کے
سامنے کا حرف لیں پھر	۱۲۰۰	۱۳۰۰	۱۴۰۰	۱۵۰۰	نیچے اور ۹۴) درمیانی سال
اس حرف کو "B" نقشہ پر	۱۶۰۰	۱۷۰۰	۱۸۰۰	۱۹۰۰	کے خانہ کے سامنے دیکھا
مطلوبہ مہینہ کے سامنے	۲۰۰۰	۲۱۰۰	۲۲۰۰	۲۳۰۰	تو (م) ہے اس (م) کو
تلاش کریں اس کے بعد	۲۴۰۰	۲۵۰۰	۲۶۰۰	۲۷۰۰	محرم کے سامنے ساتویں
اسی حرف کے نیچے دن	۲۸۰۰	۲۹۰۰	۳۰۰۰	۳۱۰۰	خانہ میں پایا پھر 'م' کے
دیکھیں اور دن کے مقابل	۳۲۰۰	۳۳۰۰	۳۴۰۰	۳۵۰۰	نیچے دنوں کے خانہ میں
داہنے خانوں میں تاریخ	۳۶۰۰	۳۷۰۰	۳۸۰۰	۳۹۰۰	جمعہ ملا۔ معلوم ہوا کہ پہلی
معلوم کریں۔	۴۰۰۰	۴۱۰۰	۴۲۰۰	۴۳۰۰	محرم ۱۳۹۴ھ جمعہ کو ہے۔
	۴۴۰۰	۴۵۰۰	۴۶۰۰	۴۷۰۰	
درمیانی سال	۴۸۰۰	۴۹۰۰	۵۰۰۰		درمیانی سال

	۸	۱۶	۲۴	۳۲	۴۰	۴۸	ر	ب	ر	ب		۵۶	۶۴	۷۲	۸۰	۸۸	۹۶
۱	۹	۱۷	۲۵	۳۳	۴۱	۴۹	ی	ر	ی	ر		۵۷	۶۵	۷۳	۸۱	۸۹	۹۷
۲	۱۰	۱۸	۲۶	۳۴	۴۲	۵۰	م	ا	م	ا		۵۸	۶۶	۷۴	۸۲	۹۰	۹۸
۳	۱۱	۱۹	۲۷	۳۵	۴۳		ک	ن	ک	ن	۵۱	۵۹	۶۷	۷۵	۸۳	۹۱	۹۹
۴	۱۲	۲۰	۲۸	۳۶	۴۴		ب	ر	ب	ر	۵۲	۶۰	۶۸	۷۶	۸۴	۹۲	
۵	۱۳	۲۱	۲۹	۳۷	۴۵		ر	ی	ر	ی	۵۳	۶۱	۶۹	۷۷	۸۵	۹۳	
۶	(۱۴)	۲۲	۳۰	۳۸	۴۶		ا	م	ا	م	۵۴	۶۲	۷۰	۷۸	۸۶	۹۴	
۷	۱۵	۲۳	۳۱	۳۹	۴۷		ن	ک	ن	ک	۵۵	۶۳	۷۱	۷۹	۸۷	۹۵	

"B"پانچ ہزار سالہ ہجری جنتری از ۱۰۰ھ تا پانچ ہزار ہجری

محرم۔شوال					ن	ب	ی	ا	ک	ر	م
جمادی الآخر۔ذی القعدہ					م	ن	ب	ی	ا	ک	ر
صفر۔رجب					ر	م	ن	ب	ی	ا	ک
ربیع الاوّل۔ذی الحجہ					ک	ر	م	ن	ب	ی	ا
شعبان					ا	ک	ر	م	ن	ب	ی
ربیع الآخر۔رمضان					ی	ا	ک	ر	م	ن	ب
جمادی الاولیٰ					ب	ی	ا	ک	ر	م	ن
۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ
۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ
۳	۱۰	۱۷	۲۴		دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ
۴	۱۱	۱۸	۲۵		سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ
۵	۱۲	۱۹	۲۶		چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ
۶	۱۳	۲۰	۲۷		پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ
۷	۱۴	۲۱	۲۸		جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ

اس فارمولہ نمبر(۱) کے مطابق ہمیں ۸۱۴ء کی پہلی رجب کا دن دیکھنا ہے۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ ہمیں ۱۵ر رجب ۸۱۴ء کے یوم جمعرات کی تصدیق ضرورت ہے ہم پہلے (۸) صدی کے نیچے اور (۱۴) درمیانی سال کے خانہ کے سامنے دیکھیں تو وہاں ''ا'' یعنی الف ہے اس ''ا'' (الف) کو "B" نقشہ پر رجب کے سامنے چھٹے (۶) خانہ میں پایا۔ پھر ''ا'' کے نیچے دنوں کے خانہ میں پنجشنبہ (جمعرات) ملا پس معلوم ہوا کہ پہلی رجب ۸۱۴ھ کو جمعرات کا دن تھا۔ یہی دن اور تاریخ اجازت نامہ میں مرقوم ہے۔

جدید طریقہ شمار ایام و ماہ ہائے سن ہجری کے مطابق رجب تیس یوم کا شمار کیا گیا ہے۔ فارمولا نمبر(۱)"A" اور "B" کے مطابق پہلی رجب ۸۱۴ھ کو جمعرات کا دن تھا دوسری جمعرات آٹھ رجب کو تھی اور تیسری جمعرات پندرہ رجب کے مطابق آتی ہے۔ یاد رہے اس حساب سے ۸۱۴ھ کی پہلی محرم کا دن منگلوار (Tuesday) تھا۔ جدید طریقہ شمار (محولہ بالا فارمولہ نمبر دائمی ہجری جنتری (۲۲) کے مطابق (ضمیمہ میں شامل ہے)

	صفر	۲	۳	۴	۱	۶	۳	۵
ذوالحجہ	شنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ
ذوالقعدہ	جمعہ	یکشنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ
شوال	چہارشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ
رمضان	سہ شنبہ	پنجشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	چہارشنبہ
شعبان	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ
رجب	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	یکشنبہ
جمادی الاخر	پنجشنبہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	جمعہ
جمادی الاولیٰ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ
ربیع الثانی	دوشنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	شنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ
ربیع الاول	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ
صفر	جمعہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ
محرم	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ

طریقہ: جس مہینے کا پہلا دن معلوم کرنا ہو تو اس کے سنہ کو ''۸'' سے تقسیم کیجئے جو ہندسہ باقی بچے اسے اس نقشہ کی پہلی سطر میں دیکھئے پھر جس مہینے کا پہلا دن معلوم کرنا ہے اسکے سامنے اور اوپر والے ہندسہ کے مقابل میں جو دن ملے وہی مہینہ کا پہلا دن ہوگا مثال کے طور پر

یکم رجب ۸۱۴ھ کا دن مطلوب ہے۔ تو ۸۱۴ھ کو "۸" سے تقسیم کیا تو "۶" بچا۔ اب "۶" کے نیچے رجب کے مقابل بائیں طرف پنجشنبہ (جمعرات) ہے معلوم ہوا کہ یکم ماہ رجب ۸۱۴ھ کو جمعرات کا دن تھا۔ محرم کی آٹھ تاریخ بھی جمعرات اور پھر پندرہ تاریخ کو جمعرات کا دن تھا جو "اجازت نامہ" میں تحریر شدہ یوم اور تاریخ سے صد فی صد مطابقت رکھتا ہے۔

فارمولہ نمبر ۳

دائمی ہجری جنتری (۲۳)

۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱	
سنہ ہجری	جمادی الاولیٰ	ربیع الثانی رمضان	شعبان	ربیع الاول ذوالحجہ	صفر رجب	جمادی الثانی ذی قعدی	محرم شوال	
۱۰	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	۱
۶	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	۲
۳	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	۳
(۰)صفر	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	۴
۲	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	۵
۷	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	۶
۴	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	۷
تاریخیں	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱	
	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	
	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	
	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳	۲۲	
						۳۰	۲۹	

قاعدہ: جس سنہ ہجری یا مہینہ کا پہلا دن تاریخ مطلوب ہو تو اس سنہ کو مع صدی کے آٹھ پر تقسیم کریں جو باقی بچے اس کو سنہ ہجری خانہ "۸" میں تلاش کریں جب وہ ہندسہ ملجائے تو ٹھیک ہندسہ کے سامنے کے خانوں میں مطلوبہ مہینہ کے مقابل کے خانہ میں جو دن ہو وہی اس مہینے کی پہلی تاریخ کا دن ہوگا۔ مثلاً ۱۳۵۹ھ میں محرم کا پہلا دن کون تھا اول ۱۳۵۹ھ کو آٹھ پر تقسیم کیا تو (۱۶۹) خارج قسمت ہوئے باقی ۷ رہے، پس (۷) کو خانہ (۸) میں دیکھا تو چھٹا عدد (۷) ملا اس سات کے ہندسے کے اوپر محرم کے مقابل شنبہ ملا معلوم ہوا کہ پہلی محرم ۱۳۵۹ شنبہ کے دن تھی۔ اب ہمیں اس فارمولا کے مطابق ماہ رجب ۸۱۴ھ کی پہلی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہے۔ پہلے ۸۱۴ھ کو آٹھ پر تقسیم کیا تو باقی (۶) بچے چھ کو خانہ آٹھ (۸) میں دیکھا تو دوسرا عدد (۶) ملا اس "۶" کے ہندسے (بائیں آگے) کے اوپر رجب کے مقابل پنجشنبہ (جمعرات) ملا۔ معلوم ہوا کہ رجب ۸۱۴ھ کی پہلی تاریخ کو جمعرات کا دن تھا رجب کی دوسری جمعرات آٹھ تاریخ کو اور تیسری جمعرات پندرہ رجب ۸۱۴ھ کو تھی اس فارمولہ کے تحت بھی "اجازت نامہ" میں مرقوم تحریر یوم مستند اور معتبر ٹھہرتا ہے۔ غرض ان تینوں فارمولوں کی رو سے حضرت میر محمد ہمدانی کا تحریر کردہ اجازت نامہ بہر وجوہ معتبر اور درست ہے۔

فارمولا نمبر ۴

نقشہ اوسط آغاز سلسلہ وار ہر ہجری مہینے کا جبکہ یکم محرم کا دن معلوم ہو (۲۴)

		محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع ثانی	جمادی الاول	جمادی الثانی	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذیقعدہ	ذی الحجہ
۱	یوم آغاز	شکروار	اتوار	سوموار	بدھوار	ویروار	سنیچروار	اتوار	منگوار	بدھوار	شکروار	سنیچروار	سوموار
۲	یوم آغاز	سنیچروار	سوموار	منگوار	ویروار	شکروار	اتوار	سوموار	بدھوار	ویروار	سنیچروار	اتوار	منگوار
۳	یوم آغاز	اتوار	منگوار	بدھوار	شکروار	سنیچروار	سوموار	منگوار	ویروار	شکروار	اتوار	سوموار	بدھوار
۴	یوم آغاز	سوموار	بدھوار	ویروار	سنیچروار	اتوار	منگوار	بدھوار	شکروار	سنیچروار	سوموار	منگوار	ویروار
۵	یوم آغاز	منگوار	ویروار	شکروار	اتوار	سوموار	بدھوار	ویروار	سنیچروار	اتوار	منگوار	بدھوار	شکروار
۶	یوم آغاز	بدھوار	شکروار	سنیچروار	سوموار	منگوار	ویروار	شکروار	اتوار	سوموار	بدھوار	ویروار	سنیچروار
۷	یوم آغاز	ویروار	سنیچروار	سوموار	منگوار	بدھوار	شکروار	سنیچروار	سوموار	منگوار	ویروار	شکروار	اتوار

حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے تحریر فرمودہ اجازت نامہ کی رو سے ہمیں ماہ رجب کی پہلی کا دن معلوم ہے جدید طریقہ ماہ ہا وایام ہجری سن کے مطابق اور اجازت نامہ میں مرقوم تاریخ اور دِن کو ملحوظ رکھ کر پیچھے کی طرف گنتی کرتے ہوئے یعنی (Descending order) میں تو ۸۱۴ھ کی اول محرم منگلوار (Tuesday) کو تھی مطلب یہ ہے ۸۱۴ھ کے ماہ محرم کی پہلی تاریخ کو منگلوار کا دن تھا اور جدید طریقہ شمار (محولہ بالا) کو سامنے رکھ کر ماہوار تاریخوں کو بہ قید اسمائے ایام جب گنتے ہیں تو اول رجب کو جمعرات کا دن ملتا ہے اور تیسری جمعرات رجب کی پندرہ تاریخ کو پڑتی ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ۱۴۱۱ھ کی پہلی جنوری کو کونسا دن تھا اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ ۱۵؍رجب المرجب ۸۱۴ھ کے ساتھ مطابقت رکھنے والی کس عیسوی مہینے کی کونسی تاریخ تھی اور کون سا دن تھا (یہ لازمی ہے کہ اس روز جمعرات ہو) یہ دونوں اہم مسئلے ان فارمولوں سے حل کئے گئے ہیں جو آپ آئندہ صفحات پر دیکھیں گے۔

فارمولا نمبر ۵

پانچ ہزار سالہ عیسوی جنتری (۲۵)

از ۱۰۰ء تا ۵۰۰۰ء	صدیاں							پنج ہزار سالہ عیسوی جنتری
A قاعدہ	۱۸۰۰	۴۱۰۰	۱۷۰۰	۴۰۰۰	۱۶۰۰	۱۵۰۰	۴۲۰۰	ملا۔ پھر اس 'ت' کے نیچے دنوں کے
پہلے صدی کے نیچے کا خانہ اور درمیانی	۲۲۰۰	۴۵۰۰	۲۱۰۰	۴۴۰۰	۲۰۰۰	۱۹۰۰	۴۶۰۰	خانہ میں سہ شنبہ نکلا۔ معلوم ہوا کہ
سال کے سامنے کا حرف لیں اور اس	۲۶۰۰	۴۹۰۰	۲۵۰۰	۴۸۰۰	۲۴۰۰	۲۳۰۰	۵۰۰۰	پہلی جنوری ۱۹۷۴ (۳) شنبہ کے
حرف کو اس صفحہ کے بائیں طرف B	۳۰۰۰	۱۳۰۰	۲۹۰۰		۲۸۰۰	۲۷۰۰		دن ہے۔
نقشہ پر مطلوبہ مہینے کے سامنے تلاش	۳۴۰۰	۹۰۰	۳۳۰۰		۳۲۰۰	۳۱۰۰		نوٹ: جس جنوری اور فروری پر × کا
کریں پھر اس حرف کے نیچے دن	۳۸۰۰	۵۰۰	۳۷۰۰		۳۶۰۰	۳۵۰۰		نشان ہے۔ یہ لیپ سال کے لئے
دیکھیں اور دن کے مقابل داہنے	۱۴۰۰	۱۰۰			۴۳۰۰	۳۹۰۰		ہیں جو سال درمیانی سال کی صورت
خانوں میں تاریخ معلوم کریں۔ مثلاً	۱۰۰۰				۴۷۰۰	۱۱۰۰		میں چار اور صدی کی صورت میں
پہلی جنوری ۱۹۷۴ء دیکھنا ہے تو	۶۰۰				۱۲۰۰	۷۰۰		۴۰۰ پر پورا پورا تقسیم ہوجائے وہ
۱۹۰۰ء صدی کے نیچے اور ۷۴ کے	۲۰۰				۸۰۰	۳۰۰		لیپ کا سال ہے۔ اس میں
درمیانی سال کے خانے کے سامنے					۴۰۰			فروری ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔
دیکھا تو (ت) ہے اس کو جنوری کے								
سامنے تلاش کیا تو چوتھے خانے میں								
درمیانی سال								درمیانی سال

	۹۹	۹۳	۸۲	۷۶	۷۱	۶۵	۵۴	ا	ل	ت	ق	و	ی	م		۴۸	۴۳	۳۷	۲۶	۲۰	۱۵	۹
	۹۴	۸۸	۸۳	۷۷	۶۶	۶۰	۵۵	ل	ت	ق	و	ی	م	ا		۴۹	۳۸	۳۲	۲۷	۲۱	۱۰	۲
	۹۵	۸۹	۷۸	۷۲	۶۷	۶۱	۵۰	ت	ق	و	ی	م	ا	ل		۴۴	۳۹	۳۳	۲۲	۱۶	۱۱	۵
	۹۰	۸۴	۷۹	۷۳	۶۲	۵۶	۵۱	ق	و	ی	م	ا	ل	ت		۴۵	۳۴	۲۸	۲۳	۱۷	۶	
۹۹	۹۱	۸۵	۷۴	۶۸	۶۳	۵۷		و	ی	م	ا	ل	ت	ق	۴۶	۴۰	۳۵	۲۹	۱۸	۱۲	۷	۱
	۹۷	۸۶	۸۰	۷۵	۶۹	۵۸	۵۲	ی	م	ا	ل	ت	ق	و		۴۷	۴۱	۳۰	۲۴	۱۹	۱۳	۲
۹۸	۹۲	۸۷	۸۱	۷۰	۶۴	۵۹	۵۳	م	ا	ل	ت	ق	و	ی		۴۲	۳۶	۳۱	۲۵	۱۴	۸	۳

"B" از ۱۰۰ء تا ۵۰۰۰ء سالہ عیسوی جنتری

× جنوری، اپریل، جولائی					ا	ل	ت	ق	و	ی	م
ستمبر، دسمبر					ل	ت	ق	و	ی	م	ا
جون					ت	ق	و	ی	م	ا	ل
× فروری، مارچ، نومبر					ق	و	ی	م	ا	ل	ت
فروری۔ اگست					و	ی	م	ا	ل	ت	ق
مئی					ی	م	ا	ل	ت	ق	و
جنوری، اکتوبر					م	ا	ل	ت	ق	و	ی
۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ
۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ
۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ
۴	۱۱	۱۸	۲۵		سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ
۵	۱۲	۱۹	۲۶		چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ
۶	۱۳	۲۰	۲۷		پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ
۷	۱۴	۲۱	۲۸		جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ

اب ہم فارمولا نمبر (۵) کے مطابق ۱۴۱۱ء کی پہلی جنوری کا دن معلوم کریں گے نقشہ نمبر "A" میں پہلے (۱۴۰۰) صدی کے نیچے اور (۱۱) درمیانی سال کے خانے کے سامنے دیکھا تو ''ت'' ہے پھر اس ''ت'' کو نقشہ نمبر "B" میں جنوری کے سامنے تلاش کیا (یاد رہے کی ۱۴۱۱ء لیپ کا سال نہیں تھا) تو چوتھے خانہ میں ملا پھر اس ''ت'' کے نیچے دنوں کے خانہ میں سہ شنبہ یعنی منگلوار (Tuesday) نکلا معلوم ہوا کہ پہلی جنوری ۱۴۱۱ء اسی دن کو تھی اسی سال کے مہینوں کے دن گنتے ہوئے اس فارمولا کے تحت چلتے ہوئے پہلی مارچ

کو جمعہ پہلی اپریل کو سوموار، پہلی مئی کو بدھوار، پہلی جون کو ہفتہ (بٹہ وار) پہلی جولائی کو سوموار، پہلی اگست کو جمعرات، پہلی ستمبر کو اتوار پہلے اکتوبر کو منگلوار پہلی نومبر کو جمعہ اور دسمبر کی پہلی تاریخ کو اتوار کے دن علی الترتیب آتے ہیں۔

رجب ۸۱۴ھ کا مہینہ تمام تقاویم کے مطابق (فرق اور اختلاف کے باوجود) ایک دو ایّام کے پس وپیش کے ساتھ لگ بھگ نصف اکتوبر اور نصف نومبر ۱۴۱۱ء پر محیط ہے۔ اس لئے یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ پہلی رجب کی تاریخ کس اکتوبر کی تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے مع دن کے جمادی الثانی ۸۱۴ھ اکتوبر ۱۴۱۱ء کے نصف اول کے ساتھ اختتام کا سفر کرتا ہے اور ۲۹ جمادی الثانی بدھ اور ۱۶ر اکتوبر ۱۴۱۱ء کو ختم ہوتا ہے اور پہلی رجب ۸۱۴ھ برطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۴۱۱ء بروز جمعرات ہے۔ فارمولا کے تحت چلتے ہوئے، ہماری (یعنی ''اجازت نامہ'' میں مرقوم) تاریخ یعنی پندرہ رجب ۸۱۴ھ بروز جمعرات مطابق ۳۱ر اکتوبر ۱۴۱۱ء کو تھی۔

اس طرح سے ہم نہایت ہی اطمینان واعتبار کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اجازت نامہ'' بلا کسی شک وشبہ اور تضاد واختلاف کے حقیقتاً اور واقعتاً پندرہ رجب یوم جمعرات (شب جمعہ) ۸۱۴ھ مطابق ۱۳ر اکتوبر ۱۴۱۱ء حضرت میر ہمدانی نے اپنے دست پاک سے تحریر فرمایا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی صاحب مزید تحقیق وتلاش جاری رکھے تو چشم ماروشن دل ماشاد۔

اس مضمون کے ''مجلہ علمدار'' شیخ العالم چیئر کشمیر یونیورسٹی میں چھپنے کے بعد ایک ''تین ہزار'' سالہ کیلنڈر بھی دستیاب ہوا۔ وہ بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔

CALANDER FOR 1411 (A.D.) (۲۶)

JANUARY

S		6	13	20	27
M		7	14	21	28
T	1	8	15	22	29
W	2	9	16	23	30
TH	3	10	17	24	31
F	4	11	18	25	
ST	5	12	19	26	

FEBRUAY

S		3	10	17	24
M		4	11	18	25
T		5	12	19	26
W		6	13	20	27
TH		7	14	21	28
F	1	8	15	22	29
ST	2	9	16	23	30

MARCH

S	31	3	10	17	24
M		4	11	18	25
T		5	12	19	26
W		6	13	20	27
TH		7	14	21	28
F	1	8	15	22	29
ST	2	9	16	23	30

APRIL

S		7	14	21	28
M	1	8	15	22	29
T	2	9	16	23	30
W	3	10	17	24	
TH	4	11	18	25	
F	5	12	19	26	
ST	6	13	20	27	

MAY

S		5	12	19	26
M		6	13	20	27
T		7	14	21	28
W	1	8	15	22	29
TH	2	9	16	23	30
F	3	10	17	24	31
ST	4	11	18	25	

JUN

S	30	2	9	16	23
M		3	10	17	24
T		4	11	18	25
W		5	12	19	27
TH		6	13	20	28
F		7	14	21	29
ST	1	8	15	22	30

JULY

S		7	14	21	28
M	1	8	15	22	29
T	2	9	16	23	30
W	3	10	17	24	31
TH	4	11	18	25	
F	5	12	19	26	
ST	6	13	20	27	

AUGUST

S		4	11	18	25
M		5	12	19	26
T		6	13	20	27
W		7	14	21	28
TH	1	8	15	22	29
F	2	9	16	23	30
ST	3	10	17	24	31

SEPTEMBER

S	1	8	15	22	29
M	2	9	16	23	30
T	3	10	17	24	
W	4	11	18	25	
TH	5	12	19	26	
F	6	13	20	27	
ST	7	14	21	28	

OCTOBER

S		6	13	20	27
M		7	14	21	28
T	1	8	15	22	29
W	2	9	16	23	30
TH	3	10	17	24	31
F	4	11	18	25	
ST	5	12	19	26	

NOVEMBER

S		3	10	17	27
M		4	11	18	25
T		5	12	19	26
W		6	13	20	27
TH	1	7	14	21	28
F	2	8	15	22	29
ST	3	9	16	23	30

DECEMBER

S	1	8	15	22	29
M	2	9	16	23	30
T	3	10	17	24	31
W	4	11	18	25	
TH	5	12	19	26	
F	6	13	20	27	
ST	7	14	21	28	

ہجری تقویم برائے سال ۸۱۴ھ (۲۷)

مُحَرَّم

اتوار		۶	۱۳	۲۰	۲۷
پیر		۷	۱۴	۲۱	۲۸
منگل	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
بدھ	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
جمعرات	۳	۱۰	۱۷	۲۴	
جمعہ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
ہفتہ	۵	۱۲	۱۹	۲۶	

صَفَر

اتوار		۴	۱۱	۱۸	۲۵
پیر		۵	۱۲	۱۹	۲۶
منگل		۶	۱۳	۲۰	۲۷
بدھ		۷	۱۴	۲۱	۲۸
جمعرات	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
جمعہ	۲	۹	۱۶	۲۳	
ہفتہ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	

رَبیعِ اوّل

اتوار		۳	۱۰	۱۷	۲۴
پیر		۴	۱۱	۱۸	۲۵
منگل		۵	۱۲	۱۹	۲۶
بدھ		۶	۱۳	۲۰	۲۷
جمعرات		۷	۱۴	۲۱	۲۸
جمعہ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
ہفتہ	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰

ربیع ثانی

اتوار	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
پیر	۲	۹	۱۶	۲۳	
منگل	۳	۱۰	۱۷	۲۴	
بدھ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
جمعرات	۵	۱۲	۱۹	۲۶	
جمعہ	۶	۱۳	۲۰	۲۷	
ہفتہ	۷	۱۴	۲۱	۲۸	

جمادی اول

اتوار		۷	۱۴	۲۱	۲۸
پیر	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
منگل	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
بدھ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	
جمعرات	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
جمعہ	۵	۱۲	۱۹	۲۶	
ہفتہ	۶	۱۳	۲۰	۲۷	

ربیع ثانی

اتوار		۵	۱۲	۱۹	۲۶
پیر		۶	۱۳	۲۰	۲۷
منگل		۷	۱۴	۲۱	۲۸
بدھ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
جمعرات	۲	۹	۱۶	۲۳	
جمعہ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	
ہفتہ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	

رَجَب

اتوار		۴	۱۱	۱۸	۲۵
پیر		۵	۱۲	۱۹	۲۶
منگل		۶	۱۳	۲۰	۲۷
بدھ		۷	۱۴	۲۱	۲۸
جمعرات	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
جمعہ	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
ہفتہ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	

شَعبان

اتوار		۲	۹	۱۶	۲۳
پیر		۳	۱۰	۱۷	۲۴
منگل		۴	۱۱	۱۸	۲۵
بدھ		۵	۱۲	۱۹	۲۶
جمعرات		۶	۱۳	۲۰	۲۷
جمعہ		۷	۱۴	۲۱	۲۸
ہفتہ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹

رَمَضان

اتوار	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
پیر	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
منگل	۳	۱۰	۱۷	۲۴	
بدھ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
جمعرات	۵	۱۲	۱۹	۲۶	
جمعہ	۶	۱۳	۲۰	۲۷	
ہفتہ	۷	۱۴	۲۱	۲۸	

شَوّال

اتوار		۶	۱۳	۲۰	۲۷
پیر		۷	۱۴	۲۱	۲۸
منگل	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
بدھ	۲	۹	۱۶	۲۳	
جمعرات	۳	۱۰	۱۷	۲۴	
جمعہ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
ہفتہ	۵	۱۲	۱۹	۲۶	

ذُوالقَعدَة

اتوار		۵	۱۲	۱۹	۲۶
پیر		۶	۱۳	۲۰	۲۷
منگل		۷	۱۴	۲۱	۲۸
بدھ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
جمعرات	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
جمعہ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	
ہفتہ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	

ذُوالحِجّة

اتوار		۳	۱۰	۱۷	۲۴
پیر		۴	۱۱	۱۸	۲۵
منگل		۵	۱۲	۱۹	۲۶
بدھ		۶	۱۳	۲۰	۲۷
جمعرات		۷	۱۴	۲۱	۲۸
جمعہ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
ہفتہ	۲	۹	۱۶	۲۳	

ہجری سن کے مہینوں اور ایام کا جدید طریقہ شمار (۲۸)

نمبر شمار	مہینہ	ایام	نمبر شمار	مہینہ	ایام
۱	محرم	۳۰	۲	صفر	۲۹
۳	ربیع الاول	۳۰	۴	ربیع الثانی	۲۹
۵	جمادی الاول	۳۰	۶	جمادی الثانی	۲۹
۷	رجب	۳۰	۸	شعبان	۲۹
۹	رمضان	۳۰	۱۰	شوال	۲۹
۱۱	ذی قعدہ	۳۰	۱۲	ذی الحجہ	۲۹

(۲۹) تین ہزار سالہ کیلنڈر:۔ جس سے دو ہزار سال قبل اور ایک ہزار سال آئندہ کے کسی مہینے کی کسی تاریخ کا دن معلوم کیا جا سکتا ہے۔

جنوری	فروری	مارچ	اپریل	مئی	جون	جولائی	اگست	ستمبر	اکتوبر	نومبر	دسمبر
۲۱	۵۴	۵	۱	۳	۶	۱	۴	۰	۲	۵	۰

سال

۰	۰۱	۰۲	۰۳	۰	۰۴	۵
۰۶	۰۷	۰	۰۸	۰۹	۱۰	۱۱
۰	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۰	۱۶
۱۷	۱۸	۱۹	۰	۲۰	۲۱	۲۲
۲۳	۰	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۰
۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۰	۳۲	۳۳
۳۴	۳۵	۰	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹
۰	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۰	۴۴
۴۵	۴۶	۴۷	۰	۴۸	۴۹	۵۰
۵۱	۰	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۰
۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۰	۶۰	۶۱
۶۲	۶۳	۰	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷
۷۳	۷۴	۷۵	۰	۷۶	۷۷	۷۸
۷۹	۰	۸۰	۸۱	۸۲	۸۳	۰
۸۴	۸۵	۸۵	۸۷	۰	۸۸	۸۹
۹۰	۹۱	۰	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵
۰	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	۰	۰
۰	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۰	۷۲
اعداد سال	۲	۳	۴	۵	۶	۷

صدیاں

۰	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳
۱۴	۱۵	۱۸	۱۷	۰	۰	۰
۰	۰	۱۸	۰	۱۹	۲۰	۰
۲۱	۰	۲۲	۰	۲۳	۲۴	۰
۲۵	۰	۲۶	۰	۲۷	۲۸	۰
اعداد	۲	۱	۷	۶	۵	۴

قاعدہ:۔ جس مہینہ جس سال اور جس تاریخ کا دن معلوم کرنا ہواُن کے اعداد جو سال، صدی اور مہینہ کے نیچے دیے گئے ہیں، کو جوڑ کر '۷' پر تقسیم کروا کر باقی

ایک بچے تو ہفتہ ہوگا
۲ بچیں تو اتوار ہوگا
۳ // پیر //
۴ // منگوار //
۵ // بدھ //
۶ // جمعرات //
کچھ نہ بچے تو جمعہ ہوگا

اگر ۷ سے کم مجموعہ ہوگا تو وہی دن ہوگا۔

مثال: ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو کونسان دن تھا، تاریخ ۱۵، اعداد اگست ۴ اعداد سال ۱۹۴۷ء ۳، اعداد صدی ۶ کل میزان ۲۸، تقسیم کرو، ۷ پر

۷	۲۸	۴
	۲۸	
جمعہ	×	

تین ہزار سالہ کیلنڈر میں دیئے گئے فارمولے کے مطابق:۔

جنوری ۱۴۱۱ء کی پہلی کو، کون سا دن تھا

۱) صدی کا نمبر ۱

۲) اول ماہ جنوری ۱

۳) ماہ جنوری کا عدد ۲

۴) سال کا عدد ۷

تقسیم	۷	۱۱	۱
		۷	
باقی ۴ منگلوار ہے مطابق اول ماہ		۴	

محرم ۸۱۴ھ

۳۱/اکتوبر ۱۴۱۱ء کو کون سا دن تھا

۱) صدی کا نمبر ۱

۲) اکتوبر ۳۱

۳) ماہ اکتوبر کا عدد ۲

۴) سال کا عدد ۷

تقسیم	۷	۴۱	۵
		۳۵	
چھٹا دن جمعرات ہے مطابق شب جمعہ		٦	

۸۱۴ھ

اشارہ حوالہ جات

۱) اجازنامہ بحوالہٗ ماہ نامہ گل ریز دسمبر ۱۹۵۲ء سرینگر

۲) شیخ نورالدین ولی کتابچہ شائع کردہ مرزا ادبی سنگم بجبہارا سوالنامہ امین کامل ص ۸۷

۳) شیخ نورالدین ولی (مونوگراف) غلام نبی گوہر ساہتہ اکاڈمی، نئی دہلی۔ ص ۴۳، ۴۴، ۴۵۔

۴) حضرت شیخ سعدی، گلستان

۵) کلام شیخ العالم

٦) ایضاً نصر بابہ جنگلن کھسُن گیئم خامی......الخ

۷) اسرارالاخیار۔ بابا داود مشکواتی۔ خطی نسخہ ۵۹، ٦۰

۸) تاریخ سید علی (خطی) حضرت شیخ کے جواب کے مطابق یہ تعداد صرف چار تھی۔

۹) شیخ نورالدین ولی۔ مونوگراف گوہر۔ ص ۴٦

۱۰) سلطان سکندر کے آخری دور ہی میں تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں زین العابدین کے عہد میں زمام سلطنت بہت ڈھیلی ہوگئی۔ برہمن از سر نو اقتدار میں آگئے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے سلطنت کو کمزور کرنے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کیں۔

۱۱) کلام شیخ العالم ....علماہ پوردو، ووفہ کے ہوسے الخ وغیرہ۔

۱۲) خود بقول سید علی (در تاریخ سید علی)

۱۳) کشمیر انڈر سلطانز، پروفیسر محب الحسن (علی محمد بک سیلر) ص ۵، ٦

۱۴) اس میں شک نہیں ہے کہ چند تعمیرات کے لئے بادشاہ نے بھی مدد کی لیکن میر محمد ہمدانی نے بادشاہ کو تین لعل بدخشاں نذر کئے تھے تعمیرات کی نگرانی حضرت میر خودی ہی کرتے تھے۔

۱۵) جون راج، شری ورنہ صرف سہہ بٹ بلکہ مسلمانوں کی بھی مذمت اور تذلیل کرتے

ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ سرکاری ملازم تو تھے لیکن درباری مؤرّخ تو نہیں تھے۔ تاریخ
تو یہ پوشیدہ طور پر لکھتے تھے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتے تھے ان کو سہہ بٹ کا
مسلمان بننا بہت ہی کھٹکتا تھا۔

۱۶) چھ سو سال بعد بھی پنڈت کاشی ناتھ درسہہ بٹ کو ذلیل کرنے کیلئے کسی مُلاّ نورالدین
کو شیخ نورالدین ریشی جتلا کر، گرفتار کرنے کا الزام لگاتے ہیں بہت سے ''لکھاری''
حضرات بغیر تحقیق و جستجو، اور بلا کسی دلیل و برہان کے مُلاّ نورالدین کو شیخ نورالدین
بنانے پر اڑے ہوئے ہیں گویا یہ بھی آج کل کی ہماری ریاستی سیاست گری کی بات تھی
شیرازہ (خاص نمبر) تنذریش ص ۲۰۹

۱۷) کلام شیخ العالم۔

۱۸۔۱۹) اجازت نامہ

۲۰۔۲۱) تاریخ سید علی

۲۲) گل ریز ۱۹۵۲ء

۲۳) ترجمہ میرا کیا ہوا ہے (گل ریز کے ترجمہ کو درست کر کے)

۲۴) تقویم تاریخی۔ عبدالقدوس ہاشمی ۳۵۶ و تقویم ہجری ابونصر خالدی، ص ۲۷

۲۵) ایک عالمی تاریخ ص ۱۵۱، ۱۵۰

۲۶) ایک عالمی تاریخ ص ۱۵۶

۲۷) ایک عالمی تاریخ ص ۱۵۷

۲۸) مفتاح التواریخ، گوردیال سنگھ، ص ۶۶

۲۹) ایک عالمی تاریخ ص ۱۵۲، ۱۵۳

۳۰) ایضاً

۳۱) ایضاً

۳۲) مفتاح التواریخ، گوردیال سنگھ، ص ۶۴

مآخذ و مصادر (نمبر شمار بہ اعتبار اہمیت

۱. ایک عالمی تاریخ — مولانا محمد عثمان معروفی — مطبوعہ ۱۹۷۳ء
۲. تاریخ وقائع لاثانی — ایضاً — مطبوعہ ۱۹۷۰ء
۳. مفتاح التواریخ — سردار گوردیال سنگھ بھولا
ایڈووکیٹ امرتسری
ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی مطبوعہ ۱۹۵۸ء
۴. بے بہا جنتری — شیخ عبدالرشید، حیدرآباد، دکن
۵. تقویم ہجری و عیسوی — ابونصر محمد خالدی — مطبوعہ کراچی ۱۹۵۲ء
۶. ایضاً — ‶ — جدید ایڈیشن، دہلی
ناشر، انجمن ترقی اردو ہند سلسلہ مطبوعات نمبر، مطبوعہ ۱۹۷۷ء
۷. تقویم تاریخی (قاموس تاریخی) عبدالقدوس ہاشمی — (طبع دوم)
ناشر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان مطبوعہ ۱۹۷۸ء
۸. مفتاح التقویم — ناشر ترقی اردو بیورو، نئی دہلی
۹. تاریخ عالم اسلام (مصنف نامعلوم۔ کتاب کے پہلے ۱۸ اور آخر کے کچھ صفحات غائب ہیں) اس میں اول ہجری اور اسی کے مطابق سن اور تاریخ عیسوی کی قید کے ساتھ ۱۹۰۴ء تک کے اسلامی ملکوں، ریاستوں اور حکمرانوں کا مختصر حال دیا گیا ہے باریک خط میں لکھی گئی یہ کارآمد کتاب موجودہ صورت میں بھی چارسو دس صفحات پر محیط ہے۔ — مطبوعہ ۱۹۰۴ء
۱۰. تاریخ عصر قدیم — مرحوم مولانا عبدالحکیم شرر لکھنوی

ثانوی درجہ کی کتب جن سے استفادہ کیا گیا

۱) تاریخ سید علی (مخطوط) ملکیت ریسرچ لائبریری کشمیر یونیورسٹی نمبر شمار۔
۲) گلریز (ماہانہ رسالہ) دسمبر ۱۹۵۲ء جلد نمبر ۱، نمبر ۲

3. "Kashir" vol. I G.M.D. Sufi
4. Kashmir under sultans Mubibbul Hassan (IInd edition) M/s Ali Mohd & Sons Srinagar 1974
5. Raja Tarangini (Jonaraja) Editor by Prof. S.K. Kaul.
6. Kings of Kashmir (Translation of Kalhana, Jonrja,Srivara etc. (3 vol) used only Jonaraja & Srivara)

۷. سُندر یوش شیراز (خاص نمبر) شمار ۲، ۳ کلچرل اکاڈمی، سرینگر۔
۸. کشمیر میں اسلام، منظر اور پس منظر (مرحوم) ڈاکٹر سید محمد فارق بخاری۔ مکتبہ علم وادب ۱۹۹۸ء
۹. شیخ نورالدین ولی، (مونوگراف، غلام نبی گوہر) اردو ترجمہ ساہتہ اکادمی، نئی دہلی ۱۹۶۶ء
۱۰. شیخ نورالدین ولی، مرازادبی سنگم، بجبہارا، ۱۹۷۸ء
۱۱. اخبارات (سرینگر ٹائمز۔ وغیرہ)
۱۲. شمس العارفین، شیخ العالم شش صد سالہ کمیٹی، سرینگر ۱۹۷۸ء
۱۳. ریشیات، شیخ العالم شش صد سالہ کمیٹی، سرینگر ۱۹۷۸ء
۱۴. شیخ العالم، شیخ العالم شش صد سالہ کمیٹی، سرینگر ۱۹۷۹ء
۱۵. تاریخ سید علی (مخطوط) وترجمہ شائع کردہ، سینٹر آف سینٹرل ایشین اِسٹیڈیز کشمیر یونیورسٹی۔ سید علی کے اس مختصر اور مبہم کتابچہ کو تاریخ کہنا مبالغہ ہوگا اس میں درج خرافات کی وجہ سے، یا تو یہ خرافات کا پلندہ واقعی طور پہلے ہی رہا ہے ورنہ اس میں بہت افراط وتفریط ہوئی ہے۔ بہر کیف معتبر تو مکمل طور پر نہیں کہلایا جاسکتا ہے۔

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کا مذہب و مسلک

حضرت امیر کبیر علیہ الرحمتہ نے پکھلی کے حکمران ''طغان شاہ'' کے نام اپنے ایک مکتوب مبارک میں تحریر فرمایا ہے:۔

''سُنت الٰہی چناں رفتہ است کہ ہر کہ حق گوید و در اظہار حق کوشد ہمہ خلق دُشمن او گردند۔ ہر کہ حق گوئی را اساس کار خودمی سازد، مرُدم بہ او عداوت می ورزند''[۱]

حضرت شاہ ہمدان کی شخصیت مجموعہُ کمالات تھی۔ وہ ہمہ جہتی مجتہد تھے۔ وہ بیکوقت مُبلغ، داعی، مُصنف، قانون دان اور فقیہ، ماہر شرعیت، غواص بحر طریقت، شاہ باز افلاک روحانیت اور صاحب کثیر التصانیف تھے۔ سیاسیات وقت کے نبض شناس، حکمرانی کے آداب ورموز سے واقف، تسخیر قلوب کی لاتعداد کرامتوں کے حامل اور اپنے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اور علمی پیرو تھے، حق گوئی اور بے باکی اُن کی فطرت تھی۔

کسی کی زندگی کے بارے میں واقفیت بہم پہنچانے کے کچھ مُسلّم اصول اور طریقے ہیں۔ جن میں ہم عصروں کی شہادت، اپنے دوست واحباب خود نوشت سوانحیات، اپنی تصانیف میں پیش کی ہوئی آرا وغیرہ سرفہرست ہیں۔ اگر رُوحانی بزرگ ہو، تو اس کے عقیدتمند، مرید اور خلفاء بھی مع ان کے مسلک بھی شامل ہوسکتے ہیں۔ انہی عناصر سے کسی کی شخصیت کے بارے میں مجموعی جانکاری حاصل ہوسکتے ہیں۔ انہیں عناصر سے کسی کا عقیدہ، اعتقادات اور مذہبی رجحان اور مجموعی طور پر اس کا مسلک معلوم کیا جاسکے گا۔

شاہ ہمدانؒ کے مذہبی مسلک کے بارے میں آج تک بہت سے اصحاب نے اپنی

اپنی قیاس آرائیوں کے ہوائی محل تعمیر کئے ہیں۔ جو ذہن وخیال میں لحہ بھر کے لئے خوبصورت تو متصور ہوتے ہیں۔ لیکن عملی اور تحقیقی دُنیا میں اُن کا ہیولا بھی نظر نہیں آتا ہے۔ خاکسار کے خیال میں جس صاحب نے حضرت شاہ ہمدانؒ کے مسلک کے بارے میں خامہ فرسائی کی ہے اوران کے مسلک کو اپنے ذہن میں پہلے سے طے کردہ ایک خاص رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ''مجالس المومنین'' کے مُصنّف، نوراللہ شوشتری ہیں۔ اُنہوں نے حضرت امیر کبیرؒ کو شیعہ مسلک کا پیرو بتایا ہے۔ جبکہ اپنے اس دعویٰ کو سہارا دینے کیلئے اُن کے پاس کوئی خارجی یا داخلی شہادت موجود نہیں ہے۔

ایران کے مشہور ادیب ڈاکٹر سعید نفیسی صاحب نے اپنی تالیف ''تاریخ نظم ونثر در ایران'' صفحہ ۷۵۴ پر حضرت امیر کبیر کو شافعی مسلک کا پیرو تو بتایا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت امیرؒ کو ''متمائیل بہ شیعہ'' کہہ کر سفید دستار میں قزلباشی طُرّے کی بے جوڑ پیوندکاری کرکے غلط فہمی کی ترویج میں تجاہل عارفانہ سے کام لیکر اپنا حصہ اپنے مخصوص رنگ میں ادا کیا ہے۔ وہ اپنی تالیف میں حضرت امیرؒ کے ''متمایل بہ شیعہ'' ہونے کے لئے یہ پائے چوبیں والا استدلال پیش کرتے ہیں کہ انہیں (حضرت امیرؒ کو) محض شیعہ ہونیکی وجہ سے ''علیِ ثانی'' کا لقب دیا گیا ہے۔ لیکن اپنی ایک دوسری تصنیف میں ڈاکٹر صاحب موصوف حضرت امیرؒ کو آٹھویں صدی ہجری کے مشائخ صوفیہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی ہی بات سے پہلے بیان کی تردید کرتے ہیں[1]۔

ڈاکٹر سعید نفیسی کی پیروی میں ڈاکٹر علی اصغر حکمت (جو ایک دوقت میں بھارت میں ایران کی حکومت کے سفیر بھی رہ چکے ہیں) نے بھی حضرت امیرؒ کو شیعہ مسلک کا پیرو قرار دیا ہے۔ اپنے پیش رَوؤں کے برخلاف انہوں نے ایک عجیب دلیل کا سہارا لیا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ حضرت امیر نے اپنے اشعار میں حضرت علیؓ[2] اور اُنکی اولاد رضوان اللہ تعالیٰ

۱ سرچشمہ تصوف در ایران صفحہ ۲۰۷

۲ حضرت امیرؒ اپنی کسی بھی تصنیف میں حضرت علیؓ کے لئے ''علیہ السلام'' استعمال نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ رضی اللہ عنہ اور کرم اللہ تعالیٰ وجہہ'' جو اہل سنّت والجماعت کا خاص طریقہ ہے۔

علیہم اجمعین کی تعریفیں کی ہیں۔ لیکن کوئی ٹھوس، واضح اور مُفصّل شہادت اور ثبوت وہ بھی پیش نہیں کرسکے ہیں۔ اندازہ لگتا ہے کہ ڈاکٹر علی اصغر حکمت صاحب نے رضا قُلی خان ہدایت کے ''مجمع الفُصحاء'' میں حضرت امیرؒ سے مَنسُوب اِن رُباعیوں کی بناء پر اپنے مفروضہ محل کی خس پوشی کی ہو[1]۔

گر بدر مُنیری و سما منزل تو — و ز کوثر اگر سرشتہ باشد گل تو
گر مہر علیؓ نباشد اندر دل تو — مسکینی وسعی ہائے بے حاصلِ تو

☆

پُرسید عزیزی کہ علائی زکُجائی — گفتم بہ ولایتِ علیؓ، کز ہمہ وانم
نے زاں ہمہ دانم کہ ندا منِد علیؓ را — من زاں ہمہ دانم کہ علیؓ را ہمہ دانم

☆

ان رباعیات کا حضرت امیرؒ سے انتساب میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ انہیں حضرت امیرؒ کی تصنیف کردہ ماننے میں بہت سے دلائل مانع ہیں۔ اولاً یہ کہ حضرت امیرؒ کی شعری تخلیقات جو بھی میسر ہیں، کا رنگ، طرز، الفاظ کا دروبست اور مجموعی ڈکشن بالکل منفرد اور یگانہ ہے۔ اور نہ ہی اُن کے سوا، اُن کا سارنگ اور طرز کسی اور کے ہاں کُلّی طور پر نظر آتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُن کی شعری تخلیقات کے مضامین اکثر فارسی شعراسے بہت حد تک مختلف ہیں۔ لہٰذا تیسری بات یہ ہے کہ ان مضامین کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن کے مسلک کے بارے کوئی بھی دوٹوک، غیر مبہم اور واضح رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے۔ مفروضے گھڑ لینے کی تو سرے ہی سے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان رباعیوں کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ کسی مُرشد، یا نبیؐ یا پیغمبر کی۔ پھر کوئی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ ظاہر ہے یہ عقیدہ ایک راسخ الاعتقاد مومن کا نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔

علاوہ ازیں بدیہی بات تو یہ ہے کہ ایسے اشعار کی بُنیاد پر کسی عام شاعر کا مسلک بھی مقرر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ میں یہاں پر چند مشہور ہندو شعرا کا ذکر بطور مثال کروں گا۔ جنہوں

۱ مجمع الفُصحاء ص ۸۶۹

نے حضرت ختم الرّسل صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں والہانہ طور پر اپنا اپنا ہدیۂ نعت پیش کیا ہے۔ اُن شعراء میں تلوک چند محروم، بشیشور پرشاد مُنوّر لکھنوی، دلورام کوثری، لبھو رام جوشؔ، ان کے فرزند بال مکند، عرش ملیسانی وغیرہ کی نعتیں کچھ مسلمان شعراء سے زیادہ قابلِ توجہ ہیں۔ آلِ علیؓ سے محبّت رکھنا ہر ایک مسلمان کا وطیرہ ہے۔ اس میں کسی فرقہ کو ٹھیکیداری حاصل نہیں۔ اسی لئے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو یہ کہنا پڑا۔

قالو ترفضت قلت کلا ماالرَّفض دینی ولا اعتقادی
لاکن تولیت غیر شک خیراماما وخیر ہادی
ان کان حُبَّ الولی رفضا واِنّنی ارفض العبادی[1]

(وہ کہتے ہیں کہ تم نے رفض کیا، میں نے کہا ہرگز نہیں، میں دین واعتقاد کی رُو سے رافضی نہیں ہوں لیکن میں نے بے شک تم کو اچھے امام اور بہتر ہادی کی طرف پھیر لیا ہے۔ اگر کسی ولی (دوست) کی محبت رفض ہے تو میں سب لوگوں میں سے بڑا رافضی ہوں)

اسی سرح حضرت امام شافعیؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ان کان رفضا حُبّ آلِ مُحمّدؐ فلیشھد الثقلان اِنّی رافضٌ[2]

دراصل ایک مخصوص گروہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اکابر اہلِ سُنّت والجماعت کو شیعہ بنایا جائے۔ امیر مسعود سپہرم تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہی رائے بیان کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ "تمایلی بہ علوئین داشت وآں را برائے خلافت شائستہ می دانست[3]" امیر سپہرم نے یہاں پر اپنے مذہبی اعتقاد کے علی الرّغم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف "خلافت" کا لفظ جان بوجھ کر منسوب کیا ہے۔

کشمیر کے ساتھ حضرت شاہ ہمدانؒ کا بالکل قریبی اور خصوصی تعلق رہا ہے اسی وجہ سے اُن کے مسلک کے بارے میں ہمارے دوست غلط فہمیوں کی اشاعت کسی نہ کسی طرح جاری رکھے ہوئے ہیں۔ "شیعانِ کشمیر" کے مؤلّف حکیم غلام صفدر صاحب نے بھی انہی باتوں کو دُہرایا ہے۔ جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ وہ حضرت امیرؒ کی تصنیف "مودت فی القربا"

1. دیوان الشافعی ص ۷۷ 2. ایضاً ص ۱۱۸ 3. تاریخ برگزیدگاں

کی بُنیاد پر کہتے ہیں کہ "اکثر شیعہ مسلک کے علماء اور مؤرخوں نے ان دونوں حضرات (حضرت امیرؒ اور ان کے فرزند سید محمد ہمدانی) کو شیعہ مسلک کے حامیوں میں شُمار کیا ہے[1]"

حضرت امیرؒ کے والد محترم شیخ شہاب الدینؒ والیٔ ہمدان تھے، اُن کے سُنّی المسلک ہونے کے بارے میں آج تک کسی نے بھی کوئی شک وشبہ ظاہر نہیں کیا ہے۔ وہ اپنے ماموں حضرت علاء الدین کے زیرِ اثر تھے۔ وہ بھی سُنّی المسلک تھے۔ ان کے بعد حضرت شہاب الدین اپنے چچا کے مُرشد حضرت عبداللہ مُزدقانیؒ کے مُرید ہوئے۔ یہ حضرت بھی اہلِ سُنّت والجماعت میں سے تھے۔ ہر سہ حضرات اپنے خاندان سمیت صوفی تھے[2]۔

حضرت شاہ ہمدانؒ نے جن مشائخ کرام سے تربیت اور خط ارشاد حاصل کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

1. شیخ شرف الدین ابن عبداللہ محمود مزدقانیؒ
2. حضرت شیخ تقی الدین اخی علی دوستیؒ
3. علاء الدولہ سمنانیؒ
4. محمد بن حافظ ترکستانیؒ[3]
5. حضرت قطب الدین نیشاپوریؒ[3]
6. محمد بن محمود بن المجذوبؒ

ان تمام حضرات کے اہلِ سُنّت والجماعت سے منسلک ہونے کے بارے میں تمام تذکرہ نگار متفق ہیں اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہی حضرات، جناب امیر کبیر کے اساتذہ تھے۔ انہی نے حضرت امیرؒ کی تربیت فرمائی اور انہی سے حضرت امیر کبیر نے دینی اور روحانی فیض حاصل کیا اور یہ تو بالکل عجیب اور اُلٹی منطق ہوگی کہ سُنّی مسلک کے مطابق تعلیم و تربیت پانے کے باوجود حضرت امیر شیعہ بنے رہے۔ اُن کے کسی بھی ہم عصر (شاگرد،

1. شیعانِ کشمیر ص ۱۱۰ 2. ریاض العارفین ص ۱۲۹
3. فتحات کبرویہ۔ قلمی شیخ عبدالوہاب نوری 4. منقبت الجواہر۔ مُلّا حیدر بدخشی ص ۷، ۸ قلمی مملوکہ

مُرشد، یا دوست) کے ذریعہ سے یا اُن کی کسی بھی اپنی تصنیف میں اس بات کا خفیف سا اشارہ بھی نہیں ملتا ہے کہ شیعہ طرز پر حضرت امیرؒ عمر بھر ''تقیہ'' یا ''کتمان'' یعنی جھوٹ اور کذب و دروغ گوئی کا سہارا لیتے رہے۔ اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ حضرت امیرؒ اور ان کے فرزند سید محمد ہمدانیؒ اور باقی لاتعداد سادات نے کشمیر میں جس فقہی مذہب کی تبلیغ کی اور اور جسے رواج دیا وہ حنفی مسلک ہے۔ اگر وہ شیعہ ہوتے تو انہیں اس مسلک کی تبلیغ و ترویج میں کونسی رکاوٹ تھی۔ بادشاہ وقت ان کے گرویدہ اور فرماں بردار تھے۔ سید محمد ہمدانی کے خسر سیف الدین المعروف سہ بٹ تھے جو وزیر اعظم تھے۔ اِن حالات میں اُن کے لئے ماحول بالکل ساز گار تھا، وہ آسانی سے شیعہ مذہب کی تبلیغ کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ وہ شیعہ تھے ہی نہیں، اگر یہاں ان کی مخالفت بادشاہ، وُزراء اور اُمرا کرتے تب شیعہ ہوتے ہوئے جھوٹ بولتے یا ریاکاری کرتے جسے شیعہ لوگ ''تقیہ اور کتمان'' کا نام دیتے ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ تواتر سے اور لوک ادب اور شعر و شاعری کی روایت کی رو سے بھی حضرت امیرؒ، اُن کے فرزندؒ اور ان کے خلفاء سب مسلک اہل سُنت والجماعت کے سچے، دیانتدار اور صادق پیروکار، مبلغ اور حامی تھے۔ کشمیری شاعری اُن کی مدح اور تعریف سے مالا مال ہے۔ جب کہ کشمیری شیعہ ادب صرف روایتی مرثیہ گوئی تک ہی محدود ہے اور اس سارے ذخیرہ میں حضرت امیر، حضرت میر محمد اور دیگر سادات کی مدح اور مناقب میں کوئی بات بھی درج نہیں ہے۔

حضرت امیر کا مسلک اُنکی تصنیفات کی روشنی میں:

اس کے برعکس اُنہوں نے ہر جگہ اور ہر موقعہ پر بلا خوف لومتہ لائم اعلائے کلمتہ الحق کو عملاً اپنایا۔ اس کے لئے تکلیفیں اُٹھائیں، سازشوں کا شکار ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ نے ایک روحانی اشارہ کے تحت ہمدان سے کشمیر کو ہجرت فرمائی۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی وسیع و عریض زمین میں مناسب جگہ پر تبلیغ حق کا فریضہ انجام دے سکیں۔

حضرت امیرؒ کے تمام خُلفاء، اور شاگرد، مثال کے طور پر خواجہ اسحٰق ختلانی اور اُن کے مرید سیّد علاء الدین نور بخش[1] مولانا جعفر بدخشی) صاحب خلاصتہ المناقب) سید محمد ہمدانی (فرزند حضرت امیرؒ) اور وہ تمام سادات اور مشائخ کرام جو ہجرت کے وقت حضرت امیرؒ کے ساتھ کشمیر تشریف فرما ہوئے، سب اہل سُنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور تقریباً سب حضرات نے یہاں آکر مسلک حنفی کو رواج دیا۔ اسی طرح حضرت امیرؒ کے تمام ہم عصر اور ہم عُمر دوست و احباب سُنّی المسلک تھے، جیسے میر سیّد حیدر، سیّد جمال الدین، سیّد کمال سنائی، سیّد جمال الدین علائی، سیّد رکن الدین، سیّد محمد، سیّد عزیز اللہ آپ کے رُفقاء اور مددگار بھی تھے۔

جناب میر سید علی ہمدانیؒ نے حضرت ابن عربیؒ کی فصوص الحکم کو ہندوستان میں شاید سب سے پہلے متعارف کرایا۔ انہوں نے فصوص الحکم کی عربی اور فارسی شرحیں تحریر فرما کر ابن عربیؒ کے بارے میں شائع شدہ غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو اپنے طور پر دور کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ ابن عربی وحدت الوجودی صوفی تھے لیکن مسلکاً سُنّی تھے۔

اپنی کثیر تصانیف میں حضرت امیرؒ نے کسی بھی جگہ واضح یا مُبہم طور پر بھی شیعہ مسلک کے مفروضہ نظریہ ''اِمامت'' کی حمایت میں کوئی بات تحریر نہیں فرمائی ہے اس کے برعکس وہ ''خلافت'' کا ذکر (سنی مسلک کے مطابق) بار بار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اُموی اور عبّاسی حکمرانوں کو بھی خلیفہ اور امیر المومنین کے لقب سے یاد فرماتے ہیں۔ اس کی وضاحت چند مثالوں سے ہو سکتی ہے۔

ذخیرۃ الملوک میں ایک جگہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبُوّت کو آخری اور مکمل قرار دے کر تحریر فرماتے ہیں ''و چُوں درجۂ نبوت بوجود محمدیؐ بکمال رسید، مراتب نبوت را بر وجود شریف او ختم گردانید، و صحابۂ کرام بعد از و بہترین خلق بودند و بہترین ایشان خلفائے راشدین اند۔ آں چہار کس اند، ابوبکر و عُمر، و عثمان و علی رضی اللہ علیہم اجمعین''[2]۔

اس کے بعد اس بیان شدہ حقیقت پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ''معرفت ایں مقدار از اصولِ ایماں بر سبیل اجمال بر ہمہ مسلماناں

[1] تاریخ ادبیات در ایران ص ۳۱۹ [2] ذخیرۃ الملوک قلمی نسخہ۔ مملوکہ غلام محمد شاد

واجب است"[1]۔

ذخیرۃ الملوک کے باب پنجم میں زیرعنوان "احکام ولایت وسلطنت وامارت و حقوق رعایا وشرایط حکومت، وخطر عہدۂ آں ودجوب عدل واحسان" ایک جگہ پر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے فرائض کو اچھی طرح سے انجام دیا ہے اُن میں "از زمانِ آدم علیہ السلام اِلی آلان" چند کس معدود بیش بنودند" از اکابر انبیاء چوں یوسفؑ وموسیٰؑ وداؤدؑ وسلیمانؑ ومُحمّدؐ واز خُلفائے راشدین چوں ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کہ سرّ ایں منصب در وجود شریف ایشاں ظہور کردوایشاں باداے حقوق آں چنانکہ می بایست قیام نمودند وسیرت ہائے ایشاں بر ظلماں جافی وجاہلان عاصی حُجت گردانیدند"

حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ کا عامۃ المسلمین کے مُتفقہ فیصلہ اور منشاء کے مطابق خلیفہ مقرر ہو جانے پر وہ خاص لفظ استعمال فرماتے ہیں حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں رقمطراز ہیں "نقلست کہ چوں ابوبکر را بہ خلافت بہ نشاندند، روز دوم پیید کرپاس برگرفت وبباز ار رفت و بہ نشست وپیش از آں کرپاس فروشی کردی وقوت عیال ازاں حاصل کردی صحابہؓ را ازاں ناخوش آمد وگفتند ایں کار لایق خلافت نیست ...... پس صحابہؓ اتفاق کردند کہ قدر کفایت عیال ابوبکرؓ از بیت المال بدہند"[2] اس میں "صحابہ اتفاق کردند" والا فقرہ اور لفظ "بنشاندند" غور و توجہ کے قابل ہے صحابہ نے باتفاق رائے اُن کو خلافت کے تخت پر "بٹھایا" تھا اور اسی لئے انہوں نے ان کیلئے کفاف مقرر کرنے پر بھی اتفاق رائے سے کام لیا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت امیر لکھتے ہیں "نقلست کہ چوں عمرؓ را بہ خلافت بنشاندند، اتفاق کردند نفقۂ عیال او از بیت المال بدہند، قبول نکردند، وگفت قوتِ کسب دارم مرا بداں حاجت نیست"[3]

یہاں پر ایک غالی شیعہ مُصنّف (افسانہ نویس!) نے یہ نکتہ اُبھارا ہے کہ حضرت امیرؒ نے حضرات شیخین کے بارے میں لفظ "بنشاندند"[5] استعمال کیا ہے، جس کا مطلب وہ

[1] [2] [3] ذخیرۃ الملوک قلمی نسخہ مملوکہ غلام محمد شاد

[5] مجالس المومنین مجلس ششم ص ۳۱۱

شاید اپنے طور پر یہ لیتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے ان کو زبردستی تخت خلافت پر بٹھایا اور اس کے برعکس جب حضرت امیرؒ حضرت علیؓ کی خلافت حاصل کرنے کے بارے میں "چوں علی کرم اللہ وجہہ بہ خلافت بنشست" تحریر فرماتے ہیں[1]۔ (اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خود ہی زبردستی خلیفہ بن گئے)

نور اللہ شوشتری حالات وواقعات کو توڑنے اور مروڑنے کے فن میں ماہر تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان کا یہ نکتہ ابھارنا بدنیتی اور کتمان حق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خلافت کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا اور حضرت عمرؓ کو صحابہ کی کثرت رائے سے خلیفہ بنایا گیا۔ لہٰذا اس دور کے پیش آمدہ حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے "بنشاندند" کا لفظ ہی جمہور کی رائے کی نمائیندگی اور ترجمانی کر سکتا تھا، حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت امیرؒ بنشت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جو اپنے حالات وواقعات کی روشنی میں درست، صحیح اور برمحل ہے۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ سے زیادہ خلافت کا حقدار کون ہوسکتا تھا، جسے لوگ منتخب کرتے۔ اس سے دوسری بات بھی ذرا سا غور کرنے سے ذہن میں آتی ہے، کہ حضرت علیؓ کے بعد خلافت کا حقدار (حضرت امیرؒ) کسی کو بھی نہیں سمجھتے ہیں اس لئے "بنشت" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اورادفتحیہ (اور ادوظائیف) حضرت امیرؒ کی مشہور تالیف ہے۔ اس میں وہ خُلفائے راشدین کو ائمہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اس میں وہ اہل سُنت والجماعت کے مسلک سے اپنی وابستگی اسطرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "رَضینا باللہ تعالیٰ ربّاً وبالاسلام دیناً وبمُحمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نبیّاً وَرسولاً وبالقرآن اماماً وبالکعبۃِ قبلۃً وبالصلوٰۃ فریضۃً وبالمومنین اخواناً وبالصدیقؓ وبالفاروقؓ وبالذِ النورین وبالمرتضٰیؓ ایمۃً رضوان اللہ علیہم اجمعین"[2] اس میں حضرت امیرؒ نہ صرف خلفائے راشدین کی امامت وخلافت پر اپنی تسلیم ورضا کا اظہار فرماتے ہیں بلکہ چاروں خلفاء کا ذکر اُسی تقدم زمانی کی نہج پر فرماتے ہیں جو مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں مشہور ومتداول ہے۔

[1] ذخیرۃ الملوک قلمی [2] اورادفتحیہ، (حضرت امیر کبیرؒ)

اس موقعہ پر ایک حدیث شریف کا ذکر میرے خیال میں مناسب رہے گا۔ جو حضرت امیرؒ نے ذخیرۃ میں تحریر فرمائی ہے: ''وَعَن ابنِ عبّاسٌ قال دَخل رسول اللّٰہُ عَلی الانصار، فَقَالَ ایوُمِنُون انتم؟ فَسَکَتُوا فَقَالَ عُمرؓ نعم یارسُولَ اللّٰہؐ، قال وَمَا عَلامَۃُ ایمانکُم، فَقَالوا شکر عَلَی النَعُماء و نُصبر عَلَی البلاءِ وَترضی بالقَضاء، قال اَنتم مُومِنُون وَربّ الکعبہ[۱]'' حضرت امیرؒ نے اس کا ترجمہ دیگر آخری حصے کو اس طرح بیان کیا ہے: ''فرمود کہ بخدائے کعبہ کہ شُما مومنانید[۲]''

جناب سیّد علی ہمدانی نے اسی ذخیرۃ الملوک میں ''خلافت'' کا لفظ مختلف اصحاب کے ساتھ (خلفاء اربعہؓ کے علاوہ) بھی استعمال فرمایا ہے۔ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں ''چوں خلافت یافت'' لکھا ہے جو اپنے حالات کے سیاق و سباق کے تحت نہایت موزوں اور برمحل ہے۔ دوسری جگہ ان کو ''امیر المومنین'' کے لقب سے بھی یاد فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت ہمدانیؒ، ہارون الرشید، مامون الرّشید، عبداللہ بن ہارون بن مامون، معتضد (Mutazid) وغیرہ کا ذکر امیر المومنین اور خلیفہ کے لقب کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہارون الرشید کے خلافت کے حصول کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''چوں موسیٰ بن مُحمد الہادی وفات یافت، اورا (یعنی ہارون رشید) بہ خلافت بنشاندند، جمیع علماء و مشائخ بہ تہنیت خلافت آمدند[۳]'' عبداللہ بن ہارون بن اموں کے بارے میں لکھا ہے'' ....
...... کہ خلیفہ ہفتم بود[۴]''۔ حضرت عمرؓ بن عاص کے مصر میں گورنر بن جانے کو اس طرح بیان فرمایا ہے ''نقلست کہ چوں عمر بن عاص در مصر بپادشاہی نشست[۵]'' اس جملے میں مصر کی مناسبت سے پادشاہی کا لفظ کتنا برمحل اور بلیغ ہے، اس کا اندازہ ادب شناس لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ کشمیر کے شاہمیری پادشاہ سلطان قطب الدین کو ''سلطان[۶] غُدا'' کے لقب سے نوازا گیا ہے۔

حضرت سیّد علی ہمدانیؒ نے اپنی اکثر کتابوں میں، اور خصوصاً ''ذخیرۃ الملوک'' میں معروف صحابۂ کرام کی روایت کردہ بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ ذخیرۃ میں ہمیں سب

۱و۲و۳ ذخیرۃ الملوک قلمی

۴ مکتوبات...... ۱۹ ا رواں مکتوب ص ۱۰۷ ابنام عین القضاۃ ہمدانی ۵ ذخیرۃ الملوک ۶ مکتوبات

سے پہلے حضرت عمرؓ کی روایت کردہ مشہور حدیث جبریل ملتی ہے، عجیب بات یہ ہے کہ ذخیرہ کے اختتام پر بھی انہوں نے حضرت عمرؓ کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ذخیرہ میں تیرہ بار کیا گیا ہے، اور اُن کی روایت کردہ احادیث کی تعداد (جو ذخیرۃ الملوک میں پائی جاتی ہیں) حضرتِ ابوہُریرہؓ کے بعد سب سے زیادہ ہے۔ اِن کے علاوہ ذخیرۃ الملوک میں مندرجہ ذیل اصحاب کبار کی روایت کردہ احادیث نقل کی گئی ہیں:

حضرات، انس بن مالک، فضالہ بن عُبید، عبداللہ ابن عباس، جابر بن عبداللہ الانصاری، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمر، ابی سعید الخُدری، ابودرداء، ابوعبیدۃ الجرّاح، ابی بریدہ اسلمی، قتادہ بن صامت، عبداللہ بن مسعود، ابی ذر غِفاری، طلحہ بن عبداللہ، عمر بن العاص، ابوایوب انصاری، سہیل بن سعد، معاذ بن جبل، اُسامہ بن شُریک، عکرمہ بن وہب، حکیم بن حزام، مالک بن ربیعہ، ابی مسعود انصاری، سلمان، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن مُفقّل، عبدالرحمٰن بن سمرہ، عمر ابن عوف المدنی، غرس بن عمیرہ، حذیفۃ ایمانی، ابوبکر صدیق، ابی امامہ باہلی، عقبہ بن عبدالغافر، بکر بن عبداللہ المزنی، ابن الارث، عمر بن شعیب، ثابت بن قیس انصاری، اسماء بن عمیس، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

مندرجہ ذیل صحابہ و تابعین کا ذکر واقعات کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ حضرات مالک بن دینار، اثبت بن ابی مالک، حضرت عثمان ذی النورینؓ ابوبکر، عُمر علی، عوف بن عبداللہ، ابودرداء، خالد بن ولید، ابن حصین عمران، سعید بن سوید، ابوجہم بن حذیفہ، زین العابدین، علی بن حسین، حضرت فاطمۃ الزہرا، اُمّ سلمہ، حضرت عائشہ صدیقہ، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، پورے ذخیرۃ میں صرف ایک بار حضرت جعفر صادقؒ کا ذکر آیا ہے۔

یہ تمام صحابہ اور صحابیات، اہل سُنّت والجماعت کے نزدیک افضل الخلایق ہیں بعد از حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ہمارے شیعہ دوست اِن متذکرہ بالا اصحاب کی کسی بھی روایت کو مُستند نہیں مانتے ہیں۔ اور نہ ہی انہیں اپنے مخصوص معنی میں ''مومنین'' میں شمار کرتے ہیں (بہ استثنائے ایک دو حضرات کے)

اسی طرح حضرت امیرؒ نے صوفیائے کرام اور تابعین حضرات وغیرہ کا ذکر اپنی کتب خصوصاً ذخیرہ میں بکثرت کیا ہے۔ جن میں عطائے سلمی، شیخ ابوبکر کتانی، شیخ داوَد

طائی، ابوالقاسم جنید، ابوحسن نوری، ابویزید، شیخ ابوبکر وراق، شیخ حسن بصری، سفیان ثوری، حیثمہ (تابعی) سفیان بن عیینہ، شقیق بلخی، واثلہ بن اشفع، فضیل بن عیاض، یحییٰ بن معاذ رازی، ابوحفص حدّاد، ابراہیم ادہم، وہب ابن منبہ، حسین منصور حلاّج، معروف کرخی، ملک صالح (از صلحائے پادشاہانِ شام) ابن عربی، یہ تمام بزرگان دین، اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ سُنی المسلک تھے، ان میں سے کسی کے بارے میں بھی کوئی ایک شہادت میسر نہیں ہے جس سے اُس کا شیعہ ہونا ظاہر ہوسکتا تھا۔

اسی طرح حضرت امیر اہل سُنت والجماعت کے چاروں فقہی ائمہ کا ذکر احترام و عزت سے کیا ہے۔

حضرت امیر کے مکتوبات مبارکہ کا ایک اچھا خاصا مجموعہ موجود ہے۔ یہ مکتوبات حضرت نے وقتاً فوقتاً مختلف اصحاب کے نام تحریر فرماتے ہیں۔ جن میں کوئی بھی شیعہ مسلک سے تعلق نہیں رکھتا تھا، مثلاً مولانا جعفر بدخشی، سلطان غیاث الدین پکھلی، طغان شاہ، علاء الدولہ پکھلی، میرزا اکا کا، مولانا محمد خوارزمی، سلطان قطب الدین شمیری، شیخ محمد خان پکھلی،

ان تمام متذکرہ صدر معروضات کے بعد اس بات کو خصوصی طور پر ملحوظ نظر رکھنا چاہئے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ نے اپنی کسی بھی تصنیف میں شیعہ مسلک کے مندرجہ ذیل بنیادی عقاید اور ان کے اصول وفروع کے بارے میں کچھ بھی ذکر یا تحریر نہیں فرمایا ہے۔ کہ:

۱. حضرت علیؓ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔
۲. حضرت رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد خلافت کے حقدار اولین تھے
۳. حضرت علیؓ کے بعد بارہ امام حکومت کے حقدار تھے۔ یعنی امامت کا شیعہ نظریہ،
۴. تقیہ، اور کتمان یا ضرورت کے وقت جھوٹ بولنے میں اعتقاد
۵. مُتعہ یا عارضی نکاح (یالذّت جُوئی)
۶. امام غائب کی غیبوبت یا ظاہر ہونے کا عقیدہ
۷. امام غائب کے ظاہر ہونے تک اسلامی حکومت کے قیام کا التوا...... اور
۸. مجتہد کی اصطلاح جس طرح شیعہ مسلک میں رائج ہے۔

۹. حضرت امیرؒ کسی بھی جگہ امامت کو نبوت سے افضل نہیں کہتے ہیں۔ جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔

ان تمام باتوں کے برعکس حضرت امیر نے ایسے لوگوں کو روافض کہہ کر "جادۂ اعتدال" سے ہٹے ہوئے قرار دیا ہے[۱]۔

ذخیرۃ الملوک میں حضرت شاہ ہمدانؒ ایمان کی بنیاد کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "اول تصدیق بدل، دوّم اقرار بزبان سیوم عملِ بتن چہارم متابعت سُنت وجماعت نبویؐ۔ ہر کہ ازیں چہارم محروم است کافر مطلق است، و ہر کہ اقرار بزبان دارد وتصدیق بدل ندارد او منافقست، وحال ایں منافق از کافر بدتر است، قولہ تعالیٰ وَاِنّ المُنَافِقین فی الدّرکِ الاسفل مِن النّار۔ و ہر کہ تصدیق بزبان دارد وعمل بتن نمی کند فاسق است............ و ہر کہ تصدیق بدل واقرار بزبان وعمل بتن دارد، ولی در عمل متابعت سُنتِ نبوی نکند مبتدعست ومبتدعاں از سُکّانِ اہل دوزخ خواہند بود[۲]"

صاف ظاہر کہ حضرت امیرؒ شیعہ عقاید کا نام لئے بغیر انکی تردید فرما کر طریقۂ اہل سنت والجماعت (سواد اعظم) پر قائم رہنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

اسلامی حکومت کے تحت ذمیوں کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے حضرت امیر فرماتے ہیں کہ اُن پر وہ تمام قیود وشرائط عاید کی جانی چاہئیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اُن پر لگائی تھیں[۳]۔

حضرت امیرؒ کے مسلک کی وضاحت کیلئے میں اب صرف ایک اقتباس ذخیرۃ الموک سے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

"شرط چہارم آنکہ منکر در محل اجتہاد نباشد و بر فعلی کہ یکی از مجتہدان امت جائز داشتہ باشد دیگران باید کہ انکار آں کند۔ مثلاً حنفی، رانشاید کہ بر شافعی انکار کند دراصل ضب (سوسمار) وضبع (کفتار) ومتروک تسمیہ (سوائے خواندن بسم اللہ ذبح کردہ) وشافعی رانشاید کہ بر حنفی انکار کند در نکاح بلا ولی، واخذ شعفہ جواز، شراب نبیذ، غیر منکر وامثال آن"[۴]

[۱] رسالۂ خواطریہ قلمی

[۲، ۳، ۴] ذخیرۃ الموک قلمی۔

حضرت امیر کبیر مشربا صوفی تھے، جعفر بدخشی کے قول کے مطابق وہ پہلے حنفی تھے، بعد میں اپنے مرشد کے احترام میں انکا جھکاؤ شافعی مسلک کی طرف زیادہ ہوگیا تھا۔ لیکن وہ کسی مسلک کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔ اسی لئے حضرت امیر نے کشمیر میں حنفی مسلک کو ہی رواج دیا[1]، اور اسی وجہ سے تواتر کے ساتھ اہل سنت والجماعت کی تمام مساجد میں جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں حضرت امیر کا نام انتہائی احترام اور بانی مسلمان کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور جن شعراء اور صوفیائے کرام نے حضرت امیرؒ کی مدح میں قصاید اور اشعار تصنیف کئے ہیں وہ سب سنی المسلک ہیں۔ ان میں نمایاں خصوصیت کے حامل خواجہ حبیب اللہ جبی نوشہری، خواجہ اکمل الدین کامل بدخشی، خواجہ یعقوب صرفی وغیرہ ہیں۔

---

(۱) فتحات کبرویہ ورق ۱۴۷ ب

"کشمیر"
میں
"اسلام"
منظر اور پسِ منظر

جدید ایڈیشن

از: ڈاکٹر سید محمد فاروق بُخاریؒ ــــــ سرینگر کشمیر

Scanned with OKEN Scanner